سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے

حقی حق

نیو ورلڈ آرڈر

انسانی حقوق

ورلڈ ٹریڈ سنٹر

IN CONGRESS, JULY 4, 1776.

The unanimous Declaration of the thirteen united States of America.

شفیق پبلی کیشنز

Marfat.com

سوچتا
اور اس
برائی۔
ہمارے
فراہم ک
کا اہل
اخلاق

پوری د
اور اس
ہیں۔
عادی۔

سے تعلق
اور درد
کرنے
انہوں
کیا
لئے۔

بھاری
بننے د
فیصلے
اپنے بن
میرے
دے"
بھی۔
لطف ا
میں حق
ہوں۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Marfat.com

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَت غَزلَهَا مِن بَعدِ قُوَّةٍ انكَاثًاo

ترجمہ۔ اور نہ ہو جاؤ اس عورت کی مانند جس نے توڑ ڈالا اپنے سوت کو مضبوط کاتنے کے بعد (اور اسے) پارہ پارہ کرڈالا۔

(سورۃ النحل)

ثُمَّ رَدَدنَا لَكُمُ الكَرَّةَ عَلَيهِم وَاَمدَدنكُم بِاَموَالٍ وَّبَنِينَ وَجَعَلنكُم اَكثَرَ نَفِيراً o

ترجمہ۔ پھر ہم نے پلٹا دیا تمہارے حق میں زمانہ کی گردش کو جو دشمن کے خلاف تھی اور ہم نے قوت بخشی تمہیں مال سے، بیٹوں سے اور بنا دیا تمہیں کثیر التعداد۔

(سورۃ بنی اسرائیل)

Marfat.com

سورۃ بنی اسرائیل

گواہی دے

حقی حق

شفیق پبلیکیشنز، شفیق بک سنٹر

چوک گڑھی شاہو، لاہور-39

Ph: 92-42-6304761 Fax: 6370989
Email: shafiqpublications@yahoo.com

Marfat.com

زبیر احمد
نے
شفیق پبلیکیشنز سے
شائع کی

دائمی حقوق اشاعت بحق ناشر محفوظ۔

ضابطہ

طباعت۔	شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
کمپوزنگ۔	نیازی کمپوزنگ سنٹر، لاہور
طبع اوّل۔	جولائی 2002ء
سرورق۔	مسز تبسم ذوالفقار
قیمت۔	-/290 روپے
امریکہ	18 ڈالر
برطانیہ	10 پاؤنڈ

ISBN 969-8443-17-7

اسٹاکسٹ

فیروز سنز لمیٹڈ۔ شاہراہ قائداعظم، لاہور
سنگ میل پبلی کیشنز۔ لوئر مال، لاہور
جہانگیر بک ڈپو۔ اردو بازار، لاہور
مکتبہ تعمیر انسانیت۔ اردو بازار، لاہور
رحمان بک ہاؤس۔ اردو بازار، کراچی
مشتاق بک کارنر۔ اردو بازار، لاہور
خزینہ علم وادب۔ اردو بازار، لاہور
اسلامی کتب خانہ۔ اردو بازار، لاہور
اشرف بک ایجنسی۔ کمیٹی چوک، راولپنڈی
ویلکم بک پورٹ۔ اردو بازار، کراچی

Marfat.com

Surah Bani Israel Gavahi Dae

Haqqui Haq

Shafiq Publications
Shafiq Book Centre

Chowk Ghari Shahu, Lahore39-Pakistan.
Ph: 92-42-6304761 Fax: 6370989
Email: shafiqpublications@yahoo.com

Marfat.com

STOCKISTS:

KITAB GHAR
6403, North Oakley Chicago, IL 60659 **U.S.A.**
Tel: (773) 743-6005 Fax: (773) 743-6016
www.kitabghar.com

MANSOOR BOOK SHOP
70-64 Broadway Jackson Heights, New York N.Y. 11372 **U.S.A.**
Ph: (718) 446-9554
Email: mansoorbookshop.com

MUSLIM PRINTERS & BOOKSELLERS
432 Stratfor Road, Spark Hill, Birmingham B11 4LB **U.K.**
Tel: 01 21 773-8301 Fax: 01 21 773-1735
Email: islamicinfo/btclick.com

ROLEX BOOKS
81-83 Wilmslow Road, Rusholme, Manchester M14 5SU **U.K.**
Tel: (0161) 225-4448 Fax: (0161) 225-4884
Email: rolexbooks@iname.com

NAWA-E-TOKYO PUBLICATION
Boeki Building 2nd Floor, 6-13-1 Aoyagi, Soka-Shi
Saitama-Ken 340-00022 **JAPAN**
Tel: (0489) 33-0081 Fax: (0489) 36-7029
Email: nawaetokyo@gol.com

MALIK NEWS AGENCY
P.O. Box 5449 Dubai, **U.A.E.**
Tel: (4) 223-2241 & (4) 222-5652 Fax: (4) 222-5035
Email: mnews@emirates.net.ae

ICNA BOOK SERVICE
100 McLevin Avenue, Unit 3A,
Scarborough, ON MIB 1H5 **CANADA**
Tel: (416) 609-2452 Fax: (416) 2922-2437
Email: icnabook@canada.com

Marfat.com

انتساب

ابوالحسن ضیاء (مرحوم) اور اقبال فاطمہ کے نام

ایک کو وضع ،تواضع اور احسان میں سرافراز پایا اور ایک کو عبادت، رجاء اور ریاضت میں سربسجود۔ نظر کشا احسان کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور دل کشا دُعا دینے کی۔سو، ایک کے احسان اور ایک کی دُعائیں میرے سر پر ہیں۔ احسان سے سرنگوں ہوں اور دُعاؤں سے سربلند......

Marfat.com

اظہارِ تشکّر

فاصلہ کی دوری اور قلتِ وقت کے سبب اس کتاب کو کمپوزنگ کے مرحلہ سے اشاعت کی حد تک لانا، کم از کم میرے لیے اس قدر آسان نہیں تھا کہ جس قدر آسان ثابت ہوا۔ اس میں بہت سے کرم فرماؤں کا اخلاص اور تعاون شامل رہا۔ کمپوزنگ جیسے صبر آزما مرحلہ کو اشفاق نیازی صاحب اور زمان نیازی صاحب کی شبانہ روز محنت اور محبت نے آسان بنا دیا۔

پروفیسر تنویر حسین صاحب نے مسودہ میں تصحیح کے مشکل کام کو بہت اخلاص سے انجام دیا اور مسز تبسّم ذوالفقار نے سرِ ورق کی تکمیل میں ہمشیرگی کا حق ادا کر دیا۔

علاوہ ازیں کئی مہربانوں کا تعاون شاملِ حال رہا، میں عزیر احمد صاحب، احمر نزہت صاحبہ، فخر عالم صاحب، ذوالفقار سرور بیگ صاحب، عائشہ رسول صاحبہ کا اور اپنے پبلشر زبیر احمد صاحب کا بطور خاص ممنون ہوں اور احسان مند ہوں کہ جن کے قیمتی مشورے اس کتاب کی تکمیل میں ممد ثابت ہوئے۔

علاوہ ازیں میں ان تمام اصحاب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنی قیمتی آراء سے نوازا۔

حقّی حق

Marfat.com

فہرست

مضامین	صفحہ
دیباچہ	13
آراء	
اہل پاکستان کے لئے درس عبرت (قاضی حسین احمد)	15
سورۃ بنی اسرائیل......ایک سنگ میل (وسیم سجاد)	16
حقی حق اسم بامسمی (ڈاکٹر صفدر محمود)	19
طلوع (سید ارشاد احمد عارف)	21
بداعمالیوں کے زخموں سے چور چور (الطاف حسن قریشی)	23
مضامین	
سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے	25
امریکہ کا اعلانِ آزادی	35
صبح بے نور سے صبح بے نیل تک	37
صبح تازہ کہ زرگزیدہ	50

مضامین	صفحہ
انما الاعمال بالنیات کی کُڑکی	53
ڈالرہی ڈالر	60
ٹوٹی کہاں کمند	62
آدھے آدھے	64
چولہا چھننے سے......	65
سورۃ البقرہ کی لپیٹ	66
درجہ بندی، درجات اور درگند	68
بلف، بدنیتی اور بے شرمی	75
اٹھالو پاندان اپنا	78
گنیز میلنیم ایڈیشن	80
افلاس اور جہالت کا کلّہ	82
جذبۂ خدمت ولوٹ مار	83
عبدالغفور ہوتی ۔ ایوب خان دی کھوتی	84
میڈیا کا مائیکروسکوپ	96
الیکٹورل کالج	98
صدارتی امیدوار	100
پس پردہ	103

Marfat.com

مضامین	صفحہ
صدارتی پرائمری انتخابات	104
اسلامک ڈومینوتھیوری	105
کم سخن زیادہ آثار	109
محاصرہ ڈیلاویر	113
فیڈرل الیکشن فنڈز کی ہما	113
پیرانِ کلیسا پہ عجب وقت پڑا ہے	116
مال میں سے خرچ کرتے رہا کرو	117
غریبی میں نام پیدا کر	119
فٹے منہ ایسی صدارت کا	121
ڈی این اے، پروانۂ بریّت	122
سیاسی بوزنہ و جمہوری زلیخا	123
چشم محوِ حیرت	125
صدارتی امیدواروں کا ایجنڈا	126
لہولہو سنگ میل	130
عالمِ امکانات	131
سپر ٹیوز ڈے	132
غبارہ اڑتا جائے	133
جمہوریت کا نیا جامہ	134
آبدیدہ بل بریڈلی	135
اقبال رعد کا قتل	136
لہو کی اشرفیاں	137
ایرانی طلبہ کے نام	139

مضامین	صفحہ
محمد رشید داؤد الاواحلی	141
مزید موٹی کھال	142
سیاٹل سٹائل	143
جمہوریت کا دور خانہ	145
ناریوں کے نرغہ میں	146
شاید تیرتے جائیں	147
انسانی صفات کا بنک	148
مزید نسوانی حقوق	150
شرم شرم عیسائیت	152
تشدّد بہ مقابلہ تشدّد	154
بیجنگ اور بنیادی آزادی	155
گلیشیر بی۔15	156
سٹی آف اینجلز	157
حقوق پہلے، پیدائش بعد میں	158
ہرجانہ ہزار گنا وہائے رنگ	159
سو سال سے اوپر	160
ایک اور دریا کا سامنا	161
نازو جان علی خانی	162
چھوٹی اقلیت، بڑی کامیابی	163
پنجۂ یہود میں ہے	164
ذرا زیادہ ہی دیر آمد	166
اے ہمتِ مردانہ	167

Marfat.com

مضامین	صفحہ
سوال مُوصلِ الی المطلوب	170
جیفرسن کی بائیبل	172
سینیٹر کرنل جان گلین جونیئر	174
بجلی کی کرسی یا لیتھل انجکشن	175
جہاد اندر جہاد	176
بلینز زکلب	181
بلینیر زکلب	181
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے	183
اقرار بنا آزار	184
چار بہ مقابلہ پانچ	185
حیاتِ انسانی کی پُراسرار زبان	187
سیاسی ستارہ شناس	189
رونالڈ ریگن	190
ایک اور مضبوط کرسی	191
کیٹ سٹیونز سے یوسف اسلام تک	193
یوسف اسلام کون ہیں؟	194
میں اُڑی اُڑی جاؤں	199
تیرا ہاتھ ہو جو میرے ہاتھ میں	200
بے نظیر بھٹو بہ مقابلہ بنیاد پرستی	202
ری پبلکن کنونشن	209
مردِ آہن سے مردِ بیمار تک	210
جرأتمندانہ کہ نیازمندانہ	212
عالمی ضمیر کا المیہ	213
نیشنل ڈیموکریٹک کنونشن	215
میرا اک خواب ہے	217
قیادت کا امریکی بحران	222
موسمِ اشک شوئی	223
وائٹ واٹر، کالی زمین	229
آئیل ٹیم بزنس ٹکٹ	230
تعلیم کو ماہرین تعلیم سے بچایئے	232
خلائی ٹورازم	247
ارشمیدس کی نایاب تحریر	249
ادب کا نوبل پرائز 2000ء	250
آمنے سامنے	253
آخری یلغار	259
انتخابی نتائج اور میڈیا شو	262
صدارتی انتخابی نتائج 2000ء	264
سرِ ساحل نئی دنیا	266
وبالِ ہزار آرزو	272
کوئی خبر خیر کی	273
رن کانپ رہا ہے	274
مزے تے ماہیا ہُن آن گے	275
ابراھام لنکن کی آفاقی و تاریخی تقریر	276
فلک شعلۂ بے محابا ہے	287

Marfat.com

مضامین	صفحہ
دو چار ہاتھ جبکہ……	290
بطن جمہوریت پر سوالیہ نشان	291
صدارتی انتخابات کا شماریاتی تجزیہ	293
قیامت کی چال	295
سیاسی بوزنہ اور جمہوری زلیخا	302
نداءالنحل	303
حرفِ دل بستہ	312
جنرل گل حمید (آراء)	315
ڈاکٹر احسان پیرزادہ……	317
ڈاکٹر شبیر احمد……	318
سردار فاروق احمد خان لغاری……	319

Marfat.com

دیباچہ

یہ روزنامچہ نما کتاب، کتاب کم بلکہ آئینہ، آئینہ نما اور نامۂ اعمال زیادہ ہے۔ کہیں یہ گریبان کا کام دے سکتی ہے، کہیں میزان اور موازنہ کا اور کہیں کہیں گردن اور گریبان پکڑنے والے ہاتھ کا۔ حسبِ توفیق کسی کے لئے عبرت، حسبِ ذوق کسی کے لئے تماشہ اور حسبِ حوصلہ کسی کے لئے دستِ مواخذ اور خود احتسابی کی خود کار آری۔

بیسویں صدی کے اختتام پر ساری دنیا میں ایک ہی رولا اور ایک ہی ہاہا کار مچی ہے۔ امریکہ...... امریکہ...... ہائے امریکہ۔ بلاشبہ آج پورے کا پورا کرۂ ارض حتیٰ کہ خلائی حصہ بھی، امریکہ کی مضبوط معاشی، سیاسی اور فوجی گرفت میں ہے۔ ڈیرہ غازی خان کی مسافر سراؤں سے لے کر سائبیریا کے برف زار میں بچھی تیل کی پائپ لائن میں رستا ہوا قطرہ قطرہ امریکہ کی نظر اور زد میں ہے۔

اقوامِ عالم پر یہ امریکی برتری، امریکی حکومت، حکومتی حکمتِ عملیوں، اور سرکاری حکام کی مرہونِ منت ہونے سے کہیں زیادہ امریکی معاشرت کے شب و روز سے وابستہ ہے یا اقوامِ دیگر کی اپنی غلطیوں، کمزوریوں اور بداعمالیوں سے جڑی ہوئی ہے۔ خوش حالی، افراط، معیار، علم، تحقیق، ٹیکنالوجی اور قوت کا یہ سرچشمہ وائٹ ہاؤس، کانگریس، پنٹاگون یا کسی تھنک ٹینک کی بجائے مجموعی امریکی معاشرت سے پھوٹتا ہے اور تیسری دنیا کے لئے آئین، قانون کی حاکمیت، انسانی حقوق، دادرسی اور سماجی عدل کی یہی وہ دوسری دنیا ہے، جو اس کے لئے انجانی اور ان دیکھی ہے۔

جس طرح آدمی اپنے روزمرّہ کے اعمال اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے پرکھا جاتا

Marfat.com

ہے، یہی قول معاشروں کی پرکھ پر بھی صادق آتا ہے۔ اس پیمانہ پر معاشروں کو بھی سان لگائی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب بظاہر تو اس پیمانہ پر سان لگی امریکی معاشرت کے سن 2000 کے اچھے اور برُے، مثبت اور منفی ہر طرح کے روزانہ رونما ہونے والے واقعات کا چناؤ ہے لیکن اس میں ہمارے لیے سوچ کے سو پہلو، عبرت کے ہزار رنگ اور گمان کے کئی گنا سامان موجود ہیں کہ مماثل مرحلہ اور یکساں صورتِ حال میں ہم سے ایسی کیا غلطی سرزد ہوئی کہ ہم مسلسل سجدۂ سہو میں ہیں مگر کفارہ ہے کہ ادا ہونے میں ہی نہیں آتا اور امریکہ نے کونسی ایسی غلطی نہیں کی ہے کہ اب کرۂ ارض پر صرف امریکہ ہی کو مقتدرِ اعلیٰ کا شرف حاصل رہ گیا ہے۔۔۔۔۔ باقی سب ابہام، فریب نظر، دکھاوا اور رکھ رکھاؤ ہے۔ حقیقتاً اقوامِ عالم پر صرف ایک ہی قوم کی حاکمیت مسلط و مسلّم ہے۔

گو کہ ہم اپنا وقار، عزتِ نفس اور آبرو ہار چکے ہیں اور ہمارا دامن خونِ صدق وصفا سے تربتر اور آستین اپنے ہی لہو سے آلودہ ہے مگر مسلمانوں کے حق میں اب بھی ایک گواہی، ایک بشارت اور ایک ندا کی نوید سر پر کھڑی ہے، سورۃ بنی اسرائیل میں رب العالمین کا گردشیں پلٹاتے رہنے کا عندیہ موجود ہے۔ گردش کسی بھی وقت اور کسی کے بھی حق میں پلٹ سکتی ہے۔ کیا عجب کہ سورۃ بنی اسرائیل کی گواہی، کسی آغاز تازہ کے سفر، آلام اور مسافت میں سنگِ راہ اور سنگِ میل کو پرکھنے میں کسوٹی کا کام دے سکے۔ چراغِ راہ اور منزل کی سمت نشان دہی کرنے والا سنگِ میل بن سکے۔

سمت اور فاصلہ ناپنے والا سنگِ میل
میزان اور موازنے والا سنگِ میل
ہمت اور حوصلہ بڑھانے والا سنگ میل

حقّی حق
یکم جنوری سن 2000

شکاگو
یو ایس اے

Marfat.com

اہل پاکستان کے لئے درس اور عبرت

جناب حقّی حق کی زیر نظر کتاب میں امریکی معاشرہ کے روزمرہ واقعات کو خوبصورتی کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ مصنف کے منفرد اسلوب کے باعث کبھی یہ تاریخ محسوس ہوتی ہے اور کبھی اس پر تجزیہ کا گمان ہوتا ہے۔ کہیں یہ آئینہ بن کر ہمارے سامنے آتی ہے اور کہیں اس پر سفرنامے کا شائبہ ہوتا ہے لیکن دلچسپی ہر جگہ اس کا دامن تھامے ہوئے ہے۔ قاری اسے ایک ہی نشست میں پڑھنے پر مجبور پاتا ہے۔ کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ امریکی تہذیب کے اتار چڑھاؤ کے بیان میں اہل پاکستان کے لئے درس اور عبرت کا سامان کر دیا گیا ہے۔ مغربی تہذیب جس کی فکری قیادت صہونیت کے ہاتھ میں ہے، اپنی تہذیب کے زوال کے بارے میں ایک انجانے خوف میں مبتلا ہے۔ اقبالؒ نے تو بہت پہلے فرمایا تھا۔

چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر

مغرب کا یہ سوچا سمجھا ایجنڈا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے سے روکا جائے ان پر مفاد پرست اور مغرب سے متاثر حکمران طبقہ حاوی رہے جو اسے امت واحدہ کے تصور سے بیگانہ رکھے۔ جو لوگ مکروفریب کے اس آہنی شکنجے کو توڑنے کی کوشش کریں ان پر انتہا پسندی، دہشت گردی اور دقیانوسی جیسے لیبل لگا دیئے جائیں۔ مغربی استعمار اپنی سازشوں سے ہماری راہ طویل اور پرخطر کرنے میں وقتی طور پر کامیاب ہے لیکن منزل مراد تو ان کی دست برد سے محفوظ ہے اور انشاء اللہ محفوظ رہے گی۔ اسلام اور اسلامی تہذیب خود مغرب کے لئے بھی جائے پناہ بن کر رہے گی اور یہی وہ اپیل اور دعا ہے جو صاحب کتاب کے قلم سے اس کتاب میں جا بجا موجود ہے۔ اس کتاب کی وسیع اشاعت اور ہر طبقہ فکر کے لئے اس کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

قاضی حسین احمد

امیر جماعت اسلامی پاکستان

Marfat.com

سورۃ بنی اسرائیل.........ایک سنگ میل

حصول پاکستان ایک خاص نصب العین کی کہانی ہے۔۔۔ایک کمٹمنٹ کی کہانی ہے۔ یہ کمٹمنٹ ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک کتاب کے ساتھ ہے۔

بقول حقی حق

''بیسویں صدی کے اختتام پر ساری دنیا میں ایک ہی رولا اور ایک ہی ہاہا کار مچی ہے۔۔۔امریکہ۔۔۔امریکہ۔۔۔ہائے امریکہ بلا شبہ آج پورے کا پورا کرہ ارض حتی کہ خلائی حصہ بھی، امریکہ کی مضبوط معاشی، سیاسی اور فوجی گرفت میں ہے۔ ڈیرہ غازی خان کی مسافر سراؤں سے لے کر سائبیریا کے برف زار میں بچھی تیل کی پائپ لائن میں رستا ہوا قطرہ قطرہ امریکہ نظر اورزد میں ہے۔

اقوام عالم پر یہ امریکی برتری، امریکی حکومت، امریکی حکمت عملیوں اور سرکاری حکام کی مرہون منت ہونے سے کہیں زیادہ امریکی معاشرت کے شب و روز سے وابستہ ہے یا اقوام دیگر کی اپنی غلطیوں، کمزوریوں اور بداعمالیوں سے جڑی ہوئی ہے۔ خوشحالی، افراط معیار، علم، تحقیق، ٹیکنالوجی اور قوت کا یہ سرچشمہ وائٹ ہاؤس، کانگریس، پنٹاگون یا کسی تھنک ٹینک کی بجائے مجموعی امریکی معاشرت سے پھوٹتا ہے اور تیسری دنیا کے لئے آئین، قانون کی حاکمیت، انسانی حقوق، دادرسی اور سماجی عدل کی یہی وہ دوسری دنیا ہے جو اس کے لئے انجانی اور ان دیکھی ہے۔ جس طرح آدمی اپنے روزمرہ کے اعمال اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے پرکھا جاتا ہے، یہی قول

Marfat.com

معاشروں کی پرکھ پر بھی صادق آتا ہے۔''

ڈاکٹر حقی حق ایک پکے اور سچے پاکستانی ہیں۔ ان کی کتاب ''سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے'' دو مختلف معاشروں، دو مخالف تہذیبوں اور دو متضاد افکار و خیالات کی عکاسی کرتی ہے۔ کتاب کا آغاز کسی ناول کی طرح ہوتا ہے۔ مے فلاور نامی جہاز کے 102 مسافر جن میں مرد، عورتیں اور بچے سبھی شامل ہیں، ایک ان دیکھی منزل کی طرف جانے کے لئے تیار ہیں۔ دھتکارے ہوئے لوگوں کی اس مٹھی بھر تعداد کو کیا علم تھا کہ آئندہ افق سے طلوع ہونے والے ان گنت سورج امریکہ کی فن کارانہ ترقی عجیب و غریب سیاست اور درجہ کمال کو پہنچی ہوئی معاشی حالت کی گواہی دیں گے۔

امریکہ کیا ہے اس کی تعمیر و ترقی میں ریڈ انڈین کے علاوہ کن کن بے گناہوں کا خون شامل ہے۔ دنیا کی دیگر اقوام کے بارے میں امریکیوں کا احساس سود و زیاں کیا ہے؟ امریکہ کتنا بوالہوس، کتنا تعیش پسند، کتنا فاسق کتنا فاجر ہے اس کتاب نے امریکہ کے ظاہر و باطن دونوں کے متعلق تفصیل سے تبصرہ کیا ہے۔ اس کے مصائب و محاسن اور اس کی خوبصورتی و بدہیتی کہیں فلسفہ، کہیں منطق، کہیں پرکاری و ہوشیاری، کہیں وعظ و تلقین، کہیں رمز و ایماء اور کہیں طنز و مزاح کے سہارے متشکل ہوتی ہے۔۔۔ غالب نے کہا تھا۔

گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

حقی حق بھی اپنے محبوب پاکستان کے خیال سے غافل نہیں رہے۔۔۔ ان کا دل تو دردمند پاکستانیوں کے دلوں کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ اگر حقی حق اپنے تھیسس میں امریکہ کے رنگ بھرتے تو پھر یہ عام مرعوب ہونے والے لکھاریوں کا سفرنامہ بن کے رہ جاتا۔ یہاں ان کی بصیرت، ان کے دردمند دل اور تنقیدی شعور نے پاکستان کی پسماندگی اور بدحالی کا المیہ بڑے پرسوز انداز میں لکھا ہے۔

Marfat.com

حقی حق رقمطراز ہیں۔ ''عہد شکنی کی سزا سے بھاگتے بھاگتے ہم نڈھال، چھینٹوں چھینٹ اور لیر ولیر ہو چکے ہیں مگر کچھ قوموں پر تنبیہہ، بشارت اور نشانیاں بے اثر ہوتی ہیں، قطعی، حتمی اور آخری سزا سے کم پر کام چلتا ہی نہیں، اگر حتمی، قطعی اور آخری سزا کے بغیر کام چل سکتا اور ہم سنبھلنے والے ہوتے تو سنبھل گئے ہوتے۔

ملک کے سیاسی حالات کا بھی حقی حق نے بے باک تجزیہ کیا ہے۔ یہ تجزیہ ان کی سیاسی بصیرت اور سمجھ بوجھ کی عکاسی کرتا ہے۔

ڈاکٹر حقی حق کی یہ کتاب ''سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے'' دور حاضر کی ایک اہم ضرورت ہے کیا عجب کہ سورۃ بنی اسرائیل کی گواہی، کسی آغاز تازہ کے سفر، آلام اور مسافت میں سنگ راہ اور سنگ میل کو پرکھنے میں کسوٹی کا کام دے سکے۔ چراغ راہ اور منزل کی سمت نشاندہی کرنے والا سنگ میل بن سکے۔

تاریخ وسیاست کے طلبہ اور سیاسی کارکنوں کے علاوہ ہر محب وطن پاکستانی کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

وسیم سجاد

سابق چیئرمین سینٹ

Marfat.com

حقی حق اسم بامسمی

حقی حق اسم بامسمی ہیں کہ جو لکھتے ہیں حق لکھتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ پر لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر حقی حق صاحب امریکہ میں رہتے ہیں لیکن پاکستان کا غم کھاتے ہیں اور ان کی تحریر کے ہر لفظ میں ایک سچے پاکستانی کے درد کی صدا سنائی دیتی ہے ایک ایسا پاکستانی جو پاکستان کی معاشیات اور تاریخ و سیاست پر گہری نظر رکھتا ہے اور جس کا دل اپنے ملک کے سیاسی حوادث، لاقانونیت، سماجی تنزل، جمہوری بربادی اور قومی خزانے کی لوٹ مار پر تڑپتا ہے اور وہ اپنے ہم وطنوں کو پکار پکار کر دعوت فکر دیتا ہے۔

بظاہر یہ کتاب حقی حق کی ڈائری ہے لیکن دراصل یہ ہماری نصف صدی کی تاریخ کا نوحہ ہے۔ اپنی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر ماتم کرنے کے ساتھ ساتھ حقی حق صاحب نے امریکی تاریخ کے مختلف ادوار اور سیاسی اتار چڑھاؤ کا بھی بڑے دلچسپ پیرائے میں ذکر کیا ہے اور یوں انہوں نے دونوں ممالک کا حق نمک ادا کر دیا ہے۔

''سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے'' ایک دلچسپ اور اہم معلومات سے مزین کتاب ہے، مصنف کا اسلوب پختہ اور انداز متاثر کرنے والا ہے۔

پاکستان کو باطنی طور پر سب سے زیادہ صدمہ، نقصان اور گہرا ترین زخم نظریہ ضرورت نے لگایا ہے۔ حقی حق جس انداز سے اس ٹریجڈی پر آنسو بہاتے ہیں، اس کا اندازہ درج ذیل چند فقروں سے کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

''ہماری تاریخ کو ابھی یہ فیصلہ کرنا ہے کہ نظریہ ضرورت کس کی ضرورت تھی ؟ کیا کیا ضرورتیں اس نظریے سے پوری کی جا سکتی ہیں اور یہ تریاق کس کس کام آ سکتا ہے، خائن، لٹیروں اور غاصبوں کی ضرورت، بے آئین زمین کی ستر پوشی کی ضرورت یا تالیاں مار عوام کی ضرورت .... آئین، قانون جمہوریت اور ضابطوں کی تدفین کے بعد اب نظریہ ضرورت پر ہی نگاہ ٹھہرتی ہے....... نظریہ ضرورت کی زد اور یلغار ہمارے معاشرہ میں صرف آئینی ہیرا پھیری تک ہی معدور نہیں رہی بلکہ اس کے اثرات گہرائی تک ہیں، جب عدلیہ نے ایک بار نظریہ ضرورت کا چاند چڑھا دیا، سو چڑھا دیا....... عدلیہ نے جب نظریہ ضورت کو ملک غلام محمد، سکندر مرزا، ایوب خان، ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف کے حق میں جائز قرار دیا ہے تو مستقبل میں ملک غلام رسول، جنرل دارا، جنرل صابر خاں اور جنرل ناگزیر اشرف کو نظریہ ضرورت کی چھاؤں سے کیسے محروم رکھا جائے گا۔''

مجھے یقین ہے کہ قارئین اس کتاب کے مطالعے سے لطف اندوز ہوں گے اور حقی حق کی حق گوئی سے متاثر ہوں گے۔

ڈاکٹر صفدر محمود

Marfat.com

طلوع

قرآن عظیم الشان میں قوموں کے عروج وزوال کا تذکرہ تو جگہ جگہ ملتا ہے مگر سورۃ بنی اسرائیل میں یہ قدرے مفصل اور تجزیہ کے انداز میں ہے۔ جہاں فرعون اور اس کے ساتھی عروج اور خوشحالی کی انتہا پر کھڑے انا ربکم الاعلی کا کوس بجا رہے ہیں وہاں بنی اسرائیل محض اس بناء پر کہ کسی زمانے میں وہ اللہ تعالی کی برگزیدہ امہ رہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی درخشاں مستقبل کا انتظار کرتی نظر آتی اور اس کم کوشی، مدہوشی کی وجہ سے ذلت ومسکنت کی پستیوں میں گرتی چلی جا رہی ہے۔

اس وقت امریکہ بلا مبالغہ شداد کی جنت، فرعون کی خدائی اور قارون و ہامان کی معیشت کا نقشہ پیش کر رہا ہے جب کہ مسلم امہ کی حالت بنی اسرائیل سے ملتی جلتی ہے اگر کسی کو اس وقت نظر نہیں آ رہی تو مستقبل میں نظر آنے لگے گی وہی حیلہ جوئی، فریب نفس۔ کم کوشی۔ حال مستی اور ذہنی وعلمی پستی۔ الامان والحفیظ۔ ڈاکٹر حقی حق نے ''سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے'' میں عروج وزوال کی اس داستان کو چھیڑا ہے اور اپنے روزنامچہ نما مضامین میں پاکستان اور امریکہ کا موازنہ کیا ہے اپنے حالات وواقعات کا ذکر کرتے ہوئے ایک محب وطن اور حساس شہری کی طرح ان پر جذباتی کیفیت طاری ہوتی ہے مگر دوسرے ہی لمحے وہ ایک سنجیدہ فکر اور توانا آدمی کی طرح اس ماحول سے باہر نکل آتے ہیں اور اس بات پر افسردہ ہو جاتے ہیں کہ ہم آخر کیوں ان بلندیوں کو نہیں چھو سکتے جنہیں دوسری اقوام نے چھو لیا اور ہماری ہر

Marfat.com

کوشش و کاوش کا نتیجہ منفی اور مایوس کن کیوں نکلتا۔ کتاب پڑھ کر ہی مصنف کے انداز فکر اور کدو کاوش کی داد دی جا سکتی ہے۔ شفیق پبلیکیشنز نے اس سے پہلے ''کوڑھ کی کاشت'' شائع کر کے پاکستانی قارئین سے داد سمیٹی تھی اب حقی حق کی یہ دوسری کتاب بہترین گیٹ اپ کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔ دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالی حقی حق کی خواہش کے مطابق ہم پاکستانیوں کو ایک مثالی معاشرہ تشکیل دینے کی توفیق بخشے وہ امریکہ میں بیٹھ کر پریشان ہیں۔ ہم مسائل کی دلدل میں گردن تک دھنس چکے ہیں مگر ہرگز پشیمان نہیں جو بذات خود المیہ ہے۔

ارشاد احمد عارف

ڈپٹی ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت لاہور

Marfat.com

بداعمالیوں کے زخموں سے چور چور..........آئینہ خانہ

جناب ڈاکٹر حقی حق کی یہ دوسری تصنیف بھی تیغ تیز کی طرح کاٹ دار ہے اور انسان کے سوئے ہوئے ضمیر کو پہلو بدل بدل کر کچوکے لگاتی ہے۔ اپنی نوعیت کی اس منفرد کتاب میں چشم کشا معلومات اور مشاہدات کا ایک بیش قیمت خزینہ پوشیدہ ہے۔ جس میں مغربی اور امریکی معاشرت کے وہ نادر نمونے جمع ہیں جو داخلی تضادات کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ صاحب تصنیف نے چند برسوں کے واقعات کے وہ رخ اجاگر کیئے ہیں جو بالعموم نظر سے اوجھل رہتے ہیں مگر حقیقت میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور معاشروں پر بڑی قوت سے اثر انداز ہوتے ہیں واقعات کے پیچھے کارفرما عوامل کی نشاندہی اور نشتر زنی سے ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو ذہن کو آئینہ خانہ بنا دیتی ہے۔ اس آئینہ خانہ میں ہم اپنا چہرہ بھی دیکھ سکتے ہیں جو بداعمالیوں کے زخموں سے چور چور ہے۔

ڈاکٹر حقی حق شکاگو کی ایک یونیورسٹی سے منسلک ہیں مگر ان کا دل پاکستان میں اٹکا ہوا ہے اور اس کی محبت سے سرشار، یہ محبت انہیں بے قرار اور بے چین رکھتی ہے اور وہ اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کے مستقبل کے بارے میں ہر آن فکرمند رہتے اور حالات کو بہتر بنانے کے لئے نئے نئے راستے دریافت کرتے ہیں۔ ان کی زبرست آرزو یہ ہے کہ اس خطے سے مردان کار اٹھیں اور کائنات اراضی کو امن، مساوات اور معاشرتی عدل وانصاف سے بھر دیں اور بنی نوح انسانی کے زخموں پر

Marfat.com

مرہم رکھتے چلے جائیں جو نفرتوں، ناہمواریوں اور پس ماندگیوں کے ہاتھوں بری طرح مضمحل ہیں اور ذہنی، روحانی اور نفسیاتی آسودگی کی تلاش میں ہیں۔

حقی حق صاحب کو قدرت نے علم کے پہلو بہ پہلو ایک حساس دل عطا کیا ہے جو سراپا درد ہے اور اس کے اندر کی کسک الفاظ کی رگوں میں دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس کسک میں عجب وارفتگی اور عجب سرشاری ہے جو قاری کو اپنی گرفت میں اس طرح لے لیتی ہے کہ وہ گردوپیش سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

الطاف حسن قریشی

مدیر اردو ڈائجسٹ

Marfat.com

سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے

بتاریخ 6 ستمبر 1620ء برطانیہ کی پلے متھ نامی بندرگاہ پر معمول سے زیادہ گہما گہمی اور رونق ہے۔ گودی میں 120 ٹن وزنی مئے فلاور نامی جہاز اپنے مسافروں کو ایک ایسے سفر پر لے جانے کے لئے تیار کھڑا ہے، جس کی منزل غیر یقینی، راستہ بے اعتبار، سفر مصائب سے بھرپور اور جہاز مسافروں سے بھرا ہوا ہے۔ ان مسافروں کا مستقبل مخدوش، ماضی مشکوک اور حال بے حال ہے۔ زادِ راہ ناکافی، ایسے سفر کے لئے جسمانی صحت ناموزوں، حالات ناگفتہ بہ اور دل افسردگی اور دل زدگی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اپنے وطن اور مٹی سے فراق کی افسردگی، عزیز واقرباء سے جدائی کا دکھ، آنے والے نامعلوم دنوں اور منزلوں کے خوف سے دل ہراساں اور نظریں سراسیمہ۔ مئے فلاور کے 102 مسافروں میں جہاز کے عملے کے سوا 38 مرد، 23 عورتیں، 15 نوجوان خدمتگار لڑکے اور 26 بچے شامل ہیں۔

ان مسافروں کے سامان میں کاشتکاری کے آلات، لکڑی کے کام کے اوزار، آریاں، آرے، رسیاں کنڈے اور کانٹے، مچھلی پکڑنے کے جال، جانوروں کی چربی سے بھرے پیپے، کھانے پکانے کے لوہے کے بڑے بڑے برتن، شراب کے مٹکے، اجناس کے بیجوں کی بوریاں، بائبل کے بوسیدہ نسخوں سے لبریز صندوق، اشیائے خوردونوش کی پوٹلیاں، عورتوں کے کھلے گھیر والے لمبے لمبے فراک نما قمیصوں سے پھولے ہوئے تھیلے، دوہری کھال سے بنے ہوئے مردانہ پیش بند، بھیڑ، بکریاں، کتے اور کچھ توڑے دار بندوقیں شامل ہیں۔

روانگی کا منظر خاصا رقت آمیز، سنجیدہ، افلاس زدہ اور کسی حد تک جبر اور لاچارگی سے معمور ہے۔ ماحول اور منظر پر مذہبی رنگ غالب ہے اور رنگ بھی ایسا کہ جس پر رجعت پسندی کی چھاپ صاف نظر آتی ہو۔ بچے سہمے ہوئے اور عورتیں خاموش ہیں، کچھ عورتیں مسلسل گریہ وزاری کر رہی ہیں اور کچھ رونے دھونے سے

Marfat.com

فارغ ہو چکی ہیں، جو فارغ ہو چکی ہیں، وہ قدرے پرسکون لگتی ہیں جیسے بعد از گریہ و زاری لذت پرسکونی والی کیفیت طاری ہو۔ مردوں کے احکامات کی چیخ پکار اور مسلسل تکرار سے عاجز، ستائی ہوئی اور ستے ہوئے چہروں والی نوجوان لڑکیوں نے چھوٹے بچوں کو گود میں اٹھایا ہوا ہے۔ یہ شدت سے روانگی کی منتظر ہیں کہ جہاز روانہ ہو تو ان کا بوجھ بھی اترے۔

روانگی سے قبل مذہبی رسوم کی ادائیگی شروع ہو چکی ہے اور لیڈن (ہالینڈ) چرچ کے سربراہ و مذہبی رہنما جان رابنسن کا الوداعی پیغام اور ہدایت نامہ پڑھ کر سنا دیا گیا ہے، جس سے ماحول میں مزید سنجیدگی اور مسافروں میں خاموشی چھا گئی ہے۔

واضح طور پر نظر آنے والی خستہ حالی اور بے یقینی کے پیشِ نظر کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ افراد کی یہ مختصر سی جمعیت اور انتہائی غیر منظم جماعت ایک ایسی قوم اور ملک کی بنیاد رکھنے جا رہی ہے کہ جو محض قریب سوا دو سو برسوں میں (1776 تا 2000) ہی اس کرۂ ارض پر ایسی قوت بن کر ابھرے گی کہ جسے اقوامِ عالم میں بے مثال امتیاز حاصل ہو گا۔ شکستہ، بُرے حال اور بانکے دیہاڑے ان مسافروں میں بظاہر تو ایسا کوئی وصف نظر نہیں آتا تھا کہ ایسی انہونی ان کے ہاتھوں ہو جائے، بجز خوبیٔ تقدیر، جفاکشی اور بقائے ذات کی شدید فطری جبلت کے سوا یہ افراد تہی دست و تنگ داماں ہی نظر آئے تھے۔

یہ فیصلہ کرنا خاصا مشکل لگتا ہے کہ سو افراد کی اس مختصر سی جمعیت میں ایمان و اخلاص کی قوت زیادہ تھی یا عمل و تنظیم کی صلاحیت، ان لوگوں کا یقین زیادہ مستحکم تھا یا محض تقدیر مہربان تھی۔ چونکہ ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ بعد کے ادوار میں ایک اور مملکت قائم کرنے کے لئے لاکھوں کے دل کے دل چلے۔ ان کے رختِ سفر میں نظریہ کی ت، ایمان کی حرارت، وعدہ وعید، اتحاد تنظیم، یقینِ محکم کا فارمولا اور لا الہ الا اللہ کی آفاقی صداقت سبھی کچھ تھا مگر دیکھتے ہی دیکھتے جو کچھ پہلے سے موجود تھا، اسے بھی ملیا میٹ کر کے رکھ دیا اور ایک کشکول بدست انبوہ کی تخلیق کے سوا اس زمین

Marfat.com

سے اور کچھ نہ پیدا کیا جا سکا۔

زمین میں قوموں کا مقتدر ہونا قدرتِ خداوندی کا بہت بڑا انعام ہوتا ہے۔ قوموں کے مقتدر ہونے کو عطیہ سمجھئے اور افراد کا مقتدرِ اعلیٰ ہونے کو اعزاز و آزمائش۔ حقیقی اقتدار کی توقیر و تکریم خواہ افراد ہوں یا اقوام، کم ہی ملتی ہے، کسی کسی کو ملی اور بہت سوں کو نہ بھی ملی، لیکن جنہیں ملی تو، مگر ضائع کر دی گئی یہ کفرانِ نعمت ہے۔ اس میں کھلا خسارہ اور گہری عبرت ہے۔ یہ لاٹری بار بار نہیں لگتی ہے۔ مقتدر رہنے والی قوموں کی تاریخ ایک طرف تو دیانت دار، عادل، شجاع اور سادگی پسند حکمرانوں کی طرف اشارہ کرتی ہے اور دوسری طرف درد مند، اخلاص بھرے، جری اور رزقِ حلال کمانے والے عوام سے عبارت ہے مگر مظلوموں کی داد رسی دونوں طرف قدرِ مشترک اور خشتِ اوّل ہے۔ مقتدر افراد و اقوام کے لئے رب العالمین نے یہی کسوٹی مقرر فرمائی ہے۔ معاشرے جب اس کسوٹی پر پورا اترنے سے قاصر ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی خلق کے درمیان گردش کو پلٹا دیتے ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ربانی ہے

ثُمَّ رَدَدْ نَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ اَمْدَد نٰكُم بِاَمْوَالٍ وَ بَنِيْنَ وَ جَعَلْنٰكُم اَكْثَرَ نَفِيْرًا ہ

ترجمہ: پھر ہم نے پلٹا دیا تمھارے حق میں زمانہ کی گردش کو جو دشمن کے خلاف تھی اور ہم نے قوت بخشی تمہیں مال سے، بیٹوں سے اور بنا دیا تمھیں کثیر التعداد (بنی اسرائیل)

بحیثیت مجموعی قوم جب ہمیں تخلیق ودیعت ہوئی، زمین میں اقتدار ملا اور زمانہ کی گردش ہمارے حق میں پلٹائی گئی، ہمیں معاشرہ کی تخلیق کاری کا عطیہ عطا ہوا، آبیاری کی توقیر سے سرفراز کیا، بنجر زمین میں بیج بونے کا اذن ملا اور فیصلہ سازی کا اعزاز بخشا گیا تو ہم بوکھلا گئے۔ اپنے سائے سے سوا اور اپنے مفادات سے کم دیکھنے کی کوتاہ نظری میں ہم سے ایسی غلطی سرزد ہوگئی کہ اس کا ازالہ ہی ہونے میں نہیں آتا

Marfat.com

ہے۔ ہم نے جس زمین میں سماجی انصاف ، عدل، برابری، دیانت، اخلاص، اسلام، سادگی اور درد مندی بیجنے کا عہد باندھا تھا۔ وہاں مملوک، جاگیریئے، خوانین، خائین، مرزے، چودھری، گورمانی، قزلباش، کھوڑو، کھیڑے، گگھے، کھوسے، کھوکھر، کھرل کھڑپینچ، جعلی کلیم، الاٹمنٹس ، خان بہادر، خطابیئے، رانا، راوٗ، رانجھے، موم جامے، آئی سی ایس، تھری پیس، ڈبل بریسٹ سی ایس پی، سازشی، پی ایل 480 تھینک یو امریکہ، ٹوانے، نون، دولتانے، جتوئی، سردار، وریام، جگے، نوسر باز، مخلوط شبینے، ایچی سن، جالندھریئے، رنڈیاں، سفل صفات، کڑاہی گوشت، گھ جوڑ، چکن تکہ، سفہا، ثقافتی مجرے، مبارکبادیاں، لنڈی کوتل، گدی نشین، استقبالیے، سپاسنامے، بال و پرکٹی بے پردہ خواتین، دل موہ لینے والی بیسوائیں، غیر ملکی ریفرشر کورسز، پردہ پوشی، جعلی ماہرین، مطالعاتی دورے، انگلش میڈیم، سرمستیاں، لاعلاجوں کے دساوری علاج، خواجہ، خواجہ سرا اور خواجہ پیا کے گواہ اور غیر اللہ کا نظام بویا اور جس نسل کی کانٹے دار فصل بیجی تھی، اب یہ فصل پک کر تناور ہو چکی ہے تو ہم اسے کاٹتے ہوئے آزردہ افسردہ اور حیران و پریشان ہیں کہ یہ قباحتیں اور کانٹے کدھر سے اور کیوں کر نکلے چلے آتے ہیں۔ نصف صدی کا کشت کاٹنے کے بعد بھی نہ کہیں سماجی انصاف کی چھاؤں ہے، نہ معاشی ہمسری کی چھتری اور نہ اسلام کا چھاتہ۔ نہ معاشرتی تحفظ ہے، نہ دلسوزی، نہ خود آگاہی ہے، نہ حق آگہی، نہ مواخذہ کا دھڑکا، نہ عبرت، نہ عبرت بن جانے کا ڈر۔

اس کھلی ناکامی پر نوحہ گری اور مرثیہ خوانی کے زور میں ایک دوسرے کو مطعون وملعون کرتے ہوئے ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم نے بویا کیا تھا، جو بویا تھا وہی تو کاٹنا تھا، بیجنا شر کا اندوختہ اور توقع کہ خیر کی فصلیں کاٹیں گے، یوں نہ پہلے ہوا، نہ ہوگا۔ سچ یہی ہے کہ وہ کاٹنا ہی پڑتا ہے کہ جو بویا ہو۔ ہمیں کاٹنے اور ہماری کایا پلٹنے میں دو روز بھی نہیں لگے، جو جاں نثاری، امید، اقرار وعدہ وعید، دلبری اور توقعات تیرہ اگست تک تھیں، اگست کے آخر آخر تک ہی دھندلا چکی تھیں، مکمل ملیا

Marfat.com

میٹی میں تو شاید سال دو سال لگے ہوں مگر کاروبار کی ہماہمی، پلاٹس کی گرما گرمی، الاٹمنٹس کی افراتفری اور مال اسباب کی چھینا جھپٹی تو پو پھٹتے ہی شروع ہو چکی تھی۔

ہماری موجودہ بے عملی اور بدعہدی پر بھی ایک تنبیہ اور سزا مقرر ہے۔ لاریب رب العالمین افراد اور گروہوں کے درمیان گردش پلٹنے پر قادر ہیں، گردش پلٹتی رہتی ہے، ہماری بداعمالیاں گردش پلٹا دیں گی اور ہماری بدعہدی گردش پلٹا کر ہی رہے گی۔

اہلِ عبرت اور حق آگاہ جانتے ہیں کہ گردش پلٹنے میں اتنی ہی دیر لگتی ہے جتنی کہ کن فیکون کہنے میں۔ سورۃ الاعراف میں ارشاد ربانی ہے **ولکل امتہ اجل فاذ جاء اجلھم لا یستا خرون ساعتہ ولا یستقد مون.** (سورہ الاعراف) ترجمہ: اور ہر گروہ کے لئے ایک معیاد معین ہے، سو جس وقت ان کی معیاد معین آجاوے گی۔ اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ تنبیہ اور سزا کے بین بین ممکنات سے آگے بھی دوٹوک سزا اور حتمی فیصلہ موجود ہے۔ سورۃ حم میں ارشادِ ربانی ہے **وان تتولوا یستبول قوما غیر کم ثمر لا یکونوا امثالکم.**

(سورۃ حم) ترجمہ: اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

معتوب وسوختہ برطانوی جلا وطنوں کے حق میں یوں گردش پلٹی اور چار چاند لگے کہ سب دیکھتے ہیں اور دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں مگر ہمیں بہ نظر دگر دیکھا جاتا ہے، راستہ نہ ہونے کے باوجود ہمیں درمیان میں چلنے کا ایسا شوق اور چس لگا ہے کہ ہم نہ تو کسی ایک طرف ہیں اور نہ ہی کسی ایک کی طرف۔ بدعہدی کی سزا کبھی ہمارے خلاف گردش بن کر پلٹتی ہے، کبھی راستہ روکتی ہے۔ اور کبھی راستوں کو مصائب بھرا اور منزل آزار بنا دیتی ہے۔

مگر ہم سمجھتے اور سنبھلتے ہی نہیں ہیں۔

Marfat.com

اللہ کے نام، نظام کے وعدہ پر حاصل کیے جانے والے خطۂ زمین میں ہم اپنی بداعمالیوں سے زیادہ بدعہدی کی سزا کاٹ رہے ہیں۔ اپنے بندوں کی بداعمالیوں پر تو اللہ تعالیٰ نظرِ کرم کرتے رہتے ہیں مگر بدعہدی پر صرفِ نظر مشروط ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشادِ ربانی ہے، واو فوا بعھدی اوف بعھد کم وایای فار ھبون.
(سورہ البقرہ)

ترجمہ: ''اور پورا کرو اس عہد واقرار کو جو تم نے مجھ سے کہا تھا، میں اس عہد و اقرار کو پورا کروں گا، جو میں نے تم سے کیا تھا اور صرف مجھ ہی سے ڈرو''۔

ہم جس عہد واقرار سے بھاگے ہوئے ہیں اس کی سزا مسلسل تعاقب میں ہے۔ بالآخر ہمیں وہ عہد واقرار پورا کرنا ہی ہوگا، جس کا عہد ہم نے بیسویں صدی کے پہلے نصف میں باندھا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم وعدہ شکنی کی سزا سے بچ جائیں یا وعدہ پورا کرنے کی ذمہ داری سے بھاگے رہیں اور وہ بھی قوی، قہار، جبار اور ذوالجلال سے کیئے گئے وعدہ پر۔ آج کل تو اگر کسی نائب پٹواری سے بھی سو روپے دینے کا قول باندھا ہو تو وہ ٹھڈے مار مار کر دروازہ توڑ دیتا ہے، حتیٰ کہ سو روپے بھی دیں اور تاخیر پر معذرت بھی کریں۔

عہد شکنی کی سزا سے بھاگتے بھاگتے ہم نڈھال، چھینٹوں چھینٹ اور لیرو لیر ہو چکے ہیں مگر کچھ قوموں پر تنبیہ، بشارت اور نشانیاں بے اثر ہوتی ہیں، قطعی، حتمی اور آخری سزا سے کم پر کام چلتا ہی نہیں، اگر حتمی، قطعی اور آخری سزا کے بغیر کام چل سکتا اور ہم سنبھلنے والے ہوتے تو سنبھل گئے ہوتے۔ تنبیہ اور اور سزا کی علامت کے طور پر کبھی ہمارے اوپر ملک غلام محمد اور سکندر مرزا حکمران بنائے گئے، کبھی محمد ایوب خان اور یحییٰ خان، کبھی ذوالفقار علی بھٹو اور محمد ضیاء الحق اور کبھی بے نظیر بھٹو اور محمد نواز شریف۔ یہ سب حکمران اپنی کسی صلاحیت، جمہوری عمل یا خلق کی فلاح کی بجائے ہماری بدعہدی کی سزا کے طور پر ہم پر مسلط کیئے گئے اور ہم آج بھی تاریخ، عبرت اور احساسِ زیاں سے یوں منہ موڑے کھڑے ہیں کہ کل کلاں پھر سے انشاء اللہ بے

Marfat.com

نظیر بھٹو کو بھی ووٹ دے دیں گے اور میاں صاحب کو بھی مان لیں گے۔ اس میں اگر کوئی منشائے ایزدی ہے تو اسی قدر ہو سکتی ہے کہ ہماری حتمی سزا انہی حکمرانوں کے ہاتھوں تکمیل ہو۔ ہماری بے حسی کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لئے ہمارے یہی حکمران چنے جا چکے ہیں۔ یہ کام انہی کے ہاتھوں ہوگا۔ ہمیں اب مزید کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔ بجز گردش کو پلٹتے دیکھنے کے۔ مگر ہمیں سورۃ بنی اسرائیل کی گواہی سے ڈرنا اور اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے، گردش پلٹی تو خسارہ بھی بہت ہوگا۔

فلاح، نجات اور خطِ مستقیم تو دور کی بات ہے۔ ہم تو کسی ایک جانب بھی نہیں ہیں۔ نصف صدی کی مسافت میں یہ فیصلہ تو کم از کم ہو جانا ہی چاہیے تھا کہ ہم کسی طرف، کدھر کو؟ کس کے ہیں؟ اپنے اللہ کے یا محض غیر اللہ کے، مگر وائے ناکامی نہیں بلکہ ہائے ناکامی کہ یہ بھی نہ ہو سکا، بقول افتخار عارف

حامی بھی نہ تھے منکر غالب بھی نہیں تھے
ہم اہلِ تذبذب کسی جانب بھی نہیں تھے

مئے فلاور جہاز کے 102 مسافروں میں سے 35 افراد ہالینڈ کے شہر لیڈن سے آئے ہیں۔ یہ لوگ مذہبی علیحدگی پسند کہے جاتے ہیں اور 67 مسافر برطانوی باشندے ہیں۔ انہیں بھی مذہبی انتہا پسند خیال کیا جاتا ہے اور یہ پیوریٹنز کہلائے گئے، حقیقتاً یہ سب مسافر وہ معتوب لوگ ہیں، جنہیں 1609 میں چرچ آف انگلینڈ کے خلاف مذہبی تحریک چلانے کے جرم میں برطانیہ سے جلاوطن کر دیا گیا تھا اور کچھ کے خلاف پکڑ دھکڑ، مقدمات، پھانسیاں اور عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ لیڈن سے آئے ہوئے 35 افراد بھی سرکردہ مذہبی علیحدگی پسند رہنما ہیں، جنہوں نے برطانیہ سے جلاوطنی کے بعد ہالینڈ میں ایمسٹرڈیم کے پاس لیڈن میں اپنا علیحدہ چرچ قائم کر لیا تھا، جو بعد میں لیڈن چرچ کے نام سے بہت مشہور ہوا۔

پندرہویں صدی عیسائیت کے اوج اور پاپائیت کے عروج کی صدی تھی، عیسائیت نے مذہب سے زیادہ ادارے، عقیدے سے زیادہ قوت اور عبادات سے

Marfat.com

زیادہ سیاسیات کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس زمانے میں عیسائیت اور چرچ نے سماج، حکمرانوں اور بادشاہوں کو اس قدر بے دست و پابنا رکھا تھا کہ پورے یورپ میں بالعموم اور اٹلی، فرانس اور برطانیہ میں بالخصوص بادشاہت کے ساتھ ساتھ چرچ کی متوازی حکومتیں قائم ہوگئی تھیں۔ اختیارات بظاہر بادشاہ کے پاس ہونے کے باوجود بھی عمل درآمد کی کنجی چرچ کے اختیار ہی میں تھی۔

برطانیہ کا انتہائی طاقتور بادشاہ ہنری ہشتم جب کم سخن اور شوخ طراز این بولین کی محبت میں گرفتار ہوا اور ملکہ کیتھرائن آراگون کو طلاق دینی چاہی تو چرچ آف انگلینڈ کا پوپ ہنری ہشتم کے آڑے آ گیا۔ یوں ہنری ہشتم کو طلاق دینے کی اجازت مل سکی، نہ این بولین سے شادی کی۔ چرچ آف انگلینڈ کا آئینی سربراہ ہونے کے ناطے سے ہنری ہشتم کے لئے یہ بہت ضروری تھا کہ پوپ کے اس حکم کے آگے سپر ڈال دی جائے۔ این بولین سے محرومی پر ہنری ہشتم تلملا اٹھا لیکن اس نے اس شکست کو اسقدر آسانی سے تسلیم نہ کیا اور اس نے پوپ کے اختیارات واقتدار کو لگام دینے کا فیصلہ کرلیا۔ 1529ء سے 1535ء کے درمیانی عرصے میں وہ برطانوی پارلیمنٹ سے ایسے قوانین منظور کروالینے میں کامیاب ہوگیا، جن کی رو سے پوپ اور چرچ کو ریاست کے قوانین کو کالعدم قرار دینے اور عیسائیت سے متصادم قرار دے کر قوانین کو ختم کر دینے کا اختیار ختم کر دیا گیا۔ ہنری ہشتم کے ان اقدامات سے پاپائیت پر کاری ضرب لگی۔ اس صورتِ حال کے نتیجے میں روایتی برطانوی چرچ کے مقابلے میں قومی اینگلیکن چرچ وجود میں آیا، جو نہ صرف پاپائیت کے جبر اور تسلط سے آزاد تھا بلکہ اینگلیکن چرچ کا قبلہ عیسائیت کے مرکز ویٹیکن سٹی روم (اٹلی) کی بجائے برطانوی عوام قرار پایا۔ اینگلیکن چرچ کی بنیاد مذہبی رواداری، بنیادی انسانی حقوق اور پوپ مخالف اساس پر رکھی گئی، جو ہنری ہشتم کی بہت بڑی سیاسی فتح تھی۔ نئے قوانین کے نفاذ سے عیسائی مذہبی اداروں پر پوپ کی گرفت بتدریج ڈھیلی پڑتی گئی۔ بالآخر چرچ کے اختیارات سلب ہوکر رہ گئے۔

Marfat.com

ہنری ہشتم نے محض پوپ کو بے دست و پا کر دینے ہی پر اکتفانہ کیا بلکہ پوپ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کی غرض سے اس نے نویں صدی کی رومن سلطنت میں عہد شارلیمین میں نافذ ایک ایسے قدیمی اور متروک قانون کا بھی نفاذ کر دیا، جس کی رو سے عیسائی بادشاہوں کے اختیارات کو چرچ کے اختیارات پر اولیت وفوقیت حاصل تھی۔ عمومی طور پر ہنری ہشتم کے ان انقلابی اقدامات سے اسے چرچ پر برتری اور عوام میں خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ چونکہ ان نئے قوانین سے عوام براہِ راست متاثر نہیں ہوئے تھے، سو بادشاہ اور پوپ کی اس سرد جنگ میں وہ بادشاہ کے طرفدار رہے۔ لیکن آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کے فارغ التحصیل متمول گھرانوں کے کچھ نوجوان لڑکوں نے بادشاہ کے چرچ مخالف اقدامات کو پسند نہ کیا اور پاپائیت کی حمایت اور کیتھولک عقائد اور ویٹیکن چرچ کی مرکزیت کی حمایت میں متحد ہونا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ یہ مذہبی تحریک زور پکڑتی گئی اور پیوریٹنز کے نام سے مشہور ہوگئی۔ بعد میں اس تحریک میں مذہبی علیحدگی پسند بھی شامل ہوتے گئے اور بادشاہ کے پوپ مخالف اقدامات پر تنقید کا در وا ہوتا گیا۔ تحریک کے شروع سالوں میں تو یہ تحریک خفیہ ہی رہی مگر جب تحریک نے زور پکڑا تو بادشاہ نے بھی تحریک کو ختم کرنے کے اقدامات شروع کر دیئے۔ نتیجتاً سزائیں، جلاوطنی اور مصائب آگ کی طرح پھیل گئے۔

جان بچا کر تحریک کے کچھ سرکردہ افراد ہالینڈ میں مقیم ہوگئے اور لیڈن میں اس خیال سے اپنا چرچ تعمیر کرلیا کہ وہاں انہیں اپنے مذہبی عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی ہوگی لیکن برطانوی حکومت اور بادشاہ نے ہالینڈ کے شاہی خاندان پر اپنا دباؤ ڈالے رکھا کہ ان لوگوں کو ہالینڈ سے نکال دیا جائے۔ ویٹیکن سٹی (روم) میں ابھی تک ایسی دستاویزات موجود ہیں، جن میں ان غریب الوطنوں نے ان مصائب کا ذکر کیا ہے، جو برطانیہ اور ہالینڈ کی حکومتوں نے ان پر روا رکھے۔ ہالینڈ میں برطانوی سفیر کی ایک ذمہ داری لیڈن میں مقیم ان بادشاہ مخالف

Marfat.com

افراد کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا اور بادشاہ کو مطلع رکھنا بھی تھی۔ 1609 سے 1620 تک ان جلاوطنوں نے کڑے مصائب بھرے دن گزارے۔ ناموافق بدلتے ہوئے حالات اور برطانیہ کے ہالینڈ پر بڑھتے ہوئے سیاسی دباؤ کے پیشِ نظر ان مذہبی پناہ گزینوں کا مزید ہالینڈ میں رہنا قریب قریب ناممکن ہو چکا تھا۔ لیڈن چرچ کے سربراہ جان رابنسن نے 1618 میں ہی یہ طے کر لیا تھا کہ اب ہالینڈ سے رختِ سفر باندھ لیا جائے لیکن جائیں کہاں۔ وطن یعنی برطانیہ واپسی ناممکن، کہیں اور امان نہیں، کوئی لینے کو تیار نہیں۔ آخر طویل بحث مباحثے اور سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ نئے دریافت شدہ برِاعظم میں قسمت آزمائی کی جائے۔

ادھر 1617 میں برطانیہ کا بادشاہ اور برطانوی حکومت یہ اصولی فیصلہ کر چکے تھے کہ نئے دریافت شدہ برِاعظم امریکہ میں ان لوگوں کو آباد ہونے کی اجازت دی جائے گی، جو برطانوی حکومت اور بادشاہ سے متصادم رہتے ہیں، ناقابلِ اصلاح ہیں، علیحدگی پسند، شورش آمادہ اور سازش فطرت ہیں۔ طویل مذاکرات کے بعد جلا وطنوں کے ہم خیال سرکردہ برطانوی خاندانوں نے بالآخر لیڈن کے جلا وطنوں کو بادشاہ سے نئے برِاعظم میں آبادکاری کا پروانہ لے دیا، برطانوی حکومت کے نقطہ نظر سے تو یہ لوگ امریکہ میں برطانوی آبادکاروں کی شرائط پر پورا اترتے ہیں لیکن حقیقتاً یہ لوگ انتہائی تعلیم یافتہ، رجعت پسند اور اپنے عقائد میں راسخ ہیں۔

برطانوی آبادکاروں کی یہ مختصر سی جماعت جو آج آمادۂ سفر ہے۔ حقیقتاً آج کے امریکہ کی معمارِ اول ہے۔ جدِ امجد ہے اور مائی باپ ہے۔

آبادکاری کی اجازت کا شاہی خریطہ جب اس جماعت کے حوالے کیا گیا، جو اب زائرین کہلائے جاتے ہیں تو کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ کاغذ کا یہ ایک ٹکڑا برِاعظم امریکہ پر برطانوی استعمار کی راہ ہموار کر دے گا، مستقبل میں یہ اجازت نامہ کیسے کیسے رنگ بدلے گا اور کیسی خوش حال اور طاقتور قوم کو جنم دے گا۔

Marfat.com

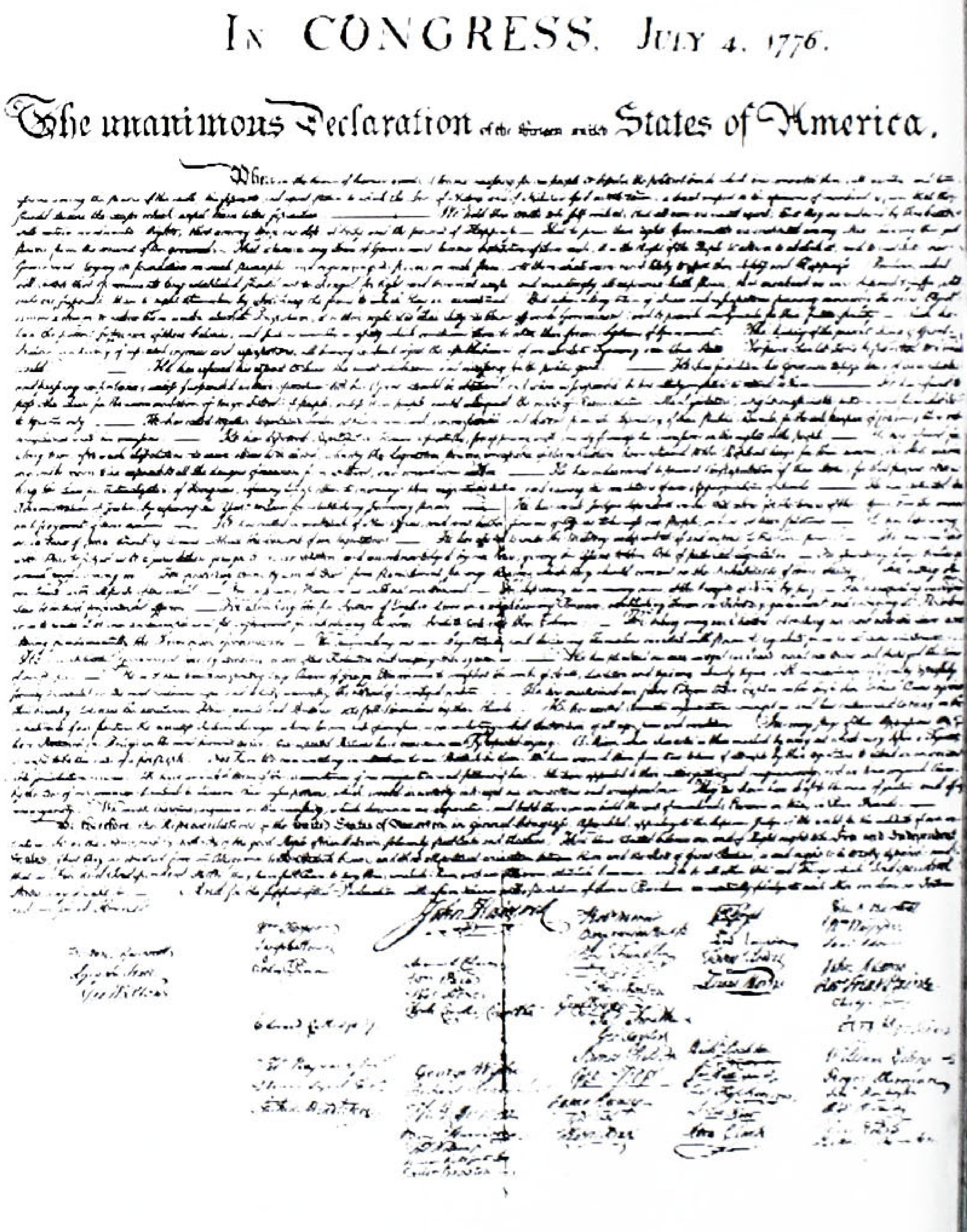

عکس اعلان آزادی امریکہ 4 جولائی 1776

Marfat.com

امریکہ کا اعلانِ آزادی

4 جولائی 1776 کو سٹیٹ ہاؤس فلا ڈیلفیا میں دوسری کانٹی نینٹل کانگریس کے ارکان جمع ہیں۔ ان اراکین میں جارج واشنگٹن ہیں، جو امریکی قوم کے بابائے قوم کہلائے گئے اور تھامس جیفرسن ہیں، جو بنیادی انسانی حقوق اور جمہوریت کے سب سے بڑے امریکی علمبردار اور سیاسی مفکر ہیں۔ انہی میں جان ایڈم راجر سرمن، بنجمن فرینکلن، جان ہنکاک (صدر کانگریس) اور رابرٹ لیونکسٹن بھی شامل ہیں، جنہوں نے بعد میں امریکی ریاست کے قیام میں بہت کام کیا۔

یہ سب لوگ اعلانِ آزادی کے منشور کو تسلیم کرنے اور اس پر دستخط کرنے کے لئے جمع ہیں۔ یکطرفہ اعلانِ آزادی، جو تھامس جیفرسن کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے، حریت، آزادی انصاف اور انسانی حقوق کی ایسی شاعرانہ دستاویز ہے کہ اقوامِ عالم میں انسانی آزادی کے حوالے سے یہ دستاویزات انتہائی امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

ان لوگوں نے آزادی دیئے جانے کا انتظار نہیں کیا ہے بلکہ آزادی لے لینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اس طرح کے فیصلوں کو عموماً میدانِ جنگ میں ہی منوانا پڑتا ہے۔ سو اب اس اعلانِ آزادی کے تحفظ و تقدس کی خاطر برطانوی اور امریکی افواج میں کارِزار سج گیا ہے اور صف بندی ہو چکی ہے۔ جارج واشنگٹن کی زیر کمان امریکی افواج کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے، نہ ہتھیار، نہ اوزار، نہ تربیت، نہ جنگی وسائل۔ یہ امید کہ جارج واشنگٹن کامیاب ہو سکیں گے، کم ہی ہے لیکن ایسا ہوا اور خوب ہوا۔ برطانوی افواج کا ہتھیار ڈالنا اور جارج واشنگٹن کا پہلا امریکی صدر بننا، توسیع و ترقی کی اوجِ ثریا جیسے اس انتظار میں تھی کہ دن دوگنی اور رات چوگنی والا محاورہ چھوٹا پڑ گیا اور امریکہ کی معاشی، سماجی، تعلیمی اور سیاسی ترقی دن آٹھ گنی اور رات بھی آٹھ گنی کے غیر مروّج محاورے اور رائج فارمولے سے ہوئی۔

دنیا بھر میں شاید ہی کسی اور منشوری وعدے کو ایسا نبھایا گیا ہو کہ جیسے اس

Marfat.com

اعلانِ آزادی کے حرف حرف کو ایفاء کیا گیا۔ ذہنی اور انسانی ترقی و خوشحالی کے جن امکانات کا ذکر اس اعلانِ آزادی میں کیا گیا تھا، پورا ہوا۔ دو سو سال سے بھی کم عرصے میں امریکی علم زمین تو زمین، چاند پر بھی لہرانے لگا۔ جولائی 1969ء ہی میں جب امریکی خلائی مشین چاند پر اتری اور وہاں امریکی جھنڈا گاڑا گیا تو اس واقعے کو تمام عالم میں منفرد، ممتاز اور انسانی ترقی کی معراج سے منسوب کیا گیا لیکن اس ترقی کا خواب اور وعدہ اس اعلانِ آزادی میں درج ہے، جواب واشنگٹن ڈی سی کے آرکائیو میں رکھا ہوا ہے۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ دستاویز جو ڈیکلریشن آف انڈی پینڈنس، کہلاتی ہے، کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کی سیکورٹی کے انتظامات سے بھی ہوتا ہے۔ ایک انچ موٹے شیشے کے بلٹ پروف لفٹ نما صندوق میں یہ دستاویز رکھی ہوئی ہے۔ کیس میں ہلکے مدھم رنگ کی سبز روشنی میں دستاویز کو پڑھنا خاصا مشکل ہوتا ہے۔ روشنی کی کمی کا سبب یہ بتایا گیا کہ نارمل روشنی سے دستاویز کی سیاہی اور کاغذ متاثر ہوتا ہے۔ دستاویز کو اصل حالت میں قابلِ مطالعہ رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے روشنی، ہوا، نمی، کثافت اور ماحول سے بچایا جائے۔ صندوق کے اندر ویکیوم کی بے وزنی والی صفت پیدا کر دی گئی ہے تاکہ صندوق کے اندر کیمیکل کے اثرات دیر پا رہیں، جو کاغذ کو بوسیدگی سے بچائے ہوئے ہیں۔

کسی بھی قدرتی آفات جیسے زلزلہ، سیلاب، طوفان یا جنگ کی صورت میں کوئی ممکنہ حملہ، دھماکہ، ایٹمی تابکاری یا توڑ پھوڑ کی صورت میں دستاویز والا لفٹ نما صندوق خود کار لفٹ کے ذریعے سوفٹ نیچے بنے ہوئے ایک محفوظ آہنی بنکر میں منتقل ہو جائے گا اور اس سارے عمل میں آدھا منٹ سے بھی کم وقت لگے گا۔ اس جگہ سے محض ایک فرلانگ دور صدرِ امریکہ بھی شاید اس قدر محفوظ نہ ہوں، جتنی کہ اعلان آزادی کی یہ دستاویز محفوظ ہے۔

Marfat.com

صبح بے نور سے صبح بے نیل تک

17 ستمبر 1787 کو سٹیٹ ہاؤس فلاڈیلفیا میں آج پھر کچھ افراد جمع ہیں۔ دراصل یہ ان 13 امریکی ریاستوں کے نمائندے ہیں، جو برطانیہ کے تسلط سے آزاد ہونے کے بعد، 13 اوریجنل کالونیز، کہلائی گئیں۔ ان نمائندوں میں بیشتر وہی افراد ہیں، جو اسی ہاؤس میں اعلانِ آزادی پر دستخط کر چکے تھے۔

افواجِ برطانیہ کے غیر مشروط ہتھیار ڈال دینے اور جارج واشنگٹن کے جنگِ آزادی جیت لینے کے بعد آج کا یہ نمائندہ اجلاس انتہائی اہم اور تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ آئینی کنونشن کے اس اجلاس کو امریکی تاریخ میں اہم ترین مقام حاصل ہے کہ پچھلے دو تین سالوں سے امریکی آئین سازی کے لئے جو کوششیں ہوتی رہی تھیں، آج اس کی منظوری، دستخط اور اطلاق کے فیصلے کی فیصلہ کن گھڑی آ گئی ہے۔ طویل بحث مباحثے، تحفظات اور قانونی و آئینی موشگافیوں کو سلجھانے کے بعد بہرحال ایک مضبوط وفاقی آئین پر دستخط ثبت کر دیئے گئے ہیں۔

امریکی آئین دنیا بھر میں منفرد نوعیت کی ایسی آئینی دستاویز ہے، جس میں رہنمائی کی بے پناہ قوت پوشیدہ ہے۔ ایسی قوت کہ جو دو سو تیرہ سال سے امریکی عوام، حکومت، انسانی حقوق، آزادی اور جمہوریت کی رہنمائی کر رہی ہے، یہ دنیا بھر میں واحد ایسا آئین ہے کہ جس پر کچھ اوپر دو صدیاں گزر چکی ہیں اور اس مدت میں صرف 27 ترامیم کی جا سکی ہیں۔ دو سو تیرہ سال میں صرف 27 ترامیم پیچیدگی کی بجائے اس آئین کی جامعیت، گہرائی اور قطعیت کی دلیل ہیں۔ آئین میں چیک اینڈ بیلنس کا ایک ایسا حسنِ توازن موجود ہے کہ بے پناہ اختیارات نہ تو کسی فرد اور ادارے کو فرعون بننے دیتے ہیں اور نہ ہی کسی مفلس سے مفلس پر بھی انصاف، علم، ترقی اور مواقع کا در بند کرنے کی اجازت ہے۔

امریکی آئین ایسا جاندار، متحرک اور مستعمل ہے کہ جو ہر وقت استعمال ہوتا

Marfat.com

رہتا ہے، ہر جگہ مستعمل ہے اور طرح طرح سے کام آتا ہے۔ جو بچہ ابھی رحمِ مادر میں ہے، اس آئین کے تحت اس کے حقوق بھی محفوظ ہیں اور جو امریکی پرچم کو زیر جامہ اور جوتیوں کے غلاف کے طور پر استعمال کر رہا ہے، اس کے بھی۔ دنیا بھر کے آئینی ماہرین، قانونی دانشور اور سیاسی مفکرین امریکی آئین کے جمہوری اعجاز پر دم بخود اور حیرت کی کیفیت میں ہیں اور آئین بنانے والوں کی دوراندیشی صلاحیتوں، تدبر اور علم و عرفان پر حیران ہیں کہ تاریخِ انسانی میں کوئی اور ایسی تحریری آئینی دستاویز موجود نہیں ہے، جو دو صدیوں پرانی ہونے کے باوجود بھی ایک انتہائی ترقی یافتہ سماج کی معاشی، سیاسی، سائنسی، علمی، عقلی اور زمینی تبدیلیوں اور ترقی کا ایسا احاطہ کیے ہوئے ہو کہ نہ تو آئین کو منسوخ کرنے کی نوبت آئی، نہ معطل کرنے کی، نہ اسے کالعدم قرار دیا جاسکا، نہ بے تحاشا ترامیم سے آئین کی بے حرمتی کی جاسکی۔ یوں لگتا ہے کہ اس آئین میں کچھ ایسے پوشیدہ شاک ابزوربر لگے ہوئے ہیں، جو نہ صرف تبدیلیوں کو بغیر کسی جھٹکے اور بحران کے اپنے اندر سمو لیتے ہیں بلکہ ان تغیرات کو یقینی بناتے ہیں۔

اگر امریکی آئین کو بغور پڑھا جائے اور کی جانے والی 27 ترامیم کا جائزہ لیا جائے تو ایک ہی بات واضح ہوتی ہے کہ یہ ترامیم مزید اضافہ کے لئے ہی کی گئیں اور زیادہ تر اضافے ایسے بنیادی انسانی حقوق سے متعلق ہیں، جو بالعموم سب کے لئے اور بالخصوص اقلیتوں اور خواتین کے حقوق، تحفظ اور آزادی سے منسلک ہیں۔ کسی ایک ترمیم میں بھی اکھاڑ پچھاڑ یا اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے والی لفظی شعبدہ گری نہیں ہے۔ ایسا ہوتا تو غالباً یہ آئین اتنی طویل مدت سے منزل والا سنگِ میل اور اندھیرے رستے والی مشعلِ راہ کا کام نہ دے سکتا بلکہ ایک ایسی دستاویز کے کام آرہا ہوتا کہ جس پر ترمیم و تنسیخ کی مشق جاری ہوتی اور صدارتی آرڈیننز سے اس کا حلیہ بگاڑا جارہا ہوتا۔

آئینی تاریخ کسی بھی ملک کی ہو، وہاں پر جمہوریت، انسانیت حقوق

Marfat.com

مظلوموں کی دادرسی اور قانون کی برتری کا عکس اور حوالہ ہوتی ہے۔ ہم اس بارے میں نصیبوں کے ایسے ماتھے اور سیاہ بخت نکلے کہ ہماری آئینی تاریخ، ذاتی مفادات، گروہی مصالحت اور انفرادی کھینچا تانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ سب سے پہلی، بڑی تاریخی غلطی اور ہماری بدبختی کا آغاز تو اسی روز سے شروع ہو گیا تھا کہ جب 11 اگست 1947 کو پاکستان کی پہلی مجلس آئین ساز کے اراکین اس گتھی کو سلجھانے میں جان نڈھال کر رہے تھے کہ ''پاکستان میں طرزِ حکومت کیا اور کیسا ہو،، حقیقتاً وہ جس نقطے پر غور فرما رہے تھے، اسی سے تو پرہیز لازم تھا، یہی وہ بنیادی غلطی تھی کہ ہم آج تک جس کی سزا کاٹتے ہیں، کفارہ ادا کرتے ہیں اور دعائے بلا ٹال پڑھتے رہتے ہیں، مگر ہماری سیاہ بختی کا زور ہے کہ ٹوٹتا نہیں ہے۔

کچھ غلطیوں کا کفارہ نسل درنسل اور سال بہ سال ادا کیا جاتا ہے مگر پھر بھی ادا نہیں ہوتا۔

جس خطۂ زمین کو لا الہ الا اللہ کی اساس اور نظریاتی کھنچ کے زور پر حاصل کیا گیا تھا، وہاں پو پھٹتے ہی اندھیرا چھا گیا اور سورج چڑھنے سے پہلے ہی چاند چڑھ گیا۔ ہماری زمین میں مختلف قومیتوں، جاگیردارانہ جبر اور لسانی و علاقائی طاقتوں کو نکیل ڈالنے کے لئے جس قدر شفاف و غیر لچکدار آئین اور سفاک قانون کے بے رحم نفاذ کی ضرورت تھی، یہ سرزمین اسی آئین و قانون سے محروم رہ گئی۔ ہماری زمین پر آئین و قانون کے سائبان کی عدم موجودگی میں وہ ساری جھلسا دینے والی دھوپ ہمارے سروں پر پڑی، جس سے ہم محفوظ رہ سکتے تھے۔ ابھی 14 اگست کی صبح آئی بھی نہیں تھی کہ ہماری سیاہ بختی، گمراہی اور سزا در سزا کا عمل شروع ہو چکا تھا۔

11 اگست 1947 کو پاکستان کی پہلی مجلسِ آئین ساز کے سامنے یہ سوال، بحث مباحثہ، غور و فکر اور دانشوری بالکل بے معنی اور لاحاصل تھی کہ ''نوزائیدہ پاکستان میں طرزِ حکومت اور ملکی نظام کیا ہو؟ کیسا ہو،،؟ کیا یہ بات 1905 سے 1947 تک طرح طرح سے طے نہیں کر لی گئی تھی کہ پاکستان میں طرزِ حیات اور

Marfat.com

نظامِ حکومت کیا اور کس طرح کا ہوگا؟

جو بات نصف صدی میں بااصرار کہی گئی اور پورے سیاق وسباق و ضابطہ کے ساتھ کہی گئی اور منوائی گئی، اسی طے شدہ بنیاد کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے پہلی مجلس آئین ساز میں نئے سرے سے قانونی و آئینی تجاویز پر جو موشگافیاں، تک بندی اور قیافہ آرائیاں شروع کی گئیں، وہ نصف صدی گزر جانے پر بھی جاری ہیں، ہمیں آج بھی ایک ایسے آئین اور قانون کی ضرورت ہے، جو ہمارے سر پر سائبان اور ہماری اور ہماری زمین پر عافیت کا تنبو تان سکے۔ رب العالمین نے جس گردشِ زمانہ کو ہمارے حق میں پلٹایا تھا اور سورہ بنی اسرائیل نے جس کی گواہی دی تھی، ہم پہلے دن سے ہی اس گواہی کو نہ ماننے اور اپنے حق میں پلٹنے والی گردش کو اپنے خلاف الٹنے میں ایسے مصروف ہوئے کہ نصف صدی بعد بھی ہمارا پہلا سوال اور بنیادی مسئلہ وہی ہے، جو 11 اگست 1947ء کو زیرِ بحث تھا کہ ''پاکستان میں طرزِ حکومت کیا اور کیسا ہو،، جمہوری ہو، فوجی ہو، صدارتی ہو، پارلیمانی ہو، اسلامی ہو یا رلا ملا ملغوبہ ٹائپ ہی چلنے دو، جیسا کہ چل رہا ہے بلکہ بھاگ رہا ہے۔

جس ریاست کو اسلام کے نام پر قائم کیا گیا تھا، اب وہاں اسلام صرف ایک آپشن ہے، متبادل ہے، قیافہ ہے اور ممکنات میں سے ہے۔ ممکنہ بعد از حجت بسیار و بہ حالت مجبوری۔

11 اگست کو مجلسِ آئین ساز نے جہاں صرف اس ایک نقطے پر غور کرنا تھا کہ اللہ کا نظام اور رسول کی شریعت کو کس قدر جلدی نافذ اور جاری کیا جائے، وہاں اصولِ قانون، آئینی تجاویز اور طرزِ جہانبانی پر ایسے غیر ضروری مباحث شروع کر دیئے گئے، جو خیر سے آج تک جاری ہیں اور اس وقت تک جاری رہیں گے، جب تک سورہ بنی اسرائیل کی گواہی امر نہ ہو جائے، اگر عوام نہیں تو خواص اور رعایا نہیں تو مقتدر، جس گواہی کے انتظار میں ہیں، وہ جب بھی آئے گی، شدید اور حتمی ہوگی۔

ہمیں اپنے باندھے گئے عہد کا کس قدر پاس تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے

Marfat.com

بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے ایک نجات دہندہ اور فخر پاکستان صدر نے اقتدار سنبھالتے ہی اسلامک ری پبلک آف پاکستان سے اسلامک نکال کر صرف ری پبلک آف پاکستان کو ہی رائج کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس سانحہ کو قدرت اللہ شہاب نے قدرے تفصیل سے اس طرح بیان کیا ہے ''اس نئے دور میں کام شروع کرتے ہی میرے دل میں یہ بات کھٹکی کہ مارشل لاء نافذ ہونے کے بعد اب تک جتنے سرکاری اعلانات، قوانین اور ریگولیشن جاری ہوئے ہیں، ان میں صرف حکومت پاکستان کا حوالہ دیا ہے، حکومتِ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا کہیں ذکر نہیں آیا، پہلے تو میں نے سوچا کہ ڈرافٹنگ میں غلطی سے ایک آدھ بار یہ فروگزاشت ہوگئی ہوگی، لیکن جب ذرا تفصیل سے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ جس تواتر سے یہ فروگزاشت دہرائی جا رہی ہے، وہ سہواً کم اور التزاماً زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ اس پر میں نے ایک مختصر سے نوٹ میں صدر ایوب کی خدمت میں تجویز پیش کی کہ اگر وہ اجازت دیں تو وزارتِ قانون اور مارشل لاء ہیڈ کوارٹر کی توجہ اس صورتِ حال کی طرف دلائی جائے اور ان کو ہدایت دی جائے کہ جاری شدہ تمام اعلانات اور قوانین کی تصحیح کی جائے اور آئندہ کے لئے اس غلطی کو نہ دہرایا جائے۔

صدر ایوب کا قاعدہ تھا کہ وہ فائلیں اور دوسرے کاغذات روز کے روز نپٹا کر میرے پاس واپس بھیج دیا کرتے تھے لیکن معمول کے برعکس یہ نوٹ کئی روز تک میرے پاس نہ آیا۔ 5 نومبر کی شام کو میں اپنے دفتر میں بیٹھا دیر تک کام کر رہا تھا۔ باہر ٹیرس پر صدر ایوب اپنے چند رفیقوں کے ساتھ کسی معاملے پر گرما گرم بحث کر رہے تھے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جب سب لوگ چلے گئے تو صدر میرے نوٹ کا پرچہ ہاتھ میں لیے میرے کمرے میں آئے۔ وہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھے، آتے ہی انہوں نے میرا نوٹ میرے حوالے کیا اور کہا ''تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے، ڈرافٹنگ میں کسی نے کوئی غلطی نہیں کی بلکہ ہم نے سوچ سمجھ کر یہی طے کیا ہے کہ اسلامک ری پبلک آف پاکستان سے اسلامک کا لفظ نکال دیا جائے،، (شہاب نامہ،

Marfat.com

قدرت اللہ شہاب صفحہ 701)

جب ہم اسلامک ری پبلک آف پاکستان سے ری پبلک آف پاکستان بن جانے سے بال بال بچے تو فخرِ ایشیاء اور قائدِ عوام نے ری پبلک آف پاکستان کے ساتھ سوشلسٹ کا پلچ لگانے کا ارادہ باندھ لیا، جنرل ضیاء الحق چونکہ کسی پبلک، ری پبلک کے قائل نہیں تھے، ان کا دھیان نام بدلنے کی بجائے ہماری ہیئت بدلنے پر لگا رہا، وہ عوام اور ریاست کو براہِ راست مومنین بنانے پر مصر رہے۔ وہ پاکستان کا کلچر اور ہماری حالت وہیئت کو بدلنے میں تو کامیاب رہے لیکن ہم نے مومنین بننے میں ذرا دیر کردی، کچھ انہیں وقت بھی کم ملا، گیارہ سال میں ہو بھی کیا سکتا تھا، یوں تو وہ جس قدر بھی بو گئے ہیں، یہ بھی کچھ کم نہیں ہے، قرائن کہتے ہیں کہ اس فصلِ خارزار کو کئی نسلیں سمیٹیں گی۔

ہماری آئینی تاریخی بدنیتی اور بدبختی کی ایسی سیاہ عبارت اور شرمناک حوالہ ہے کہ جسے ہم خود بھی ماننے اور لکھنے سے کتراتے ہیں، آزردہ ہیں اور اس طرف کن انکھیوں سے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے ہیں۔ گورنر جنرل ملک غلام محمد ہماری قومی تاریخ میں سب سے زیادہ معتوب ٹھہرائے گئے ہیں، ہماری بے آئینی پر ان کے نحس کا نقش گہرا ہے۔ پاکستان کی پہلی مجلس آئین ساز کو برطرف کرنا ان کا سب سے بڑا جرم قرار دیا جاتا ہے۔ 24 اکتوبر 1954 کو جب انہوں نے اس مجلسِ آئین ساز کا قلع قمع فرمایا تو اس مجلس کو پاکستان کا آئین بناتے بناتے ایک ماہ اوپر سات سال بیت چکے تھے۔ ان سات سالوں میں مملکتِ پاکستان کا نظامِ حکومت گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ 1935 میں ترمیم واضافہ سے پیدا کردہ قانونِ آزادی ہند ایکٹ 1947 کے تحت چلایا جاتا رہا، یوں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی یہ بدشگون قباحت 23 مارچ 1956 تک ہمارے اوپر نافذ رہی۔

گورنر جنرل ملک غلام محمد کا مجلس آئین ساز کو برطرف کرنے میں جو بھی بدنیتی اور مفاد ہو وہ اپنی جگہ، مگر ایسی نااہل مجلسِ آئین ساز کو برطرف کیا ہی جانا چاہیے

Marfat.com

تھا کہ جس نے آئین بناتے بناتے مملکت کو ہی تماشہ بنا کر رکھ دیا۔ یوں بھی جو مجلس قانون و آئین ساز عوام میں اس قدر ہردلعزیز ہو کہ جسے 237 نشستوں کے مشرقی پاکستانی ایوان میں صرف دس نشستیں مل سکی ہوں، اسے برطرف ہونا ہی چاہیے تھا۔ ہمیں تو ملک غلام محمد دل کے سادہ یا ناپختہ سیاست کار لگتے ہیں، انہوں نے مجلسِ آئین ساز کی اس شکست کو برطرفی کا جواز بنالیا حالانکہ انہیں اس مجلسِ آئین ساز کو نااہلی، بے حسی اور سست رفتاری کے جرم میں برطرف کرنا چاہیے تھا۔ اگر وہ اس مجلس آئین ساز کو نااہلی کے جرم میں برطرف کرتے تو شاید اس قدر معتوب نہ ٹھہرائے جاسکتے۔

1956ء میں سرزمینِ پاکستان کو اپنا پہلا آئین نصیب ہوا، لیکن جس آئین کو بنانے میں نو سال لگے، اسے توڑنے اور نہ ماننے میں صرف ڈھائی سال ہی صرف ہوئے۔ 8 اکتوبر 1958 کو صدر سکندر مرزا نے پارلیمانی نظام کا خاتمہ، آئین کی تنسیخ، اور مارشل لاء کا نفاذ کر کے ہمیں ایک اور مجلس آئین ساز کے سامنے سوکھنے ڈال دیا، جو پہلی کی برطرفی پر، ملک غلام محمد صاحب کے زیرِ نگرانی ہی تشکیل دی گئی تھی۔

ہم تو پہلی مجلسِ آئین ساز کے ہی زخم خوردہ تھے، دوسری کے متحمل کیا ہوتے، اللہ نے ہماری سنی تو۔۔۔۔مگر جنرل ایوب خان کی صورت میں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلام سے اخلاص کا یہ عالم ہے کہ ہر نئے آئین کی بنیاد محمد علی بوگرہ آئینی فارمولہ پر رکھی جاتی رہی ہے اور اس فارمولہ کی سدا بہار شق جو سب کے لئے یکساں اکسیر کا کام دیتی ہے، وہ یہ ہے کہ ''ملک میں کوئی بھی قانون قرآن و سنت کے منافی نہیں بنایا جائے گا،، لیکن دورخی اور بدنیتی کا معیار یہ ہے کہ اسی فارمولہ میں یہ بھی موجود ہے کہ ''25 سال کے لئے مالیاتی امور پر اسلامی قوانین کا اطلاق نہیں ہوگا،، (حالانکہ ہمارے ہاں کسی بھی امور پر اسلامی قوانین کا نفاذ کبھی ہونے ہی نہیں دیا گیا) مالیاتی امور پر اسلامی قوانین کی اس شق

Marfat.com

سے ایسا تاثر ابھارا گیا کہ جیسے باقی تو تمام امور اسلام کی زد میں آ چکے ہیں مگر مالیاتی امور کو اس سے بچایا جائے۔ یہ سب لفاظی، حرفوں کی ہیرا پھیری اور نیتوں کا کھوٹ بالآخر رنگ لا کر رہا۔

1954 میں مالیاتی امور کو اسلامی قوانین سے بچائے رکھنے کی 25 سالہ مہلت قریب نصف صدی پر پھیل چکی ہے اور ہم آج بھی اسی آئینی منافقت کی سزا کاٹ رہے ہیں۔ اب اگر کوئی کہتا بھی ہے کہ مالیاتی امور شرع کے مطابق کرو کیونکہ سود خوروں کے بارے میں جہنم کے خاصے نچلے درجوں میں ہونے کی خبر گرم ہے تو اس راہ میں ہماری عدلیہ ہی پہلی رکاوٹ بن جاتی ہے۔

ہمیں اپنی کم علمی بلکہ لاعلمی کے سبب یہ بات کبھی سمجھ نہ آ سکی کہ اگر پاکستانی آئین کو قانونِ قرآن وسنت کے منافی نہیں بنایا جا سکتا تو پھر موجودہ آئین وقوانین قرآن وسنت کے منافی کیوں ہیں؟ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جو ضابطہ عین قرآن وسنت نہیں ہے، وہ یقیناً قرآن وسنت کے منافی ہے۔ قانونی بازی گروں اور آئینی بچہ جمہوروں نے محمد علی بوگرہ فارمولہ کے کھلے فریب اور چھپی منافقت کو جس طرح بھی حلال کیا ہو، لیکن ہمارے ہر آئین میں ان دونوں شقوں کا بیک وقت استعمال مکروہ، بدنما، نازیبا اور منافقانہ طرزِ عمل ہے کہ ملک میں قانون تو قرآن وسنت کے منافی نہیں ہوں گے لیکن مملکت کو بہرحال اسلامی قوانین سے محفوظ رکھا جائے گا خصوصاً حالانکہ حکم پورے کے پورے داخل ہو جانے کا ہے، سال بہ سال عمرہ کر لینے سے ہی کام نہیں چلتا ہے۔ زکوٰۃ دینا بھی فرض ہے۔ اعتکاف میں بیٹھے ہوئے یہ سوچتے رہنا کہ بنک میں موجود مالِ مردار کو زکوٰۃ سے کیسے محفوظ رکھا جائے، مستحسن نہیں ہے۔

ہماری زمین میں آئین کے ساتھ ساتھ انصاف کی گڈی بھی خوب چڑھی، ہمیں جس طرح کی مجالسِ آئین ساز میسر آئیں، اسی طرح کی عدلیہ اور منصف بھی مل گئے، نہلے پہ دہلہ، سونے پر سہاگہ اور منہ جیسی چپیڑ، کم از کم محاورتاً تو کئی کام سنور

Marfat.com

گئے لیکن آئین، قانون اور ضابطوں کی چیرہ دستی کے لئے عدلیہ نے نظریہ ضرورت کا مرہم مہیا کر دیا، مہم جوئی، آئین شکنی، حلف سے انحراف اور شوق و ہوس اقتدار کو نظریۂ ضرورت کے کمبل میں چھپا دیا گیا۔

ہماری تاریخ کو ابھی یہ فیصلہ کرنا ہے کہ یہ نظریۂ ضرورت کس کی ضرورت تھی؟ کیا کیا ضرورتیں اس نظریہ سے پوری کی جاسکتی ہیں اور یہ تریاق کس کس کے کام آسکتا ہے، خائن، لٹیروں اور غاصبوں کی ضرورت، بے آئین زمین کی ستر پوشی کی ضرورت یا تالیاں مار عوام کی ضرورت کا بھی کچھ اہتمام اس نظریہ میں پوشیدہ ہے کہ نہیں۔ضرورت ہے کہ اب آئین کی بجائے اس نظریۂ ضرورت ہی کو پروان چڑھا کے دیکھ لیا جائے، ممکن ہے کہ اکثر مبروص اور بیشتر بے ستر اسی طرح سے ڈھانپے جاسکیں۔

آئین، قانون، جمہوریت اور ضابطوں کی تدفین کے بعد اب نظریۂ ضرورت پر ہی نگاہ ٹھہرتی ہے، یوں بھی ہمارے ہاں اس نظریہ کی عمر کسی بھی آئین سے زیادہ بلکہ مستقل ہے، ہمیں یہی دُرِ نایاب و ناسفتہ ہے، اب یہی تریاق لگتا ہے۔ یہ نظریۂ ضرورت ہی تو ہے جو ہمیں کسی بھی آئین کی آئنیت سے بچائے رکھتا ہے۔ نظریۂ ضرورت سے وابستہ ہمارا سوال سیدھا اور دوٹوک ہے، ہمیں جواء کھیلنے کے لئے دس ہزار روپے کی اشد ضرورت ہے، جو کہ ہمارے پاس ہیں نہیں۔ اگر ہم کسی بنک میں ڈاکہ مار کر یہ ضرورت پوری کر لیں تو کیا ہماری یہ ضرورت، نظریۂ ضرورت کے دائرہ میں آتی ہے یا نہیں۔ اصولاً آنی تو چاہیے کہ ہماری تو ضرورت ہی یہی اور اسی قدر ہے، اگر ملک غلام محمد صاحب کی آئین شکنی جائز تھی اور جنرل ضیاء الحق کا پورے ملک پر غیر قانونی قبضہ جائز قرار دیا جاسکتا ہے تو یکساں شہری اور مساوی حقوق کے حوالے سے ہماری ضرورت پر بھی اس دلربا نظریہ کی چادر چڑھائی جاسکتی ہے۔ایک کوچوان کو نئی گھوڑی خریدنے کے لیے دس ہزار کی ضرورت ہے اور اس کے پاس دس روپے بھی نہیں ہیں، اگر کوچوان بادشاہ دس ہزار کی چوری کر لے تو اس

Marfat.com

کی ضرورت کو نظریۂ ضرورت کیوں میسر نہیں ہونا چاہیے؟ ایک پرائمری سکول کے معلم کو اپنی ماں کے کفن دفن اور چالیسویں کے لیے دس ہزار درکار ہیں، جو اس غریب نے کبھی اکٹھے بھی نہیں دیکھے ہیں، وہ چھوٹے موٹے غبن، فراڈ سے کام چلا لیتا ہے تو نظریۂ ضرورت اس معلم کی ضرورت پوری کرنے سے کیسے قاصر ہو سکتا ہے، ضرورت تو ضرورت ہی ہوتی ہے، گورنر جنرل کی ہو، آرمی چیف کی ہو، کوچوان کی ہو، معلم کی ہو یا جواریوں کی ہو۔

نظریۂ ضرورت کی زد اور یلغار ہمارے معاشرہ میں صرف آئینی ہیرا پھیری تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس کے اثرات گہرائی تک ہیں، جب عدلیہ نے ایک بار نظریۂ ضرورت کا چاند چڑھا دیا، سو چڑھا دیا، جبکہ اصولِ قانون کی عمارت مماثل نظیر اور یکساں سابقہ فیصلوں پر کھڑی ہے تو مستقبل میں اس نظریہ کو کیسے باطل قرار دیا جا سکتا ہے؟ عدلیہ نے جب نظریۂ ضرورت کو ملک غلام محمد، جنرل سکندر مرزا، جنرل ایوب خان، جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف کے حق میں جائز قرار دیا ہے تو مستقبل میں ملک غلام رسول، جنرل دارا مرزا، جنرل صابر خان، جنرل آغا دو آتشہ، جنرل زیاں الملک اور جنرل ناگزیر اشرف کو نظریۂ ضرورت کی چھاؤں سے کیسے محروم رکھا جا سکے گا؟

ہمارے معاشرہ میں نظریۂ ضرورت کی افادیت اور عدالتی نظام میں اس نظریہ کی ہمہ گیری کی پیشِ نظر اب یہی مناسب لگتا ہے کہ اس نظریہ کی یافت کو محض آرمی چیفس تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اسے عوامی سطح تک وسعت دے کر کوچوان، معلم اور جواریوں تک پھیلا دیا جائے، پھر نہ کوئی مفلوک الحال رہے گا، نہ معترض، ساری بیماریاں نظریۂ ضرورت سے دھل جائیں گی۔

کارکردگی میں دوسری مجلسِ آئین ساز بھی پہلی سے کچھ کم نہیں تھی۔ 1956 کا آئین جو دوسری مجلسِ آئین ساز کا اعجاز تھا، اس آئین کی خوبی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ 245 دفعات پر مشتمل آئین میں 670 ترامیم پیش ہوگئیں اور

Marfat.com

دیر پا یہ ایسا تھا کہ اس آئین کو ابھی تیسری سالگرہ بھی نصیب نہیں ہوئی تھی کہ بحق، حق داراں منسوخ قرار پایا۔ جن خوش فہموں نے اس کی تیسری سالگرہ پر ایوانِ صدر اور وزیراعظم ہاؤس میں مخلوط شبینہ، ہاؤ ہو، ناؤ نوش، چکن تکہ، لڈیاں، ہے جمالو، اور مبارک سلامت کا غلغلہ بلند کرنے کا منصوبہ باندھ رکھا تھا، ان کی ساری پیش بندیاں دھری کی دھری رہ گئیں۔

پانچ سال کی مزید بے آئینی سے جب ہماری زمین، حُبشۃ اور جنس چیخنے لگی تو فخرِ پاکستان و عدمِ موجودات جناب جنرل ایوب خان نے ہمارے اوپر 1962 کے آئین کو نازل فرمایا، ایسے دستور اور صبح بے نور کو مانتا تو کوئی نہیں، لیکن عوام کو سبز باغ دکھا دکھا کر بہر حال ایوب خان صاحب نے اپنے آئین کو منوا کر ہی چھوڑا۔ اس آئین میں ترامیم تو صرف آٹھ ہی ہوئیں لیکن اس کے پُرزے اور بھد بہت اُڑی۔ یہ ایوب خانی آئین بھی ہمارے کام آیا، نہ مسائل حل ہو سکے، اپنی اثر پذیری میں یہ آئین بہت زُود اثر ثابت ہوا، مملکتِ پاکستان کی تقسیم پر کھینچے جانے والا تارِ عنکبوت اسی آئین کے تانے بانے سے تیار گیا تھا۔

دنیا بھر کے آئینی عجائب خانہ میں یہ واحد ایسا کم نصیب آئین ثابت ہوا کہ جس کے سفر نامہ پر اسی کے تخلیق کار کے دستخط ثبت تھے۔ 25 مارچ 1969 کو صدر ایوب خان نے مستعفی ہو کر اقتدار سنبھالنے کے لئے جو خط جنرل یحییٰ خان کو لکھا تھا، وہ خط آئین کے مطابق قومی اسمبلی کے سپیکر کو لکھا جانا چاہیے تھا۔ 25 مارچ 1969 کو اس آئین کے منطقی انجام تک پہنچتے ہی ہم ایک بار پھر بے بال و پر، بے لگام اور بنا سائبان رہ گئے۔

پانچ سال بعد 14 اگست 1973 کو ہماری زمین کو پھر ستر پوشی نصیب ہوئی، ذوالفقار علی بھٹو کا تیار کردہ یہ آئین یوں تو ابھی تک پایا جاتا ہے مگر اس آئین کے بارے میں یہ شبہ گزرتا ہے، کہ ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے۔ اگر اس موجودہ آئین کا 1973 والے اصل آئین سے موازنہ کیا جائے تو کسی ایک ایسی دفعہ پر

Marfat.com

بھی انگلی نہیں رکھی جا سکتی، جو بہ مطابق اصل ہو۔ یہ آئین بھی اپنی نوعیت کا دنیا بھر میں واحد ایسا آئین ہے کہ اس میں گنجائش نہ ہونے کے باوجود بھی مجلس شوریٰ، غیر جماعتی انتخابات، اسمبلیوں کی برطرفی، مارشل لاء، ہتھ ہولا مارشل لاء، حکومتوں کی برطرفی، چیف جسٹس کی معطلی، وزیر اعظم کی پھانسی، جلاوطنی اور فرار سبھی کچھ ہوا، مگر اس آئین پر کوئی شگاف نہ آیا، نہ کسی نے برا مانا، نہ کسی کی حق تلفی ہوئی، اس آئین نے بلاشبہ اپنے بنانے والے کے سوا سب کو تحفظ دیا۔

جنہوں نے اس آئین سے بغاوت کر کے حکومت پر قبضہ کیا، سزائے موت کی سزا مقرر ہونے کے باوجود بچ گئے، جنہوں نے اربوں لوٹے اور لاکھوں دے کر جان چھڑائی، جو رنگے ہاتھوں پکڑے گئے اور جنہوں نے زمین سے آسمان تک حرص و ہوس کا سماں باندھ دیا، اس آئین کی رواروی تلے ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھے ہیں، کسی کو بھی کچھ نہ ہوا، کچھ نہ کہا جا سکا۔ اس آئین کی ہر دلعزیزی اور سخت جانی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ ہمارے اوپر یہ آئین قریب ربع صدی سے کسی نہ کسی طرح نافذ ہی رہا ہے حالانکہ ہمارا تجربہ، فطرت اور تقاضہ یہ ہے کہ ہم کسی آئین، قانون اور ضابطے کو کم ہی مانتے ہیں، آئین کیسا بھی ہو؟ قانون کسی کا بھی ہو، دو چار سال سے زیادہ چلتا نہیں، کچھ ہم چلنے بھی نہیں دیتے۔ آئین کے استحکام اور شجرِ آئین پر آنے والے ثمر کا دارومدار اسے بنانے والوں کی نیت اور سینچنے والوں کے اخلاص سے وابستہ ہے۔ اس آئین کے معماروں نے خود بھی کبھی اس آئین کے احترام میں سر خم نہ کیا، سو دوسرے بھلا کیا کرتے، دنیا بھر کی آئینی تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ زیر جامہ کی طرح آسانی اور جلدی سے تبدیل کر لیے جانے والے آئین صرف حکومتِ وقت ہی کے کام آتے ہیں اور اسی کے ساتھ چلے جاتے ہیں، تاریخ کی یہ شہادت 1973 کے آئین پر کلک کر کے فٹ بیٹھتی ہے۔ مولانا کوثر نیازی کی ایک تحریر سے اس آئین میں ترمیم و تبدیلی کے عمل کا اندازہ ہوتا ہے، جو حقیقتاً تبدیلی زیر جامہ سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ ''وزیر اعظم

Marfat.com

نے جنرل ملک سے دریافت کیا کہ کیا ایجی ٹیشن کو ختم کرنے کے لئے مارشل لاء نافذ کر دیا جائے۔ جنرل عبداللہ ملک نے انہیں نفی میں جواب دیا اور کہا ''حالات کو سول ذرائع سے درست کیا جائے اور سیاسی معاملات میں فوج کو کم سے کم ملوث کیا جائے، یوں آئین بھی تو اس کی اجازت نہیں دیتا سر''! جنرل ملک اپنے دلائل کے آخر میں گویا ہوئے۔

''تم نے آئین پڑھا ہے؟،، مسٹر بھٹو نے قدرے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

''ہم تو حلف ہی آئین کے تحت اٹھاتے ہیں سر!،، جنرل ملک نے قدرے مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ اس پر مسٹر بھٹو نے انٹر کام اٹھایا اور دریافت کیا، ''حفیظ کہاں ہے؟ اسے بھیجو''۔

حفیظ پیرزادہ کے آنے تک بعض مخصوص مقامات پر جزوی مارشل لاء کے نفاذ کے امکانات کا جائزہ لیا جاتا رہا اور جنرل ملک مسلسل اس خیال کو رد کرتے رہے۔ حفیظ پیرزادہ پہنچے تو انہوں نے فوراً رائے دی۔

''یہ کوئی مسئلہ نہیں، کل اسمبلی بلا کر آئین میں ترمیم کرلیں گے،، (اور لائن کٹ گئی۔کوثر نیازی، صفحہ 66)

جس آئین میں ترمیم کی شرط محض اسمبلی کا اجلاس بلانے تک ہو، اس آئین کا موجودہ حلیہ اور اس آئین سے جو سلوک کیا گیا ہے، اس پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ جس زمین پر حکمرانوں کو رائے دینے والے سب اچھا اور حاضر جناب نورتن مل جائیں تو اس زمین سے آئین، انصاف، انسانی حقوق، دادرسی، اور سماجی عدل رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ نہیں چلتی ہیں نتیجتاً اب ہمیں نورتن، سب اچھا اور حاضر جناب میسر ہیں تو اس میں اچنبھا کیوں اور حیرانی کیسی؟ آئین بھی ہے، پیرزادہ بھی ہیں اور مارشل لاء بھی چلتے رہتے ہیں، بلکہ پیرزادہ تو دو، دو ہیں۔ ایک وہ، جو صرف مارشل لاء کے عدالتی دفاع ہی کے کام آتے ہیں۔ ملک میں مارشل لاء کے نافذ ہوتے ہی شریف الدین پیرزادہ کہیں نہ کہیں سے برآمد ہو

Marfat.com

جاتے ہیں اور جب تک مارشل لاء کو عدالتی مینڈیٹ نہ مل جائے، وہ عدلیہ کا محاصرہ کیے رہتے ہیں۔ ہمارے مفلوک اور جاں بہ لب سرکاری خزانہ سے اپنے غیر ملکی علاج کے لیے تین لاکھ روپیہ بٹورنے اور فوجیوں کے حق بالجبر کو عدلیہ سے نظریہ ضرورت کا ٹیچ اور بہت زیادہ ضرورت کا پلیچ لگوانے کے سوا اگر شریف الدین پیرزادہ کی کوئی اور بھی قومی خدمات ہیں تو عوام ان سے واقف نہیں ہیں۔

صبح تازہ تازہ کہ زرگزیدہ

ملینیم بگ کے خوف اور وہم کی دھند میں سونے والی امریکی قوم ملینیم برائٹ کی چکا چوند میں بیدار ہوئی۔ اکیسویں صدی کی پہلی صبح عام دنوں سے زیادہ روشن اور شفاف لگتی ہے۔ 31 دسمبر کی رات کو جہاں ایک طرف نئی صدی کے اعزاز و استقبال میں جشن برپا تھے، وہیں دلوں کے اندر اندر ایک بے یقینی اور تذبذب بھی چھپا ہوا تھا۔ یوں تو 1997 کے وسط سے ہی اس خدشے کی تشہیر شروع کر دی گئی تھی کہ بیسویں صدی سے اکیسویں صدی کی دہلیز پر پاؤں رکھتے ہوئے کئی حادثات رونما ہو سکتے ہیں، افراتفری پھیل سکتی ہے اور حسنِ انتظام کی ساری عمارت جو کمپیوٹرز کی ایک کلک اور پش بٹن کی خفیف سی پش پر رکھی ہوئی ہے، دھڑام سے نیچے آ سکتی ہے۔ اس عمارت کے نیچے آ جانے کی امکانی خرابیوں نے پورے امریکہ میں ہیجانی کیفیت پیدا کر رکھی تھی۔ خرابیوں کی لمبی فہرست سے اندیشہ ہائے دور دراز کو نظر انداز کر کے وسوسہ قرب و جوار کی بھی خاصی بھیانک تصویر سامنے آتی تھی۔ مثلاً بجلی منقطع ہو سکتی ہے، پانی کی بجائے شوں شوں رہ جائے گی، بنکوں میں اکاؤنٹس، رقم اور تاریخوں کا حساب الٹ پلٹ ہو جائے گا، فیڈرل گورنمنٹ کے کروڑوں چیک متعلقین کے نام جاری نہیں ہو سکیں گے' انکم ٹیکس کی حد میں ہر ماہ ادا کردہ رقم کا میزانیہ صفر ہو جائے گا، لاکھوں مسافر ہوائی اڈوں پر مقید ہو جائیں گے کہ یکم جنوری کے لئے کی گئی ریزرولیشن منسوخ ہو جائے گی، ہسپتالوں میں ہونے والے آپریشن

Marfat.com

تشنہ رہ جائیں گے اور رات بھر میں کمائے گئے سود کے کروڑوں ڈالرز کے اندر جات نہیں ہو سکیں گے۔ اس سے انفرادی کھاتوں، بنکوں، شیئرز اور سٹاک ایکسچینج پر مندے کا رجحان غالب آ جائے گا۔

امریکہ بھر میں افراد اور ادارے، شعبے اور حکومت یوں تو سبھی اکیسویں صدی کی آمد سے منسلک بے یقینی سے خوفزدہ تھے مگر امریکی محکمہ دفاع (پینٹا گون) کی حالت، حالتِ جنگ کی سی لگتی تھی کہ تباہ کن ایٹمی ہتھیاروں اور میزائلوں سے لیس کم از کم 13 بحری بیڑے مع عملے کے لاکھوں افراد سمیت دنیا بھر میں دور دراز سمندروں میں پھیلے ہوئے ہیں، ایک متاخر کلک اور ایک غلط پش انہیں سنگین حادثے سے دوچار کر دینے کے لئے کافی تھی۔

یہ ساری ممکنہ خرابی اس ایک طاقتور نقطے سے وابستہ ہے کہ جب روزمرہ کے کاموں کو کمپیوٹر کے خود کار نظام سے منسلک کیا گیا تو وقت اور تاریخ کے تعین کو 31 دسمبر 1999 تک پروگرام کیا گیا۔ نہ جاننے والوں کو جاننے کی کوشش کے باوجود بھی صرف اسی قدر سمجھ آ سکا کہ کمپیوٹرز کی وقت اور تاریخ پڑھنے کی صلاحیت چونکہ سن 2000 تک پروگرام ہی نہیں کی گئی تھی، سو یہ بات واضح نہیں ہے کہ جونہی اکیسویں صدی کی ساعت کمپیوٹرز میں داخل ہوگی تو کیا گل کھلائے گی اور کیا بوٹے بنائے گی، کمپیوٹرز اس ناگہاں کا ساتھ کیسے اور کہاں تک دے سکیں گے؟

لیکن کچھ بھی نہ ہوا، کہیں سے بھی کسی انتشار کی کوئی خبر نہ آئی، جن احتیاط پسندوں نے کئی کئی ماہ کا راشن پانی ذخیرہ کر لیا تھا، وہ اپنی پیش بندیوں کے ضائع جانے پر خجل ہوئے ہوں تو ہوئے ہوں، ورنہ سب اچھا ہے، حسبِ معمول ہے اور روزمرہ ہے۔ امریکہ کی اکانومی، سسٹم اور طریقِ کار میں ایسے مضبوط شاک ابزوربر لگے ہیں کہ بحران خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو، سروں پر سے گزر جاتا ہے، کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا اور عام آدمی کو تو بالکل ہی پتہ نہیں چلتا، ورنہ ایسے ایسے ملک بھی ہیں کہ چینی کے بحران پر کبھی حکومت گئی اور کبھی حمیت، گرانی گنڈے پیاز پر آبرو اور آلو

Marfat.com

ثمائر پر ایمان اور عزتِ نفس۔

اس کمپیوٹر بگ سے اکتائے ہوئے اور تنقیدی جھونک کے مارے ہوئے ایک گروہ کے اس بیان میں خاصا وزن محسوس ہونے لگا ہے کہ تباہی کے اس قدر امکانات سرے سے تھے ہی نہیں، جتنا کہ رنگ باندھا اور لسّی میں پانی ملایا گیا۔ ان بیان بازوں کے مطابق 1995 میں ہی کمپیوٹرز کی کچھ کمپنیز اور ماہرین نے یہ بات دریافت کر لی تھی کہ زیرِ استعمال کمپیوٹرز میں بیسویں صدی کے پار اترنے کی صلاحیت نہیں ہے مگر یہ صلاحیت پیدا کی جا سکتی ہے، اس پیدا کیے جانے کے امکان کو بڑے پیانے پر کمرشیلائز کرنے کی غرض سے اور زیادہ سے زیادہ مال بٹورنے کی خاطر اسی طرح مشتہر کرنا ضروری تھا کہ جس طرح کیا گیا، نتیجتاً راتوں رات امریکہ بھر میں ایسے ماہرین، سافٹ وئیر اور بندوبست وجود میں آ گئے جو کمپیوٹرز کو اکیسویں صدی سے ہم آہنگ کر دینے کے عرفان سے مسلح تھے۔ انتہائی محتاط اندازے کے مطابق پرائیویٹ سیکٹر میں نئی صدی سے اس ہم آہنگی پر 35 بلین ڈالر اور سرکاری شعبوں میں 15 بلین ڈالر خرچ کیے گئے۔ جس کا بیشتر حصہ انہی کی جیبوں میں چلا گیا کہ جنہوں نے پہلے اس قیامتِ صغریٰ کی نشان دہی کی تھی اور پھر اس قیامت کو ٹالنے کا فارمولا بھی پیش کیا تھا مگر متاثرین ہیں کہ اب انہیں اس مالی شب خون کا دعویٰ دائر کرنے کے لئے نہ کوئی ہاتھ نظر آتا ہے، نہ الزام دھرنے کے لیے کسی کی گردن۔ اس کمپیوٹر گزیدگی پر ہم نے تو گہرے گہرے، بری الذمہ کر دینے والے، خود کسمپرس اور خرابی خود پیدا کردہ کو قسمت اور گردشِ دوراں کے گلے ڈال دینے والے دو چار شعر پڑھ کر گزارا کر لیا ہے مگر آزردگی یہ ہے کہ ان متاثرین کے پاس تو جی ہلکا کر دینے والے، بری الذمہ قسم کے شعر بھی نہیں ہیں، جانے اس کمپیوٹرائے جانے سے یہ کیسے جانبر ہوں گے:

وہی قاتل، وہی شاہد وہی منصف ٹھہرے
اقرباء میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

Marfat.com

میں کس کے ہاتھ پر اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

یکم جنوری سن 2000

انما الاعمال بالنیات کی کڑکی

مشہورِ عالم امریکی ہفت روزہ ٹائم میگزین نے بالآخر ''پرسن آف دی سینچری،، کا اعلان کر دیا ہے۔ اس بارے میں بہت عرصے سے چہ میگوئیاں جاری تھیں اور قیافے لگائے جارہے تھے کہ بیسویں صدی کی یہ شخصیت کون ہوسکتی ہے؟ جسے یہ اعزاز ملے گا۔ یوں تو ہر سال ٹائم والے ''پرسن آف دی ائر،، کا انتخاب کرتے ہیں لیکن اس بار ''پرسن آف دی سینچری،، کے انتخاب کی وجہ سے تجسس اور انتظار کہیں زیادہ تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ملینیم ایشو کی اس خصوصی اشاعت میں پچھلے ایک ہزار سال میں ہر صدی کی اہم ترین شخصیت کا چناؤ بھی شامل ہے۔ طریقِ کار یہ رکھا گیا ہے کہ ہر صدی سے ایک اہم ترین شخصیت کا چناؤ کیا جائے گا لیکن مزید اہم شخصیات کے ہم پلہ ہوں اور جنہیں نظر انداز نہ کیا جا سکے، ان دو شخصیات کو ''رنراپ،، قرار دے کر اس چناؤ میں شامل کیا جائے۔

چناؤ کے ضابطے کے مطابق ٹائم کے ماہرین کی اپنی سلیکشن کمیٹی نے 1995 ہی سے اس بارے میں کام شروع کر دیا تھا، ماہرین کی اس کمیٹی کے علاوہ دنیا بھر کے مشہور ماہرین، تاریخ دان، تجزیہ نگار، سیاسی لیڈر، اہلِ قلم، سکالرز اور دانشوروں کی آراء اور نامزدگیاں بھی طلب کی گئیں اور ان سفارشات کو خاطر خواہ حد تک ملحوظ رکھا گیا۔ کانٹے دار جوڑ اور سب سے مشکل انتخاب انیسویں اور بیسویں صدی کی شخصیات کے درمیان نظر آتا ہے۔

یوں تو ہزار سالہ شخصیات کے انتخاب پر کئی اعتراض کیے گئے اور کئے جا سکتے ہیں، سلیکشن کمیٹی اور ماہرین کی آراء کا جو بھی پیمانہ اور معیار ہو لیکن بیسویں صدی کی

Marfat.com

شخصیات کے چناؤ پر خصوصاً کچھ لوگ بہت آزردہ ہوئے اور وجہ آزردگی یہ بیان کی جاتی ہے کہ بیسویں صدی کی دو، رنراپ، شخصیات میں خیر سے موہن داس کرم چند گاندھی کو بھی شامل کرلیا گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ گاندھی جی کے چناؤ میں میرٹ کے وزن سے زیادہ پروپیگنڈہ کا بوجھ شامل ہے۔ گاندھی جی کی متنازعہ اور شکست خوردہ شخصیت کے پیش نظر ان کا انتخاب مبہم اور غیر منطقی لگتا ہے۔ جس شخص نے گاندھی جی کو سیاسی، قانونی، آئینی، عقلی اور اخلاقی ہر میدان میں شکست فاش سے دوچار کیا۔ اس کا نام ان سو افراد میں بھی شامل نہیں تھا، جو چناؤ کے پہلے مرحلہ میں شامل کیے گئے تھے۔

آج کل کامیابی کا معیار اور اصول یہ ٹھہرا ہے کہ اس مذکورہ کامیابی پر انگلی رکھی جاسکتی ہو، نظر آتی ہو اور سر چڑھ کے بولتی ہو، محض بیان دینے، کہہ دینے اور دعویٰ کرلینے سے اب کام نہیں چلتا ہے۔ رہنماؤں کے ایسے نظریات اور دعوے، جو غیر منطقی، غیر فطری، مبہم اور شرمندۂ تکمیل ہونے سے عاری ہوں، اب ان پر لوگ کن انکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکراتے ہیں، اب محض اس طرح کے دعویٰ کرلینے سے کام نہیں چلتا ہے کہ تین سال میں کایا پلٹ دیں گے اور پانچ سال میں شرح خواندگی سو فیصد، مذاکرات کے زور پر مقبوضہ علاقے واگزار کرالئے جائیں گے اور عدم تشدد کی نظریاتی مار سے دشمن کو زیر کرلیں گے۔ اب تو یہ قرار پایا ہے کہ جو کچھ کہا جارہا ہے، اسے سائنسی، عقلی، شماریاتی اور منطق کی رو سے ثابت بھی کرو۔ اس جدید علمی معیار اور پیمانے پر پرکھا جائے تو گاندھی جی کی ناکامیاں اور کہہ مکرنیاں تو نظر آتی ہیں مگر کامیابی کا سراغ ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا ہے۔

1980 میں عدم تشدد کی جس سبک رفتار خچر پر گاندھی جی کو سوار کر کے بین الاقوامی ابلاغیات کی تسخیری مہم پر براستہ ہالی وڈ روانہ کیا گیا، ٹائم کی حالیہ خصوصی اشاعت میں ان کا ''رنراپ آف دی سینچری،، قرار دیا جانا اس مہم کا نقطہ عروج قرار دیا جاسکتا ہے لیکن جہاں تک گاندھی جی کے فلسفہ عدم تشدد کا تعلق ہے، جس پر آج

Marfat.com

ایک عالم فدا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اسی فلسفہ عدمِ تشدّد کے زیر سایہ اور ان کی نظروں کے سامنے اور ناک کے نیچے دس لاکھ افراد خاک وخون میں لوٹ گئے، عورتیں بے آبرو اور بچے بے گھر ہوئے مگر پھر بھی فلسفہ کا بلند و بالا ستون اور نظریے کا کلہ مضبوطی سے گڑا ہوا ہے، قابلِ ستائش ہے اور باعثِ اعزاز ہے۔ بے گناہ مقتولوں کی لاشوں سے کہیں کنوئیں بھر گئے اور کہیں پانی سرخ ہوگیا مگر گاندھی جی کے فلسفہ پر نہ کوئی تریڑ آئی، نہ نظریہ باطل ٹھہرا۔

ہزار سالہ تاریخ کا تجزیہ اور ہر صدی کی تاریخی شخصیات کا چناؤ خاصا مشکل اور صبر آزما کام تھا۔ ہر صدی سے جن شخصیات کا چناؤ کیا گیا۔ بہر حال خاصا دلچسپ ہے۔

گیارہویں صدی

پرسن آف دی سینچری — ولیم نارمن آف نارمنڈی

رنراپ آف دی سینچری — ا۔ سلطان محمود غزنوی

۲۔ پوپ اربن دوئم

بارہویں صدی

پرسن آف دی سینچری — سلطان صلاح الدین ایوبی

رنراپ آف دی سینچری — ا۔ ملکہ الینور آف اکویٹین

۲۔ جنرل یوری ٹومو

تیرہویں صدی

پرسن آف دی سینچری — تموجین چنگیز خان

پرسن آف دی سینچری — ا۔ فرانس آف ازاسی

۲۔ جلال الدین رومی

چودہویں صدی

پرسن آف دی سینچری — گیوٹو ڈی بون ڈون

Marfat.com

رنراپ ۔۔۔۔۔۔ ۲۔ جلال الدین رومی

چودہویں صدی

پرسن آف دی سینچری گیوٹو ڈی بون ڈون

رنراپ ۔۔۔۔۔۔ ا۔ زایون زہانگ

۲۔ امیر تیمور لنگ

پندرہویں صدی

پرسن آف دی سینچری جوہان گیٹنز برگ

رنراپ ۔۔۔۔۔۔ ا۔ کرسٹوفر کولمبس

۲۔ جون آف آرک

سولہویں صدی

پرسن آف دی سینچری ملکہ الزبتھ اوّل

رنراپ آف ۔۔۔ ا۔ مارٹن لوتھر

۲۔ نکولس کاپرنیکس

سترہویں صدی

پرسن آف دی سینچری آئزک نیوٹن

رنراپ آف ۔۔۔ ا۔ گلیلیو گے لے لی

۲۔ ولیم شیکسپیئر

اٹھارہویں صدی

پرسن آف دی سینچری تھامس جیفرسن

رنراپ ۔۔۔۔۔ ا۔ بنجمن فرینکلن

۲۔ لڈوگ وان بیتھاون

انیسویں صدی

پرسن آف دی سینچری تھامس ایڈیسن

Marfat.com

رنراپ۔۔۔۔۔۔ ۱۔ چارلس ڈارون

۲۔ ابراہام لنکن

بیسویں صدی

پرسن آف دی سینچری البرٹ آئن سٹائن

رنراپ آف دی۔۔۔ ۱۔ فرینکلن روز ویلٹ

۲۔ موہن داس کرم چند گاندھی

گیارہویں صدی سے چودھویں صدی تک کی منتخب کردہ شخصیات میں تو ایک نہ ایک مسلمان شخصیت شامل ہے لیکن اس کے بعد کی چھ صدیاں مسلمانوں پر ایسی بے توقیر گزر گئیں کہ ان کی آبادی تو دنیا بھر میں پھیلتی گئی مگر جوہر قابل سکڑتا گیا۔ ایک تہائی آبادی اور ایک تہائی رقبے پر پھیلی خلقت پر انما الاعمال بالنیات نے ایسی کڑکی لگائی اور چھی ڈالی ہوئی ہے کہ ہم بھاگ بھروں کے عالمی منڈی میں نہ لیڈر چلتے ہیں، نہ نظریہ، نہ فاتح نہ مصلح، نہ قلمکار، نہ دانشور، نہ نظریہ ساز، نہ کارگزار۔

ایک طرف خلقت کی افراط لگی ہے، پیدائش کا پلہ اور بیشتر عورتوں کا پاؤں بھاری ہے اور دوسری طرف انسانوں کے قحط، بے عملی، بددلی، تخلیقی بانجھ پن، تیرگی اور تہی دامنی کا زور بندھا ہے، مختار مسعود اسے قحط الرجال کہتے ہیں اور صالح سویدی قہر الرجال، لیکن ہمارے خیال میں موجودہ صورتِ حال قحط الرجال اور قہر الرجال سے زیادہ ہمارے اعمال پر نیتوں کی کڑکی لگے ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اسی لیے تو ہمارے سیدھے سادھے اعمال بھی بدعمل، مکروہ، اور بدنما نظر آتے ہیں، ہم جنہیں ووٹ دے کر منتخب کرتے ہیں وہ خائن، بلکے (پنجابی والے بلکے نہیں) بے شرم، حریص، کند ذہن اور دریدہ دہن نکلتے ہیں، ڈیم بناتے ہیں تو اس میں پتھر در آتے ہیں اور مٹی بھر جاتی ہے، مدرسہ کھولتے ہیں تو یہاں دہشت گرد پروان چڑھنے لگتے ہیں، چاول بوتے ہیں تو بارش نہیں ہوتی، کپاس اٹھاتے ہیں تو بارش ٹھہرتی نہیں، سڑک پانی میں بہہ جاتی ہے اور پانی سمندر میں۔ بنجر زمین اور پیاسے انسان

Marfat.com

دیکھتے رہ جاتے ہیں، بیواؤں اور یتیم بچیوں کے لئے حکومت سلائی مشینیں دیتی ہے مگر کونسلرز اور منتخب نمائندوں کی بیگمات ان مشینوں سے دستکاری کا مرکز قائم کر دیتی ہیں، جنہیں گواہ کرتے ہیں، وہ مخالف وکلاء سے مل جاتے ہیں، جنس ذخیرہ کریں تو سنڈی لگ جاتی ہے، جس بچے کو باہر بھیجتے ہیں، وہ پلٹتا نہیں، جو اِدھر ہیں وہ شادی ہوتے ہی رسہ تڑوانے لگتے ہیں، بوڑھے ماں باپ پنشن کی قتل گاہوں میں بیٹھے سوچتے ہیں کہ آخر ان سے کیا اور کہاں غلطی ہوئی، کنواں کھودیں تو پتھر نکل آتے ہیں اور لحد کھودیں تو مردے۔ بے سہارا خواتین کے لئے دارالامان کھولیں تو ضلعی انتظامیہ کے اہل کاروں کی چیرہ دستیاں، ہوس اور حیوانیت کی ساری حدود توڑ دیتی ہیں۔

جو فصل ہم کاٹتے ہیں اور جو مصائب ہم جھیلتے ہیں۔ یہ سارے مصائب نیتوں کا اجر اور یہ ساری ناکامیاں، اعمال پر نیتوں کی کڑکی لگے ہونے کا کھلا اشارہ اور عندیہ ہیں۔

نہ پوچھ عالمِ برگشتہ طالعی آتش
برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے

انسانی تاریخ میں اتنی بڑی کسی اور قوم پر شبِ سیاہ کی ایسی درازی اور یوں ٹھہر جانے کا نشان نہیں ملتا ہے۔ برگشتگی عالم کی یہ صورت ہوگئی ہے کہ ہمارا کھرا سکہ بھی قدر و منزلت کے بازار میں بے قدر و قیمت رہ جاتا ہے اور ہمیں اپنے کھرے مال کی بھی اصل قیمت نہیں ملتی ہے، چلو منافع اور سود نہ سہی، نہ ملے، مگر اصل زر تو ملے مگر یوں بھی نہیں ہے۔

یہ بات تو ابھی ابھی، سامنے سامنے ہی کی ہے کہ ایک مردِ حق اٹھا اور ثابت کر دیا کہ مسلمان بالکل علیحدہ قوم اور ہر لحاظ سے ایک مکمل قوم ہیں۔ لہٰذا دوسری قوم کے ساتھ رہنے میں اٹ کھڑ کا لگا ہی رہے گا، سو بہتر یہی ہے کہ انہیں علیحدہ کر دیا جائے، مہاتما نے کہا کہ صدیوں سے ساتھ رہنے والے یکا یک علیحدہ قوم کیسے بن گئے لیکن

Marfat.com

علیحدہ قوم بننے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ بس کلمہ ہی تو پڑھنا پڑتا ہے۔ ادھر کلمہ حق پڑھا اور دوسری صف میں داخل ہو گئے۔ لمحہ بھر میں دنیا ہی بدل گئی، مگر گاندھی جی نے یہ سیدھی سادھی بات سمجھنے میں بھی ربع صدی صرف کر دی، جب وہ علیحدہ قوم کو وجود میں آنے سے نہ روک سکے تو علیحدہ ریاست بننے کی راہ میں حائل ہوئے۔ انہوں نے جہاں جہاں بھی رکاوٹ ڈالی۔ انہیں وہیں وہیں سپر ڈالنی پڑی۔

گاندھی جی کے فلسفہ عدم تشدد اور پُر امن جدوجہد کا گریبان تار تار ہو جانے میں دیر لگی، نہ نئی مملکت کے قائم ہو جانے میں۔ ناکامیوں نے گاندھی جی کا گھر ایسا دیکھا کہ ان کے جیتے جی وہ مستقلاً وہیں رہیں مگر ستائش کی دنیا میں گاندھی جی کی قیمت خوب پڑی بلکہ اصل سے کہیں زیادہ پڑی اور وہ جس کے ماتھے پر فتح مبین لکھا اور ہاتھ میں فتح کا علم تھا، اس کی اصل قیمت تو اس کے اپنے بھی نہ جان سکے، اغیار کا تو شکوہ ہی کیا؟

شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی نے تو یہ شعر سیدنا حضرت امام حسینؓ کے حضور لکھا تھا کہ:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؓ

مگر یوں لگتا ہے کہ انسان بیدار ہوا تو اور بھی کئی لوگوں کو اپنا ماننے پر مائل اور اپنا کہنے پر مصر ہوگا اور ان لوگوں میں قائداعظم محمد علی جناح بھی سرِفہرست ہوں گے۔

''کیا عجب کہ اگلی صدی کے خصوصی ایڈیشن کی اشاعت پر تاریخی شخصیات کے چناؤ میں ٹائم میگزین کو ماضی میں روا رکھی گئی اپنی کوتاہیوں کی تلافی کا مرحلہ درپیش ہو۔ اگر یوں ہوا تو ٹائم میگزین پر واجب قرض کی پہلی ادائیگی اور ازالے کے طور پر قائداعظم محمد علی جناح'' کی تصویر سرورق پر شائع کرنا ہوگی کہ ٹائم میگزین پر ہمارا یہ قرض ایک عرصے سے واجب الادا ہے''۔

2 جنوری

Marfat.com

ڈالر ہی ڈالر

ہارورڈ یونیورسٹی کے ایک ریسرچ ڈیپارٹمنٹ نے اپنی ایک تحقیقی رپورٹ شائع کی ہے، جو بیسویں صدی کے اختتام اور اکیسویں صدی کے شروع ہونے کے حوالے سے امریکی معاشرت کی معاشی تصویر پیش کرتی ہے۔ یہ رپورٹ اپنے نفسِ مضمون، مندرجات اور اعداد و شمار کی وجہ سے خاصی دلچسپ ہے۔ رپورٹ کا عنوان ہے'' امریکہ کی قومی زندگی میں ایک دن''۔ یوں تو رپورٹ میں، صرف ایک امریکی دن، کے کچھ پہلوؤں کا شماریاتی حوالہ دیا گیا ہے لیکن اس سے یہ تعین ضرور ہوتا ہے کہ آج بیسویں صدی کے اختتام پر سب سے بہترین معیارِ زندگی کا معیار کیا ہے اور کیسا ہوسکتا ہے؟

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 273 ملین امریکی افراد ہر روز کتنا خرچ کرتے ہیں اور کہاں خرچ کرتے ہیں؟ کیا پیدا کرتے ہیں اور کتنا ضائع کرتے ہیں؟ رپورٹ کے مطابق امریکہ میں روزانہ 11 ہزار نفوس کا اضافہ ہوتا ہے اور ساڑھے 6 ہزار افراد فوت ہو جاتے ہیں، 3 ہزار تین سو جوڑوں کے درمیان طلاق ہو جاتی ہے اور ساڑھے 6 ہزار شادیاں روزانہ انجام پاتی ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ اموات کی روزانہ تعداد امریکہ بھر میں تدفین و تکفین کے کاروباری جنازہ گھروں کی تعداد سے کہیں کم ہے۔ سو ''فیونرل انڈسٹری،، پر تا حال مندے کا رجحان ہی غالب رہے گا، جبکہ شادی گھروں کی چاندی رہے گی چونکہ شرح طلاق روزانہ، شادی خانہ آبادی ہر روز کی بہر حال نصف ہے۔

امریکی قوم 610 ملین ڈالر فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹس میں روزانہ خرچ کرتی ہے، جبکہ 23 ملین گیلن سافٹ ڈرنکس اور 2 ملین گیلین آئس کریم کی روزانہ کھپت ہے۔ 202 ملین انڈوں، 48 ملین ہاٹ ڈاگز اور ساڑھے 4 لاکھ کیلے کی پھلیوں کی روزانہ طلب اس کے سوا ہے۔ 2 لاکھ دس ہزار ٹن قابلِ استعمال خوراک روزانہ

Marfat.com

کوڑے میں پھینک دی جاتی ہے اور ایک بلین ڈالر کی روزانہ شاپنگ ہوتی ہے۔

امریکی معاشرے کے ایک دن میں 5 ہزار 2 سو سنگین جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور 34 ہزار چوری کے واقعات اس کے علاوہ ہیں جبکہ ایک ہزار 7 سو مسلح ڈاکے روزانہ پڑتے ہیں۔ 61 افراد ہر روز قتل ہو جاتے ہیں، ساڑھے 3 ہزار کاریں چرالی جاتی ہیں اور 33 ہزار افراد اوسطاً پوچھ گچھ اور تفتیش کے مرحلے سے گزرتے ہیں۔

اٹھارہ سال تک کی عمر کے بچے یعنی ''ٹین ایجرز،، روزانہ 3 گھنٹے ٹی وی دیکھنے میں گزارتے ہیں اور ایک گھنٹہ کمپیوٹر پر، قریب ڈیڑھ گھنٹہ میوزک سننے میں، ایک گھنٹہ جسمانی کھیلوں میں اور آدھ گھنٹہ ہوم ورک کرنے میں خرچ کرتے ہیں۔

امریکہ کے طول وعرض میں 500 ملین خطوط روزانہ سپردِ ڈاک کیے جاتے ہیں اور 34 ہزار نئی کاریں بنائی جاتی ہیں جبکہ 18 ہزار کاریں ہر روز حادثوں میں تباہ ہو جاتی ہیں۔ ہر روز 21 فلائٹس ٹیک آف کرتی ہیں، 15 سو تارکینِ وطن مختلف ملکوں سے امریکہ کا رخ کرتے ہیں اور غیر قانونی طور پر مقیم 3 ہزار تارکینِ وطن کو روزانہ واپس بھیج دیا جاتا ہے۔

امریکی قوم روزانہ 150 ملین ڈالر سینما گھروں میں، 90 ملین ڈالر کے لاٹری ٹکٹ، 27 ملین ڈالر کھیلوں کے مقابلے دیکھنے اور 45 ملین ڈالر فزیکل فٹنس کے آلات خریدنے میں خرچ کرتی ہے۔22 ملین ڈالر ایتھلیٹک شوز خریدنے اور 17 ملین ڈالر تفریحی پارکوں میں روزانہ خرچ کئے جاتے ہیں۔

66 ملین ڈالر روزانہ کی کتابیں خریدی جاتی ہیں۔ دو ملین افراد روزانہ ڈاکٹرز سے رجوع کرتے ہیں، 220 افراد میں ایڈز کا مرض تشخیص کیا جاتا ہے، 10 ہزار افراد روزانہ کام کرتے ہوئے زخمی ہو جاتے ہیں، 2 ہزار ایک سو افراد دل کے دورہ سے مر جاتے ہیں اور 15 سو افراد کینسر سے۔

3 جنوری

Marfat.com

ٹوٹی کہاں کمند

پچھلے کچھ دنوں سے امریکی میڈیا، لوگوں کے اعصاب اور انسانی حقوق کے افق پر ایک 6 سالہ بچہ الیان گنز الس چھایا ہوا ہے، ٹی وی، اخبار، رسالے، خبریں، مذاکرے، ٹاک شو، اور خصوصی فیچرز سب اسی موضوع پر لب کشا اور خوش لسان ہیں۔ کیوبا کا یہ معصوم بچہ ایک المیہ سے گزرنے کے بعد دوسرے سے دوچار ہو چکا ہے۔ انسانی حقوق کے خوش رنگ امریکی کمبل میں چھپے ہوئے مفادات اور کیوبا امریکہ کے درمیان سیاسی زور آزمائی کا سارا دباؤ الیان کے اداس چہرے پر ظاہر ہونے لگا ہے۔

یوں تو دور دراز دنیا سے بھی غیر قانونی تارکینِ وطن امریکہ آتے ہی رہتے ہیں لیکن کیوبا سے آنے والے تارکین کا آنا دوہری مشکلات اور المیوں سے عبارت ہے۔ دیکھنے کو تو کیوبا اور امریکہ کے درمیان قریب سوا دو سو میل کی دوری ہے اور اس دوری میں شوریدہ سر میکسیکو گلف حائل ہے مگر ان دونوں ملکوں کے درمیان قریب نصف صدی سے جاری نظریاتی و سیاسی چپقلش نے اس مختصر سی دوری کو ہزاروں میل کے بعد میں بدل دیا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ اہلِ کیوبا کے افلاس پر امریکی خوش حالی کا سایہ تک پڑنا ممنوع ہے۔ نہ کیوبا کی حکومت اپنے لوگوں کو امریکہ جانے کی اجازت دیتی ہے، نہ امریکہ اہلِ کیوبا کو لینے میں سرگرم ہے۔ کیوبا کے شہریوں پر امریکہ آنے کے قانونی ذرائع بند ہوئے تو غیر قانونی راہیں کھلتی گئیں مگر درمیان میں میکسیکو گلف حائل ہوگئی۔ اب ہوتا یہ ہے کہ کیوبن پولیس اور کوسٹ گارڈ سے چھپ چھپا کر یا انہیں مال لگا کر امریکہ آنے کے خواہشمند حضرات رات کی تاریکی میں کشتی پر عازم امریکہ ہوتے ہیں۔ اگر قسمت اور لہروں نے ساتھ دیا اور کشتی فلوریڈا کے قریب پہنچ ہی گئی تو امریکی نیوی کی پٹرول پارٹی اور کوسٹ گارڈ انہیں پکڑ کر واپس کیوبا بھیج دیتے ہیں۔ کیوبن حکومت ان لوگوں سے کیسا سلوک

Marfat.com

کرتی ہوگی، اس کا اندازہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ لیکن اس مہم جوئی میں اصل المیہ ان انسانی جانوں کے زیاں سے وابستہ ہے، جنہیں میکسیکو گلف نگل لیتی ہے، کشتی چھوٹی، مسافر زیادہ ناخداؤں کی ناتجربہ کاری، خوف، دباؤ اور ناقص انتظام اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ یہ کشتیاں امریکہ سے دور دور ہی اور بیشتر قریب آن کر بھی مع مسافروں کے ڈوب جاتی ہیں۔

25 نومبر 1999 کو ایسی ہی ایک کشتی امریکی ساحل کے بالکل قریب ہی ڈوبتی پائی گئی۔ ڈوبنے والے قریب تیس افراد میں الیان گنز الس کی ماں اور سوتیلا باپ بھی شامل تھے جبکہ ٹیوب سے چمٹے ہوئے الیان کو معجزانہ طور پر بچالیا گیا۔ اب الیان میامی (فلوریڈا) میں کیوبن تارکینِ وطن کی تنظیموں کے زیرِ نگرانی اپنے کچھ رشتہ داروں کے ساتھ مقیم ہے جبکہ کیوبن حکومت الیان کو واپس مانگ رہی ہے۔ ہوانا میں ہر روز لاکھوں افراد مظاہرے کر رہے ہیں کہ الیان کو واپس کیا جائے۔ فیڈل کاسترو سے لے کر الیان کے والد مسٹر گنز الس سب کا ایک ہی مطالبہ ہے کہ الیان کو فوراً واپس کیا جائے۔ ادھر الیان کے رشتہ داروں اور کیوبن تنظیموں کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ الیان کا مستقبل امریکہ میں زیادہ محفوظ ہے۔ لہٰذا اسے واپس نہیں جانے دیں گے۔ الیان کے مستقل قیام کے لئے ان تنظیموں نے خاصے فنڈز بھی جمع کر لئے ہیں اور امیگریشن کورٹ میں مقدمہ قائم کر دیا ہے، کچھ واقفانِ حال کا تخمینہ یہ ہے کہ یہ سارا قضیہ الیان کے رشتہ داروں کا پیدا کردہ ہے۔ وہ الیان کو سونے کی ایسی چڑیا سمجھتے ہیں کہ جس پر عطیات کی بارش ہوسکتی ہے اور اگر کھل کر نہ بھی برسی، تب بھی بچوں کی فلاح و بہبود، تعلیم اور ضروری اخراجات کی حد میں خاصی معقول آمدنی ماہانہ ہو جانے کا قوی امکان ہے۔

امریکی رائے عامہ دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ ایک فریق کا کہنا ہے کہ الیان کو واپس جانے دیا جائے تاکہ ماں کی عدم موجودگی میں اسے کم از کم باپ کی شفقت میسر آسکے جبکہ دوسرے فریق کا کہنا یہ ہے کہ بات الیان کے مستقبل اور اس

Marfat.com

کے انسانی حقوق کی ہے اور یہ دونوں امریکہ ہی میں محفوظ ہیں۔ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن کلنٹن انتظامیہ اور خاص کر اٹارنی جنرل جینٹ رینو عجیب مخمصے میں ہیں کہ الیکشن ائیر ہونے کی وجہ سے وہ کسی کی مخالفت اور کسی اقلیت کو ناراض کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ 4 جنوری

آدھے آدھے

انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کی حالیہ اشاعت برائے 2000 کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ میں پیدا ہونے والے ناجائز بچوں کی شرح میں ہر سال اضافہ ہو رہا ہے۔ ناجائز بچوں کی شرح پیدائش اب 33 فیصد ہو چکی ہے یعنی ایک تہائی بچے اپنے والدین کی جائز اولاد نہیں ہیں۔

سوشل افیئرز کے ایک اور سروے میں اسی بات کو زیادہ جامع طریقے سے بیان کیا گیا ہے کہ بات صرف یہی نہیں ہے کہ 33 فیصد بچے ناجائز ہیں بلکہ ان 33 فیصد بچوں کو پیدا کرنے والی ماؤں میں 8 فیصد ایسی ہیں، جو اپنے بچے کے باپ کے نام کے بارے میں پُر یقین نہیں ہیں یا سرے سے جانتی ہی نہیں ہیں کہ اس نومولود کے والدِ محترم کون تھے اور اس سیلِ بلا کا رخ کس کی طرف موڑا جائے۔ ادھر بچوں کی کفالت (خواہ جائز ہوں یا ناجائز) کے قوانین ہر ریاست میں سخت اور حتمی بنائے جا رہے ہیں اور اس امر کو یقینی بنایا جا رہا ہے کہ بچے کے والد سے ہر صورت بچے کی پرورش کے اخراجات وصول کیے جائیں۔

ڈی این اے کا سب سے زیادہ اور موثر استعمال اب ان ملزموں پر ہو رہا ہے جن پر بچہ کے باپ ہونے کا الزام ہے جبکہ ملزم باپ ہونے کے اعزاز سے صاف انکاری ہے۔

سوشل افیئرز کی اس رپورٹ میں مزید بتایا گیا ہے کہ آئندہ دس سالوں میں یہ بدنصیب شرح 33 سے 40 فیصد تک ہو سکتی ہے جبکہ ہمارے قیافے کے مطابق

Marfat.com

یہ شرح اگلے دس پندرہ برسوں میں انشاء اللہ پچاس فیصد تک بڑھ جائے گی کیونکہ شادیوں کی سالانہ شرح میں 4 فیصد کمی اور شادی شدہ جوڑوں میں پہلے ہی سال طلاق ہو جانے کی شرح 63 فیصد تک جا پہنچی ہے۔ نتیجتاً شادی کے پہلے ہی سال میں زخمی ہو جانے والے یہ 63 فیصد تجربے کار حضرات دوسری شادی کا ڈول ڈالتے ڈالتے بھی برسوں لگا دیتے ہیں اور زیادہ تر ناجائز بچے ان ہی سالوں میں پیدا ہو رہے ہیں۔

ہمیں خدشہ ہے کہ کل کلاں جب یہ کہا جائے گا کہ آدھے امریکی ''حرام دے'' ہیں تو اس میں کچھ ایسا اچنبھا، مضائقہ اور مبالغہ نہیں ہو گا۔

6 جنوری

چولہا پھٹنے سے..........

ہیومن رائٹس کمیشن کی ایک تحقیقی رپورٹ جو شکاگو ٹریبیون میں پاکستان کے حوالے سے شائع ہوئی ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سن 1999 میں پاکستان کے طول و عرض میں 398 خواتین تیل کا چولہا پھٹنے سے ہلاک ہوئیں۔ ہمارے خیال میں یہ تعداد اصل سے تو کہیں کم لیکن ہیومن رائٹس والوں کے لئے خاصی ہے۔ انسانی حقوق کے ناطے سے تو اس طرح کی ایک ہی ناگہاں موت کافی ہوتی ہے لیکن ہمارا تجربہ اور قیافہ ہے کہ ہمارے ہاں اس طرح کے حادثوں کے بعد متعلقین کی پُراسرار سرگرمیاں اور پولیس کا فوراً شریکِ غم ہو جانا کیس کے رجسٹر ہونے کے آڑے آجاتا ہے۔ سو چولہا اموات سالانہ اس سے کہیں زیادہ ہیں، جتنی کہ ہیومن رائٹس والوں پر آشکارا ہو سکتی ہیں۔

یوں تو قومی بے حسی کے ہزار پہلو ہو سکتے ہیں لیکن چولہا اموات کا تسلسل اور سنگینی بے حسی سے کہیں زیادہ مجرمانہ غفلت ہے۔ چولہے، مسلسل پھٹ رہے ہیں لیکن نہ کوئی انکوائری، نہ کمیشن، نہ داد، نہ فریاد۔ اگر یہ چولہا اس قدر غیر معیاری،

Marfat.com

خواتین الرجک اور خاتون مخالف ہے کہ خواتین کے قریب آتے ہی پھٹ جاتا ہے تو چولہا بنانے والی کمپنی کو اس کا ذمہ دار اور اصل قاتل ٹھہرایا جانا چاہیے تھا اور اگر خواتین کے قتل کو چولہے کے سر ڈالا جارہا ہے تو چولہا کمپنی کو یہ ثابت کرنا چاہیے تھا کہ چولہا پھٹتا کم ہے بلکہ پھاڑا زیادہ جاتا ہے۔

حیرانی ہوئی کہ 398ء چولہا اموات کے کسی ایک متاثر ولواحق نے بھی نہ تو کسی چولہا کمپنی کے خلاف ہی کوئی کیس دائر کیا، نہ پولیس ہی یہ ثابت کرسکی کہ موت تو چولہا پھٹنے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔

پاکستانی مرد حضرات کا جن باتوں پر ایکا اور پکا اکٹھ ہے، ان میں غیرت کی آڑ میں قتل، بہنوں کو وراثت میں شریک کرنے سے انکار، نوبیاہتا بیویوں کو طلاق دیتے وقت ان کے جہیز اور مال اسباب پر قبضہ کی لعنت کے علاوہ چولہا پھاڑنے کی شقی القلبی بھی شامل ہے۔

9 جنوری

سورۃ البقرہ کی لپیٹ

نیو یارک میں کریڈٹ کارڈ کمپنیز کے نمائندوں کے سالانہ اجتماع کے خاتمہ پر جو اعداد و شمار، تجاویز، حربے اور منصوبے پیش کیے گئے ہیں، کریڈٹ کارڈ جاری کرنے والے بنکوں اور کمپنیز کے نقطہ نظر سے تو خاصے حوصلہ افزاء ہیں مگر اس میں متاثرین کے لئے تشویش، غیر جانبداروں کے لئے دلچسپی اور سود خوروں کے لئے امکانات کا ایک عالم چھپا ہوا ہے۔

اس وقت 71 فیصد برسرِ روزگار ہر امریکی شہری کے پاس تین سے دس تک مختلف کریڈٹ کارڈ ہیں اور مجموعی طور پر یہ کریڈٹ کارڈ ہولڈر ایک ٹریلین ڈالر کے مقروض ہیں۔ اس ایک ٹریلین ڈالر پر اوسطاً 20 فیصد شرح سود کے حساب سے دو سو بلین ڈالر سالانہ واجب الادا سود کی رقم اصل زر یعنی ایک ٹریلین کے علاوہ ہے۔

Marfat.com

تجویز یہ ہے کہ سن 2005 تک 71 فیصد کارڈ ہولڈرز کی تعداد 80 فیصد تک بڑھادی جائے اور سالانہ سود کا خالص منافع دوسو بلین ڈالر سے بڑھ کر 250 بلین ڈالر سالانہ تک ضرور ہونا چاہیے۔

حربہ یہ ہے کہ کریڈٹ کارڈ کے جال میں بے خبر مکڑی کو پھانسنے کے لئے کم سے کم شرح سود یعنی دو چار فیصد محض کا چارہ لگا کر صارف کے زیادہ شرح سود والے قرضے ادا کر دیئے جائیں اور تعارفی ترغیبی مدت عرصہ (6 سے 9 ماہ) کے بعد جھانسے والی شرح سود کو مارکیٹ ریٹ (18 سے 21 فیصد) سے منسلک کر دیا جائے۔ چارہ گری اور مسیحائی کی اس واجبی شرح سود کے جال سے پھر کون ہے۔ جو جیتے جی نکل سکتا ہو، بجز مقدر کا سکندر اور قسمت کی قلوپطرہ، کسی اور کو یہ جال توڑتے کم ہی دیکھا گیا ہے۔

منصوبہ یہ ہے کہ کریڈٹ کارڈ کے فتنے اور قباحت کو ضرورت، آسانی اور فرد کی سماجی و معاشی حیثیت میں بدل دیا جائے۔

اس وقت کریڈٹ کارڈ کی صنعت آٹو موبائیل انڈسٹری کے بعد امریکہ کی سب سے بڑی صنعت کے طور پر ابھر رہی ہے۔ اس صنعت کے پھیلاؤ میں 160 ملین امریکی پھڑ پھڑا رہے ہیں اور سالانہ یافت دو سو بلین ڈالر سے تجاوز کر رہی ہے۔ جس معاشرے کی معاشی اساس سود در سود کی اس قدر ہمہ گیر لعنت پر رکھی ہو اور جہاں کی حکومتیں سود اور شرح سود کے اتار چڑھاؤ کی بنیاد پر سرخ رو ہوں، اس معاشرے کی معاشی حالت استحصالی اور حکومتوں کی سرخ روئی سوالیہ لگتی ہے؟

خالص سودی اساس اور حرام یافت امریکی امداد جہاں جہاں بھی پہنچی، وہاں وہاں ہی بدحالی، بے برکتی اور افلاس بھی پھیلا خصوصاً مسلمان ممالک میں تو امریکی امداد نے ایسے رنگ لگائے اور چاند چڑھائے کہ سب کچھ ہی بے رنگ ہو کر رہ گیا، کیا ایمان اور کیا حمیت، کیا آسودگی اور کیا آبرو۔ کیا عجب کہ مسلمان معاشروں کی آبرو و افلاس میں امریکی امداد کے ساتھ ساتھ سورۃ البقرہ سے انحراف کی سزا بھی

Marfat.com

شامل ہو۔ ارشاد ربانی ہے۔ الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المس. جو لوگ سود کھاتے ہیں، نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر (یعنی حیران و مدہوش)۔ (سورۃ البقرہ)۔

درجہ بندی، درجات اور درگند

سال بہ سال اور موقع بہ موقع امریکی صدور (اول تا آخر) کی درجہ بندی ہوتی رہتی ہے، کون کتنا کامیاب رہا؟ کس نے کیا کام دکھایا؟ امریکی تاریخ اور معاشرت کو کس قدر متاثر کیا؟ ملک کو بنایا، قوم کو سنوارا یا محض بگاڑا، کس کا عہد اور فیصلے امریکہ کے بہترین مفاد میں ثابت ہوئے اور کس کے فیصلوں سے بگاڑ پیدا ہوا، بکی ہوئی اور ابتری پھیلی۔ کونسا صدر کتنا بے ایمان تھا یا سرے سے بے ایمان تھا ہی نہیں، کند ذہن تھا کہ درک، دل پھینک تھا کہ دلبند، امریکی صدارت کا استحقاق رکھتا تھا یا محض اتفاقیہ تھا۔ یہ بھی ایک طرح سے مواخذہ کی ہی صورت ہے، جو ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ مختلف ادارے اور فورم یہ کام کرتے رہتے ہیں۔ ہر کسی کا اپنا پیمانہ اور معیار ہے، عوامی آراء کی بنیاد، موجودہ صورتِ حال اور موجودہ صدر کی کارکردگی کا موازنہ سابق صدور سے کیا جاتا ہے، یوں صدور کی رینکنگ بدلتی رہتی ہے اور مواخذہ، دُشنام، تحسین، درجات اور درگند کا در وا رہتا ہے۔

مختلف ادارے مختلف کسوٹیوں پر سابق و موجودہ سربراہوں کو سان پر لگائے رکھتے ہیں، یوں تاریخ میں تطہیر، تفریق اور تصدیق کا عمل جاری رہتا ہے۔ مثلاً جب رونالڈ ریگن صدرِ امریکہ تھے، امریکی صدور میں ان کی درجہ بندی اوسط درجہ کی تھی جب تحقیق، تجزیہ اور موازنہ سے ان کی عہدِ صدارت کے اسرار و اثرات ظاہر ہوئے تو ان کی درجہ بندی بھی بلند ہوتی گئی۔ اب رونالڈ ریگن کا شمار امریکہ کے پانچ عظیم الشان اور کامیاب ترین صدور میں ہوتا ہے۔ اس سال کی تازہ ترین درجہ بندی جو

Marfat.com

مختلف اداروں نے شائع کی ہے۔ اس کے مطابق درجات کی صورت حال اس طرح ہے:

مائیکل کووان رینکنگ (تاریخی)

۱۔ فرینکلن روز ویلٹ
۲۔ ابراہام لنکن
۳۔ تھیوڈور روز ویلٹ
۴۔ جارج واشنگٹن
۵۔ تھامس جیفرسن

انٹر کالجیٹ سٹڈیز انسٹیٹیوٹ رینکنگ (عظیم الشان اور کامیاب ترین صدور)

۱۔ جارج واشنگٹن
۲۔ ابراہام لنکن
۳۔ فرینکلن روز ویلٹ
۴۔ تھامس جیفرسن
۵۔ تھیوڈور روز ویلوٹ

زاویہ اور کسوٹی کوئی سی بھی ہو، صدور کی درجہ بندی تو بدلتی ہے مگر کسی پر بھی خطِ تنسیخ نہیں کھنچتا ہے اور یہی ان درجہ بندیوں کا اعتبار ہے، Validity ہے۔

خدانخواستہ اگر ہم پر یہ ابتلا آ پڑے کہ ہم اپنے حکمرانوں کی درجہ بندی کریں تو اول تو یہ منفی، بدصورت اور بدنما ہوگی اور دوسرے یہ کہ اس طرح کی درجہ بندی، لوٹ مار، اقرباء پروری، چوری چکاری اور ملک وقوم کو نقصان پہنچائے جانے کی بنیاد پر ہی ہوسکتی ہے کیونکہ بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ کے بعد کسی ایسے حکمران کو ڈھونڈنا مشکل ہے کہ جس نے مملکتِ پاکستان کو کسی نہ کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا ہو، کسی نے لوٹ مار کم کی تو سرحدیں توڑ دیں، کسی نے آئین بنایا تو بساط بھی الٹ دی، کسی نے آئین توڑا اور کسی نے حکومتیں، کسی نے نظریہ میں نقب

Marfat.com

لگائی اور کسی نے اساس میں شگاف ڈالا، کسی نے مال بنایا اور کسی نے کارخانے، کسی نے کھلا فریب کیا اور کسی نے خفیہ سودے بازی کی، کسی کی نظر پلاٹ اور پلازوں پر رہی اور کسی کی زرِ مبادلہ پر، کوئی فرار ہوا کوئی جلاوطن، کوئی قتل ہوا اور کسی کو قتل کیا گیا، کچھ عزلت نشین ہوئے اور کچھ طاق نشین۔ کوئی ہوا برد ہوا اور کوئی برآشفتہ۔

اگر ہمارے کسی لکھاری، کالم نگار، مؤرخ یا دانشور کو، جس نے کسی حکومت یا ادارے سے مال نہ کھایا ہو اور فائدے نہ اٹھائے ہوں اور اسے مستقبل میں اس طرح کی درجہ بندی کی خفت اٹھانی پڑے تو یہ درجہ بندی و درجات اس کے سوا بھلا ہو بھی کیا سکتے ہیں۔ ہائے احساسِ زیاں سے دست برداری اور فردا سے بے رُخی کہ ہم اپنی نسلوں کے مؤرخ کے لکھنے کو کیا قبیح میراث اور سیاہ کارنامے چھوڑے جاتے ہیں۔

آئینی و سیاسی طور پر نقصان پہنچانے والے حکمران

۱۔ ملک غلام محمد

۲۔ غلام اسحاق خان

۳۔ جنرل محمد ضیاء الحق

۴۔ جنرل محمد ایوب خان

ہزیمت، سرحدیں توڑ، جغرافیہ بدل اور مملکت کو بے آبرو کرنے والے حکمران

۱۔ جنرل آغا محمد یحییٰ خان

۲۔ جنرل محمد ایوب خان

۳۔ محمد نواز شریف

۴۔ بے نظیر بھٹو

لوٹ مار، اقرباء پروری، خورد برد، بندر بانٹ، پلاٹ، اراضی، عمرے اور ریاستی وسائل کو نقصان پہنچانے میں سرِ فہرست حکمران۔

۱۔ محمد نواز شریف

Marfat.com

۲۔ جنرل محمد ضیاء الحق

۳۔ بے نظیر بھٹو

۴۔ محمد ایوب خان

مملکت کے وقار پر بٹہ اور سالمیت پر دھبہ لگانے والے حکمران۔

۱۔ بے نظیر بھٹو

۲۔ محمد نواز شریف

۳۔ جنرل محمد ضیاء الحق

۴۔ سکندر مرزا

نظریاتی اساس اور یک جہتی پاکستان پر شگاف ڈالنے والے حکمران۔

۱۔ جنرل محمد ضیاء الحق

۲۔ ذوالفقار علی بھٹو

۳۔ بے نظیر بھٹو

۴۔ محمد نواز شریف

پاکستان کو غیر ملکی قرضوں کی صلیب پر لٹکانے میں یوں تو خیر سے سبھی حکمران شامل ہیں حتیٰ کہ تین ماہ کے لئے بننے والے نگران وزیر اعظم صاحب نے بھی اس ملک پر کچھ رحم نہ کیا۔ وطنِ عزیز کا معاشی دیوالیہ نکالنے والوں کی درجہ بندی درج ذیل ہے، اس درجہ بندی میں مختلف حکمرانوں کے غیر ملکی حاصل کردہ قرضوں کی تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ حکمران پاکستان، ہماری زمین اور عوام سے کتنے مخلص تھے۔

حکمرانوں کے غیر ملکی حاصل کردہ قرضے۔

1۔ محترمہ بے نظیر بھٹو	ایک کھرب 33 ارب روپے
2۔ جنرل ضیاء الحق	ایک کھرب 24 ارب روپے
3۔ محمد خان جونیجو	76 ارب 7 کروڑ روپے

Marfat.com

4۔ محمد نواز شریف	71 ارب 62 کروڑ روپے
5۔ جنرل محمد ایوب خان	53 ارب 78 کروڑ روپے
6۔ ذوالفقار علی بھٹو	50 ارب 58 کروڑ روپے
7۔ ملک معراج خالد	20 ارب 30 کروڑ روپے
8۔ جنرل آغا محمد یحییٰ خان	17 ارب 55 کروڑ روپے

(یہ اعدادو شمار فروری 1998 تک کے ہیں۔ بحوالہ: غیر ملکی قرضے، رپورٹ وزارتِ خزانہ پاکستان: جنوری 1998۔ تفصیلات بیرونی قرضے، لاہور ہائی کورٹ: فروری 1998 اور رپورٹ وزارتِ داخلہ: نادہندگی قرضہ جات پاکستان 1947 تا 1998)

کھربوں روپے کے یہ بیرونی قرضے ہمارے حکمران صرف اپنی مرضی، صوابدید اور اپنی ہی اجازت سے لیتے رہے ہیں حالانکہ قانوناً اسمبلی کی منظوری اور پارلیمنٹ کی اجازت بھی ہونی چاہیے تھی جبکہ ہوا یہ کہ جہاں سے بھی داؤ لگ گیا، جدھر سے بھی امید نظر آئی اور اشارہ ملا، محمد شعیب، ڈاکٹر محبوب الحق، احسان الحق پراچہ، غلام اسحاق خان، سرتاج عزیز، وی اے جعفری، مخدوم شہاب الدین، اسحاق ڈار اور شوکت عزیز فوراً حرکت میں آ گئے۔ پاکستان کے بیرونی قرضوں کے حصول میں قانون شکن حکمرانوں کے ساتھ ساتھ ان حاضر جنابوں کی کاسہ لیسیاں اور لیپا پوتیاں بھی شامل ہیں۔ جس قرضہ کو کسی بھی آئینی، قانونی اور عوامی اجازت کے بغیر حاصل کیا گیا، نہ جانے اس قرضہ کو ان حکمرانوں کا ذاتی قرضہ قرار دینے میں کیا امر مانع رہا، ورنہ اصولاً چند افراد کی ضابطہ شکنی کی سزا پوری قوم کو نہیں ملنی چاہئے تھی، احتساب کے نام پر جو مذاق لگا رہتا ہے، اس میں کوئی نہ کوئی شق بھی شامل ہونی چاہیے تھی کہ جو قانون شکنی اور قانون شکنوں دونوں کا محاسبہ کر سکتی۔ اگر ضرورت اور صوابدید کی بجائے قانون شکنی احتساب کی اساس قرار دی جا سکتی تو پھر قانونی طور پر حاصل کردہ غیر ملکی قرضے حاصل کرنے والے حکمرانوں کے لیے احتساب کی یہ ایک

Marfat.com

سادہ سی شق بھی سکڈ میزائل کا کام دے سکتی تھی۔

بظاہر بڑا بیبا اور اخلاص آسمان نظر آنے والے ملک معراج خالد صاحب کو حکمرانی تو صرف نوے روز کی ملی مگر وہ اس مختصر سے عرصہ میں بھی اپنا فرض بطور قرض پورا کر گئے۔ انہوں نے صرف نوے روز میں مملکتِ پاکستان کو مزید بیس ارب سے زیادہ کا مقروض کر دیا، خدانخواستہ اگر وہ دو چار سال رہ جاتے تو جانے ہمارا کیا حال ہوتا۔ مملکتِ پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے والے حکمران:

1۔ جنرل آغا محمد یحییٰ خان

2۔ جنرل محمد ضیاء الحق

3۔ جنرل محمد ایوب خان

4۔ غلام اسحاق خان

عذابِ الٰہی کی جو صورتیں مروّج ہیں ان میں بدقماش اور بے شرم حکمرانوں کا مسلط ہونا بھی شامل ہے۔ زرخیز زمین، جری، جفاکش اور سادہ دل لوگ، کم پر مان جانے والے، مصیبت پر شاکر اور دکھ برداشتہ عوام، مگر ہمارے حکمران دیکھو تو یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ پاکستان، اس کی زمین اور لوگوں سے کوئی بدلہ لینے، کوئی قرض چکانے پر مامور ہوں، بے درد و برداشتہ خاطر، ہوس میں مبتلا اور بے حواس۔

جس روزِ سیاہ بھی کوئی نیا حکمران ملک اور عوام کی خدمت کا حلف اٹھاتا ہے اسے ایک مضبوط، یکجہت اور توانا پاکستان ملتا ہے۔ نسبتاً اس یومِ نجات کے کہ جب وہ رخصت ہوتا ہے، بوقت رخصتی، وہ ایک ایسا پاکستان چھوڑ جاتا ہے، جو کمزور، متحارب زیادہ مقروض اور غیر توانا ہوتا ہے۔ یہ ایک رسمِ بد اور اٹل حقیقت ہے۔ اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

جنرل محمد ایوب خان کو حکمرانی کے لیے جو پاکستان ملا تھا، وہ اس سے کہیں زیادہ مضبوط تھا۔ نسبتاً اس پاکستان کے کہ جسے وہ چھوڑے جا رہے تھے، آغا دو آتشہ کی تو بات ہی نہ کیجیے کہ انہوں نے تو یک لخت نصف بدن ہی کاٹ کر رکھ دیا،

Marfat.com

ذوالفقار علی بھٹو کو جو بچا کھچا پاکستان ملا، جب وہ رخصت ہوئے تو حاصل کردہ سے کہیں کمتر، کمزور و منتشر چھوڑ گئے ہیں۔ کمزور کمتر اور منتشر جب جنرل ضیاء الحق کے ہتھے چڑھا تو انہوں نے اس کا بیج ہی مار دیا اور بیخ کنی کر دی، وہ اسے مزید کمزور، بدحال اور ہراساں کر دینے کے مرتکب ہوئے۔ اسی رسمِ بد کو بے نظیر بھٹو نے بھی جاری رکھا اور محمد نواز شریف نے بھی، حکمران خواہ جیسے بھی طومار باندھیں اور طوفان اٹھائیں، ان کی کارکردگی کا سادہ اور مختصر پیمانہ ان کو عطا کردہ پاکستان اور پھر ان کے جبڑوں سے چھڑائے ہوئے پاکستان کی حالت زار کے موازنہ سے وابستہ ہے۔

ہمارے حکمرانوں کو اپنی درجہ بندی پر برانگیخت ہونے کی بجائے عوام کا شکر گزار ہونا چاہیے، چونکہ کئی ملکوں میں ایسا بھی دیکھنے میں آیا کہ عوام نے موقع ملتے ہی مفاد پرست، بدطینت، بے درد اور ہوس زدہ حکمرانوں اور حکام کو گریبان سے پکڑ لیا اور گردن دبوچ لی، پائی پائی کا حساب لیا اور قطرہ قطرہ قرض چکا دیا، اکثر حساب دینے میں ہی کام آ گئے اور بیشتر قطرہ قطرہ قرض کی ادائیگی میں کھیت رہے۔ روس، فرانس ایران، اطالوی اور رومانیہ میں تو عوام نے اپنے ہر دلعزیز حکمرانوں اور سدا بہار حکام سے نہ ان کی آخری خواہش پوچھی، نہ آخری کھانے کی فرمائش، نہ انہیں اپنے درجات دیکھنے کی مہلت دی، نہ درگند۔

سورۃ الشعراء سے شاعروں نے تو جس قدر بھی عبرت پکڑی ہو، مگر لگتا ہے کہ ہم نے اور ہمارے حکمرانوں نے سورۃ شعرا پر دھیان نہیں دیا حالانکہ اللہ تعالی نے اپنے وعدہ اور صفت کے مطابق کھول کھول کر بیان بھی کر دیا اور ہماری آسانی کے لئے مجرموں کی نشان دہی بھی کر دی، ارشادِ ربانی ہے: وما اضلنا الا المجرمون. فما لنا من شافعين. ولا صديق حميم۔ ترجمہ: اور ہم کو تو بس ان بڑے مجرموں نے جو کہ بانی ضلالت تھے، گمراہ کیا، سو اب نہ کوئی ہمارا سفارشی ہے کہ چھڑا لے اور نہ کوئی مخلص دوست کہ خالی دلسوزی ہی کرے۔ (سورۃ الشعراء)

بہ مطابق کلامِ برحق ہمیں اس زمین میں نصف صدی سے ہمارے حکمران ہی

Marfat.com

ہمیں گمراہ کرتے رہے ہیں اور اس گمراہی کے نتیجہ میں ہم حیران، دلسوز، بنا سبیل و بے سہارا اور تنہا کھڑے ہیں، نہ کوئی دوست نظر آتا ہے، نہ ہی کہیں سے آوازِ دوست آتی ہے، سناٹی اور بے حسی کی ہو میں کبھی ہم ان حکمرانوں کو دیکھتے ہیں اور کبھی سورۃ الشعراء کے اعجاز، نشانی اور صداقتوں کو۔

بلف، بد نیتی اور بے شرمی

امریکی حکومت کے لیبر سیکرٹری جناب لیکس ہرمن نے کہا ہے کہ اکیسویں صدی کے آغاز میں یہ بات بہت حوصلہ افزاء ہے کہ اس وقت امریکہ میں بے روزگاری کی شرح تین فیصد رہ گئی ہے اور امریکی تاریخ میں پہلی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ بے روزگاری کی شرح اسقدر کم ہوگی ہے کہ تاجروں کو کام کرنے والوں کی فکر لاحق ہوگئی ہے اور لگتا بھی ایسا ہی ہے کہ ہر طرف ملازمتوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور کام کرنے والوں کو ڈھونڈا جا رہا ہے۔ جگہ جگہ خالی آسامیوں کے اشتہار لٹک رہے ہیں اور وسیع پیمانے پر غیر ملکی کارکنوں کو لانے کے منصوبے باندھے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ ابھی حال ہی میں شکاگو بورڈ آف ایجوکیشن نے اعلان کیا ہے کہ وہ اگلے دو سال میں انڈیا سے 5 ہزار اساتذہ کو یہاں لانے کا معاہدہ کر رہے ہیں تاکہ شکاگو کے سکولوں میں بڑھتی ہوئی اساتذہ کی قلت پر قابو پایا جا سکے۔

تین سے چار فیصد بے روزگاری کی شرح کو علمِ اقتصاد میں سو فیصد شرح روزگار مانا جاتا ہے اور اسے آئیڈیل اکانومی قرار دیا جاتا ہے گو کہ اس کی تشریح مختلف ماہرین نے مختلف طرح سے کی ہے لیکن دو تین فیصد بے روزگاروں کی موجودگی سب کو گوارا اور کچھ کے نزدیک احسن ہے۔

المنک 2000 کی اقتصادی رپورٹ کے مطابق دنیا کے کچھ دوسرے ملکوں میں بے روزگاری کی شرح درج ذیل ہے۔ اگر اس شرح بے روزگاری کے تناظر میں کم سے کم شرح بے روزگاری والے ملکوں کی درجہ بندی کریں تو درج ذیل معاشی تصویر سامنے آتی ہے۔

Marfat.com

	ملک	شرح بے روزگاری
1	امریکہ	3 فیصد
2	سنگاپور	3.4 فیصد
3	جاپان	3.5 فیصد
4	برونائی	5 فیصد
5	پاکستان	5.5 فیصد
6	برطانیہ	7 فیصد
7	سویڈن	8 فیصد
8	کینیڈا	9 فیصد
9	آسٹریلیا	9 فیصد
10	جرمنی	11 فیصد
11	فرانس	12 فیصد
12	روس	13 فیصد

المنک 2000 کی اس اقتصادی سروے رپورٹ اور اس درجہ بندی سے خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ وطنِ عزیز دنیا بھر کی ان پانچ اوّلین معیشتوں میں شامل ہے، جہاں شرح بے روزگاری چھ فیصد سے بھی کم ہے۔ بے روزگاری کی اس شرح کو معاشیات میں اگرچہ آئیڈیل تو نہیں مگر قابل قبول تسلیم کیا جاسکتا ہے کیونکہ کسی بھی آئیڈیل اکانومی میں 3 سے 4 فیصد تک شرح بے روزگاری تسلیم شدہ اور احسن بات ہے یعنی پاکستان آئیڈیل شرح روزگار کے حصول سے محض دو فیصد دور ہے گو کہ اس خوشگوار حیرت کو دلفگار آزردگی میں بدلتے دیر نہیں لگتی ہے کیونکہ جن ملکوں میں شرح بے روزگاری پاکستان سے دوگنا اور چار گنا زیادہ ہے، وہاں اوسطاً فی کس سالانہ آمدنی پاکستان کی اوسطاً فی کس سالانہ آمدنی سے پچاس پچاس گنا سے بھی زیادہ ہے۔ کم سے کم شرح بے روزگاری کے حامل ان ملکوں میں سالانہ فی کس

Marfat.com

آمدنی کے اس گوشوارے پر نظر ڈالیں تو صورتِ حال ہی بدل جاتی ہے۔

	ملک	سالانہ فی کس آمدنی
1	امریکہ	32,000ڈالر
2	سنگاپور	31,800ڈالر
3	جاپان	36,00ڈالر
4	برونائی	25,160ڈالر
5	پاکستان	500ڈالر
6	برطانیہ	20,870ڈالر
7	سویڈن	26,210ڈالر
8	کینیڈا	21,200ڈالر
9	آسٹریلیا	20,800ڈالر
10	جرمنی	26,300ڈالر
11	فرانس	25,600ڈالر
12	روس	2,480ڈالر

جہالت ،بلف، دروغ گوئی اور بے شرمی کی بات دوسری ہے لیکن معاشیات کے مروج نقطہ نظر اور حسابی فارمولے کے سامنے پاکستانی حکومتوں کے جاری کردہ اعدادوشمار دم توڑ جاتے ہیں۔ خود فریبی کا یہ عالم ہے کہ ہم ان حقائق کو بھی تسلیم کرنے سے عاری ہیں، جن کا نہ ماننا مزید مسائل پیدا کر رہا ہے۔ جب تک مسائل کا حقیقت پسندانہ ادراک ہی نہیں ہوگا، وہ حل کیسے کیے جاسکتے ہیں۔ ایسے فرضی اعدادوشمار کا فائدہ ہی کیا۔ یوں تو ملک میں بے روزگاری صرف ساڑھے پانچ فیصد ہو مگر چپڑاس کاٹنے اور پٹوار رندھنے کی ایک آسامی کے لئے تین ہزار درخواستیں آجائیں۔

کم ازکم کاغذی سطح پر تو پاکستان کے سرکاری اعدادوشمار کے مطابق ہم خاصی

Marfat.com

مضبوط معیشیت کے حامل ہو چکے ہیں لیکن حقائق اور نظر آنے والی سنگین صورتِ حال کسی اور ہی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ان اعداد و شمار کے مطابق تو ہماری سالانہ شرح افزائش آبادی بھی 108 فیصد کی سطح پر آ گئی ہے اور شرح خواندگی 42 فیصد ہوچکی ہے۔ بے روزگاری صرف ساڑھے 5 فیصد اور افراطِ زر 6 فیصد رہ گیا ہے حالانکہ پانچ پانچ افراد تو گھر گھر بے روزگار بیٹھے ہیں۔

علمِ اقتصاد اب دروغ گو حکومتی ماہرین اور پیشہ ورو پراسرار نا اہل مشیروں کے ہاتھ سے نکل کر عام آدمی کے ہاتھ میں آ گیا ہے اور اچھی بات یہ ہے کہ حکومتوں کے مہیا کردہ اعداد و شمار پر انحصار کرنے کی بجائے معیشت کی مضبوطی کا اندازہ لگانے کے لئے ہزار پیمانے رائج ہو چکے ہیں مثلاً جس معیشت میں شرح بے روزگاری جس قدر کم ہوگی، وہاں سالانہ فی کس آمدن اسی قدر زیادہ ہوگی۔ جانے اس بات میں ہلف، بدنیتی اور بے شرمی زیادہ ہے یا ہمارے بُرے دن اور بدنصیبی کہ ہم شرح بے روزگاری کے حساب سے تو اوّلین دس معیشتوں میں شامل ہیں لیکن فی کس سالانہ آمدن کے حساب سے گہرے پاتال میں پھڑپھڑاتی ہوئی دس بدترین معیشیتوں میں ہمارا شمار ہو رہا ہے۔

معاشیات، منطق اور حاجتی فارمولے سے اگر ہم اپنی شرح بے روزگاری اور فی کس سالانہ آمدنی کے باہمی ناطہ کا تجزیہ کریں تو ہماری شرح بے روزگاری اکیس فیصد سے ہرگز کم نہیں ہے، جسے ہم کسی بھی طرح ساڑھے 5 فیصد سے زیادہ ماننے پر تیار نہیں ہیں، سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر ہم کسے جھانسہ دے رہے ہیں؟

7 جنوری

اٹھالو پاندان اپنا

امریکہ سے قریب 300 میل دور جزائر غرب الہند میں چھوٹے سے ملک ہیٹی سے بالآخر امریکی افواج، پولیس اور انتظامیہ کے ارکان کا انخلاء عمل میں آ گیا

Marfat.com

ہے۔ امریکی حکومت کو دنیا بھر میں جمہوریت پھیلانے کا جوشوق لاحق ہے۔ ہیٹی میں امریکہ کا یہ تجربہ خاصی ہزیمت سے دوچار ہوکر اپنے اختتام کو پہنچا۔ اٹھالو پاندان اپنا کہتے ہوئے فریقین نے ایک دوسرے سے نجات حاصل کرلی ہے۔

قریب 6 سال سے جاری کروڑوں ڈالر کی امداد کے ساتھ امریکی افواج اور انتظامی ماہرین ہیٹی میں جمہوری اداروں کو مضبوط بنانے اور جمہوریت کے فروغ میں مبتلا رہے مگر یہ بیل کسی طور بھی منڈھے نہ چڑھ سکی۔ خصوصاً ہیٹی پولیس کو تربیت دینے کے لئے جو سینکڑوں امریکی پولیس افسران بھیجے گئے تھے کہ ہیٹی پولیس کو رشوت، سمگلنگ اور غیر قانونی کاموں سے ہٹا کر عوام کا محافظ اور خدمتگار بنائیں گے لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ یہ امریکی پولیس افسران بذاتِ خود رشوت کے کاروبار میں ملوث اور تربیت یافتہ ہوچکے ہیں۔ امریکہ واپسی پر ان افسران کو جہاں بھی تعینات کیا گیا، وہیں پولیس کی رشوت ستانی کے واقعات رونما ہونے لگے۔ گو کہ ایک انکوائری کمیٹی بنادی گئی ہے اور ان افسران کو فارغ کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے مگر اب ایک اور کمیٹی تشکیل دی جارہی ہے، جو صرف ان اثرات کا جائزہ لے گی، جو ان افسران کے ہاتھوں امریکی پولیس پر مرتب ہوئے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان افسران نے، جن دوسرے پولیس والوں کو رشوت پر لگا دیا ہے، انہیں شناخت کرنے اور رشوت سے ہٹانے کے لئے اب کیا کیا جائے۔

اس سے پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب بھی امریکی افواج، پولیس، ایف بی آئی کے اہلکار، ماہرین اور حکام دوسرے ملکوں میں تربیت دینے لگے ہیں تو واپسی پر مزید تربیت یافتہ لوٹے ہیں۔ دوسرے ملکوں میں امریکی مداخلت کے خلاف سب سے موثر دباؤ امریکی عوام کا ہی ہوسکتا ہے، جو اس طرح کے چھوٹے چھوٹے واقعات سے جنم لے رہا ہے۔

11 جنوری

Marfat.com

گینز ملینیم ایڈیشن

گینز ورلڈ ریکارڈ کا خصوصی میلینم ایڈیشن شائع ہوگیا ہے۔ پاکستانی شخصیات کے حوالے سے بھی کچھ دلچسپ ریکارڈز اس خصوصی اشاعت میں دیئے گئے ہیں

مولانا عبدالستار ایدھی کی تصویر پورے صفحے پر شائع کی گئی ہے، جس میں وہ ایک بچی کی لاش ہاتھوں میں لئے کھڑے ہیں۔ ریکارڈ کے طور پر درج ہے کہ وہ دنیا میں سب سے بڑی رضا کارانہ ایمبولینس سروس چلا رہے ہیں، جس میں 500 ریلیف سنٹر اور 24 ہسپتال شامل ہیں۔ ایدھی ٹرسٹ کو ملنے والے عطیات کی مالیت 5 ملین ڈالر سالانہ ہے، جس میں خیر سے حکومتِ پاکستان کی ایک پائی بھی شامل نہیں ہے۔

دنیا بھر میں سب سے زیادہ ذاتی اکثریت حاصل کرنے کے حوالے سے محترمہ بے نظیر بھٹو کا بھی ایک ورلڈ ریکارڈ درج کیا گیا ہے کہ انہوں نے 1990 کے انتخابات میں اپنے حلقے سے کل ووٹوں کے 48 فیصد ووٹ حاصل کیے، انہیں ملنے والے 94 ہزار چار سو باسٹھ ووٹوں کے مقابلے میں مخالف امیدوار کو صرف سات سو اٹھارہ ووٹ مل سکے۔ اس ریکارڈ کے مطابق انتخابی دنیا میں اسقدر بھاری اکثریت کسی اور کو کبھی نہ مل سکی لیکن ہمیں یہ ریکارڈ مہمل لگتا ہے کیونکہ اسی حلقے سے جب محترمہ کے والد محترم نے انتخاب لڑا تو شیرِ پاکستان جناب خالد احمد خان منتظمِ اعلیٰ لاڑکانہ کی زیرِ نگرانی بھٹو صاحب کے مخالف امیدوار مولانا جان محمد عباسی کو کاغذاتِ نامزدگی جمع کرانے سے پہلے ہی اغوا کرلیا گیا تو اس صورت میں بھٹو صاحب اس حلقے سے سو فیصد ووٹ حاصل کرکے محترمہ بے نظیر بھٹو سے بھی بھاری اکثریت کا ریکارڈ تو پہلے ہی قائم کر چکے ہیں۔

حقیقتاً جو ریکارڈ محترمہ بے نظیر بھٹو قائم کر چکی ہیں، وہ ابھی تک گینز والوں تک پہنچا ہی نہیں ہے کہ پچھلے دس برسوں میں ایک سو سے زیادہ خورد برد، بددیانتی

Marfat.com

اور یہ بھی لے، وہ بھی لے لے، کے سنگین اور سنجیدہ الزام ان پر لگ چکے ہیں۔ مقدمات بھی قائم ہوئے ،تو تو، میں میں، بھی ہوئی لیکن انہیں سزا کسی ایک میں بھی نہ دی جا سکی۔ ہر دونوں صورتوں میں وہ اس ورلڈ ریکارڈ کی حقدار ہیں کہ کسی اور پر اس قدر جھوٹے الزامات عائد نہیں ہوئے یا گردن بچانے اور صاف بچ جانے میں انہیں اسقدر مہارت ہے کہ سو الزامات بھی محترمہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

دنیا کی سب سے بڑی مسجد کا ریکارڈ شاہ فیصل مسجدِ اسلام کے حوالے سے دیا گیا ہے کہ ایک لاکھ افراد مسجد کے اندر اور مزید دو لاکھ افراد مسجد سے ملحقہ باہر کے میدان میں نماز ادا کر سکتے ہیں یعنی مزارِ عالی مقام جنرل ضیاء الحق سے مارگلہ کے دامن تک صف بندی ہو سکتی ہے۔ ہماری لاعلمی اور قیافے اپنی جگہ مگر عوام کو بے خبر اور خوش فہم رکھنے کا بھی خاصا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ شاہ فیصل مسجد میں نمازیوں کی اصل گنجائش جاننے پر تعجب ہوا کہ جمعہ کے جمعہ لاکھوں اور جمعتہ الوداع پر کئی لاکھ فرزندانِ توحید جو بادشاہی مسجد لاہور میں نماز ادا کرتے رہے ہیں۔ ان کا کیا بنے گا کہ اس قدر تو وہاں تھے ہی نہیں۔ صحافی حضرات ان نمازوں کا حساب کیسے دیں گے کہ جن کی ادائیگی کا مقدمہ تو درج ہے مگر اندراج نہیں ہے۔ آخر اس قدر فرزندانِ توحید کہاں سے پورے کئے جائیں گے کہ جتنوں کا دعویٰ کیا جاتا رہا ہے۔ واضح رہے کہ شاہی مسجد لاہور کا رقبہ فیصل مسجد اسلام آباد کا نصف بھی نہیں ہے۔

یوں تو گینز ورلڈ ریکارڈ کی کتاب ہے مگر اس کتاب کے کچھ اپنے ریکارڈ بھی ہیں۔ مثلاً یہ کتاب دنیا میں سب سے زیادہ بکنے والی کتاب ہے اور 33 مختلف زبانوں میں کئی ملکوں سے شائع ہوتی ہے۔ سن 1955 میں پہلی بار شائع ہونے کے کچھ ہی ہفتوں بعد اس کتاب کو جو مقبولیت حاصل ہوئی، آج تک قائم ہے۔ سن 1984 میں کتاب کی فروخت 50 ملین ڈالر سالانہ تک جا پہنچی اور سن 1994 میں 75 ملین ڈالر تک اور اب سالانہ فروخت قریب 100 ملین ڈالر تک ہو چکی ہے۔

12 جنوری

Marfat.com

افلاس اور جہالت کا کلہ

شکاگو بورڈ آف ایجوکیشن کے کلچرل ڈیپارٹمنٹ نے ایک دلچسپ تحقیق شائع کی ہے کہ اگر موجودہ دنیا صرف سو افراد کا ایک شہر ہو تو اس شہر میں 58 ایشین، 12 افریقی، 10 یورپی، 9 لاطینی امریکی، 5 شمالی امریکی، 5 روسی مع نو آزاد ریاستوں کے اور ایک آسٹریلین شامل ہوگا۔

یہ اعداد و شمار دنیا بھر کی موجودہ شرح آبادی، وسائل کی تقسیم اور معاشی تناسب سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس شہر میں ایک تہائی آبادی یعنی سو میں سے 33 بچے ہیں اور 6 افراد ایسے ہیں، جن کی عمر 65 سال سے زیادہ ہے۔ ایک تہائی بچوں میں آدھے ایسے ہیں، جو پولیو اور دوسری بیماریوں کی مدافعت کے حفاظتی اقدامات سے محروم ہیں۔

سو نفوس کے اس شماریاتی اور حقیقی شہر میں 20 افراد کل آمدنی کے 75 فیصد پر قابض ہیں جبکہ 20 دوسرے افراد کو کل آمدنی کا صرف 2 فیصد میسّر ہے۔ اس شہر میں دو تہائی افراد کو پینے کے لئے صاف پانی میسّر نہیں ہے اور ایک تہائی متوازن غذائی کمی کا شکار ہیں۔ اس شہر کے 67 بالغ افراد میں سے آدھے ناخواندہ ہیں اور ان ناخواندہ افراد میں جاہل عورتوں کا تناسب مردوں سے دوگنا ہے۔ خواندہ افراد میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ایک فیصد سے بھی کم ہیں اور ان خواندہ افراد میں ایشیائی خال خال اور اعلیٰ تعلیم یافتہ میں ایشیائی اور افریقی سرے سے مفقود ہیں۔

جہالت اور افلاس کے اندھیرے کا رخ ایشیا اور افریقہ کی طرف اور اس کا کلہ جنوب مشرقی ایشیا اور جنوب مغربی امریکہ میں گڑا ہوا ہے۔

وسائل اور دستیابی وسائل کے اس مختصر ترین پیمانے کو اس کرۂ ارض پر منطبق کر دیں تو یہ سو فیصد ہمارے زمینی کرۂ ارض پر کلک کر کے فٹ بیٹھ جائے گا۔ اسے شماریاتی فریب گری کہیے۔ چاہے ہندسوں کا کھیل تماشہ لیکن سچ یہ ہے کہ سچ یہی

Marfat.com

ہے۔ اردو محاورے کی مار اپنی جگہ مگر ان اعداد و شمار سے نظریں پھیر لینے کی خاطر ذرا سی دیر کو یہ کہ لینے میں بھی کیا مضائقہ ہے کہ سچ کے بھی پاؤں نہیں ہوتے......!

15 جنوری

جذبۂ خدمت و لوٹ مار

سیاستدان اور منتخب نمائندہ خواہ امریکی ہی کیوں نہ ہو، خود فریبی، خوش فہمی اور بے شرمی میں اپنے کل کا جزو اور کسی بھی دوسرے ملک کے سیاستدانوں اور نمائندوں سے پیچھے اور مختلف ہرگز نہیں ہے۔ مشہور سینیٹر ڈان روسٹن کاؤسکی، جو ابھی حال ہی میں بدعنوانی، میل فراڈ، چوری، چکاری اور خورد برد کے جرائم میں ڈیڑھ سال کی سزا کاٹ کر رہا ہوئے ہیں، انہوں نے ایک اخباری بیان جاری کیا ہے کہ وہ اب بھی عوام کی خدمت کرنے کو تیار ہیں اور وہ اب عوام کو ہرگز مایوس نہیں کریں گے حالانکہ ان کے حلقے اور نشست سے ان کی جگہ ڈک ڈربن سینیٹر منتخب ہو کر عوام کی خدمت شروع کر بھی چکے ہیں لیکن یا تو روشن کاؤسکی کا جذبۂ خدمت ابھی تک جوان ہے یا ان کا زخم ابھی تک ہرا ہے، جو انہیں عوام کی خدمت کے دوران لگا ہے۔ ورنہ جس قدر سبکی، ہزیمت اور ذلت سے وہ گزرے ہیں، سیاستدان نہ ہوتے تو شرم سے بھی مر سکتے تھے۔

ڈان روسٹن کاؤسکی قریب 21 سال تک امریکی سینٹ میں ریاست اس نائے کے نمائندہ رہے۔ سینٹ میں انہیں انتہائی بااثر، کھڑپنچ، بادشاہ گر، کانگریشنل بیرن اور پاور بروکر مانا جاتا تھا۔ ان کے اثر و رسوخ اور داؤ پیچ کا نقطہ عروج 1992 کے صدارتی انتخابات کے موقع پر سامنے آیا، جب ان کا نام صدارت کے ممکنہ امیدوار کے طور پر لیا جانے لگا۔ روسٹن کاؤسکی سینٹ کی مختلف کمیٹیز کے ممبر اور بعد میں سینٹ کی اہم ترین کمیٹی جو ٹیکس کے قاعدے قوانین میں اصلاحات کرتی رہتی ہے، کے چیرمین بھی رہے۔ سینٹر صاحب پر مختلف بدعنوانیوں کے سترہ الزامات میں

Marfat.com

مقدمے قائم کیئے گئے، چار میں تو وہ بری ہو گئے لیکن باقی تیرہ میں وہ دھر لئے گئے۔ حالانکہ شروع میں روسٹن کاؤسکی کو یہ آفر دی گئی تھی کہ وہ بدعنوانی کے صرف 2 الزامات تسلیم کرلیں، جس میں انہیں قریب 3 ماہ کی سزا دے جا سکے گی مگر وہ اپنی ڈھٹائی پر قائم اور اپنی بے گناہی پر اصرار کرتے رہے۔ بالآخر انہیں تمام کے تمام تیرہ الزامات بھی ماننے پڑے اور سزا، سبکی اور سرخ روئی اس سے بھی سوا ہوئی۔

روسٹن کاؤسکی کے ساتھ ساتھ ہی ایک اور مشہور سینیٹر باب پیک وڈ جو سینٹ میں قریب ربع صدی سے براجمان تھے، خواتین سے چھیڑ خانی اور بے تکلفی کے جرم میں ہزیمت اٹھا کر سبکدوش کیے جا چکے ہیں۔ باب پیک وڈ بھی قریب دو سال اپنی بے گناہی پر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ ان کی بدچلنی کو کھول کھول کر بیان اور ثابت کر دیا گیا۔ بدچلنی، انکار، ڈھٹائی اور اقرار کے عین اس مرحلے سے حال ہی میں صدر کلنٹن بھی دوچار ہو چکے ہیں۔

یوں لگتا ہے کہ سیاستدانوں کا خمیر بے شرمی، ڈھٹائی بدچلنی اور چور نالے چتر کی جس مٹی سے اٹھایا جاتا ہے، وہ ملکوں ملکوں ایک جیسی ہی ہے، کیا امریکہ اور کیا پاکستان، کیا انڈیا اور کیا جاپان۔

16 جنوری

عبدالغفور ہوتی۔ ایوب خان دی کھوتی

تیسری دنیا اور ترقی پذیر ممالک کو مالیاتی قرضہ، امداد اور مشاورت مہیا کرنے والے عالمی اداروں کا اجلاس واشنگٹن ڈی سی میں ہو رہا ہے، اس اجلاس میں شرح سود کی نئی شرح، گمراہ کن اعداد و شمار، نت نئی ترغیبات اور غریب اقوام کو مستقبل قریب میں رنگا رنگ معاشی کامیابیوں کے فریب میں مبتلا رکھنے کے برعکس یہ نقطہ زیر بحث ہے کہ پچھلے دو عشروں میں تیسری دنیا کے ممالک میں قرضہ کی صورت میں ایک ہزار بلین ڈالر سے زیادہ کی جو سرمایہ کاری کی گئی ہے، اس کا کیا بنے گا؟ اس

Marfat.com

خطیر سرمایہ کاری کے فوائد کہاں ہیں؟ ان مذکورہ ممالک کو جس معاشی استحکام کی نوید سنائی اور امید باندھی گئی تھی، یہ امید نقش بر آب سے آگے کیوں نہ بڑھ سکی، قرضوں کی مد میں دی گئی رقوم، جن کی وصولی دن بدن کھٹائی میں پڑتی جارہی ہے، ان وصولیوں کو یقینی بنانے کے لئے مزید قرضہ دیا جائے یا معاشی شہ رگ کو یک لخت کاٹ دیا جائے۔

مقروض کی جانے والی معیشتوں اور ملکوں میں جس معاشی پھیلاؤ اور استحکام کا بحر زخار، رواں ہونے کی نوید سنائی گئی تھی، وہاں سوتا کیسے پڑ گیا، آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ وہی پراجیکٹ، جو ترقی یافتہ ممالک میں نرے نفع کا سودا ہے، ترقی پذیر خطوں میں پہنچتے ہی سراسر خسارہ میں بدل جاتا ہے۔ مختلف ملکوں میں اس ناکامی کی وجوہات مختلف ہوسکتی ہیں لیکن وطنِ عزیز میں یہ وجوہات بہت ہی مختلف ہیں۔

ان بہت ہی مختلف وجوہات میں ایک کا تعلق حکمرانوں، حکام اور نمائندوں سے ہے اور دوسری کا تعلق ماہرین، مشیروں اور منصوبہ سازوں سے ہے، ان دونوں کے درمیان اشتراکِ عمل اور ایک دوسرے پر صدقے واری کی کیفیت اور جانثاری کی بھگدڑ میں پاکستانی معیشت کو ایسا ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے کہ پچاس ارب ڈالر کے بیرونی قرضوں کی بازیافت بارہ ارب ڈالر کے اثاثوں سے زیادہ نہیں ہے۔

1960 سے 1980 کے درمیانی عرصہ کو پاکستان میں صنعتی پھیلاؤ اور معاشی وسعت کا عرصہ قرار دیا جاسکتا ہے لیکن ہماری معیشت کی بیخ کنی کا بیج بھی انہی دو عشروں میں بویا گیا۔ ان بیس برسوں میں جبکہ پاکستان میں صنعتی انفراسٹرکچر کی بنیاد رکھی گئی اور معاشی منصوبہ بندی، پراجیکٹس اور صنعتوں میں سرمایہ کاری شروع ہوئی تو اس وقت (1960 سے 1980) میں معاشی اور اقتصادی پھیلاؤ کے عالمی منظرنامہ پر صنعتی ترقی کے حوالہ سے تین اہم اور بنیادی نکات انتہائی محتاط تحقیق کے نتیجہ میں سامنے آچکے تھے۔

1۔ آنے والے دور میں معاشی استحکام اور صنعتی پھیلاؤ کے لئے چھوٹی

Marfat.com

انڈسٹریز اور چھوٹے پراجیکٹس ہی سودمند ثابت ہوں گے۔

2۔ درمیانی اور چھوٹی سائز کی انڈسٹریز اور پراجیکٹس نہ صرف زیادہ روزگار کی فراہمی کی ضمانت ہیں بلکہ کارکردگی، افادیت، پیداوار اور نتائج میں بھی بہتر ثابت ہوں گے۔

3۔ معاشی وصنعتی پراجیکٹس کی کامیابی کا پیمانہ حجم، سائز اور پھیلاؤ کی بجائے افادیت، کارکردگی، معیار اور نتائج سے منسلک ہو چکا تھا۔

ان دوعشروں میں ہمارے ہاں، جب سرمایہ کاری نے زور پکڑا تو ہمیں جعلی تعلیمی ماہرین کی طرح جعلی معاشی ماہرین بھی میسر آ گئے، ہمارے معاشی ماہرین اور منصوبہ ساز اس عالمی معاشی تحقیق اور علمِ اقتصاد کے اس نئے رجحان کو سمجھنے سے قاصر رہے، جو ان دوعشروں میں عالمی افق پر جلی حروف میں لکھا جا چکا تھا۔ جن ملکوں میں منصوبہ سازوں نے اس نئے معاشی فارمولا پر نظر رکھی اور چھوٹے سائز کی مختلف صنعتوں اور چھوٹے پراجیکٹس میں سرمایہ کاری کی، وہاں نتائج بھی بہترین مرتب ہوئے، جیسا کہ ملائشیا اور کوریا میں ہوا، اس کے برعکس، جن ممالک میں اس فارمولا کو نظر انداز کیا گیا، وہاں اس کے برعکس نتائج برآمد ہوئے۔ مثلاً پاکستان، برازیل، ارجنٹائن اور مصر۔

ایک طرف تو ہمارے معاشی منصوبہ ساز جدید علمی، تحقیقی اور عالمی معاشی رجحانات سے بے بہرہ تھے اور دوسری طرف حکمران بھی ہلکے، سطحی اور حرفوں کے بنے نکلے۔ ہمارے حکمرانوں اور حکام نے رائے عامہ کی تسخیر اور اپنی کارکردگی کی رائی کو پہاڑ ثابت کرنے کے لئے عوامی نفسیات کے اس رویہ کو خوب ابھارا، جو ہماری انفرادیت، بڑائی اور کامیابی کے لئے تسکین بخش اور مفرح ثابت ہو سکتا تھا، سرمایہ کاری کے ان عشروں میں ہماری معیشت اور پراجیکٹس کو کارکردگی، معیار، یافت اور نتائج کی بجائے حجم، سائز اور پھیلاؤ سے وابستہ کر دیا گیا۔ افقی رخ ترقی کے مروجہ فارمولا کی بجائے عمودی وسعت کو ترجیح دی گئی۔ معیشیت کے اس عمودی

Marfat.com

پھیلاؤ اور سائز کے بڑے منصوبوں میں بلے بلے اور تالیاں مارنے کی تو خاصی گنجائش ہوتی ہے مگر اس سرمایہ کاری پر نخلِ نا آسودہ کے سوا کوئی دوسرا بار کم ہی آتا ہے۔

پاکستان میں صنعتی پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ ''بڑے سے بڑا،، کا کلچر بھی فروغ پایا، منصوبوں اور پراجیکٹس کو اعداد و شمار کے ہیر پھیر سے دنیا کا سب سے بڑا، ورنہ دروغ اور چرب زبانی کے زور پر ایشیاء کا سب سے بڑا قرار دیا جانا لازمی سمجھا جانے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منصوبوں کا افادیت اور نتائج سے بے نیاز ہو کر سائز اور حجم میں بڑے بنانے، کہنے اور ثابت کرنے پر زور دیا جانے لگا اور عوام دیکھتے ہی دیکھتے بے بنیاد احساسِ تفاخر کی سرشاری میں ڈولنے لگے۔ رڑے میدان والے سکول میں زمین پر بیٹھے طلباء، جو کتابوں سے زیادہ پیڑ، سورج اور سایہ کے گھٹتے بڑھتے تناسب کو دیکھتے رہتے تھے، انہیں جب مطالعہ پاکستان کا یہ مطالعہ کرایا جاتا کہ۔

دنیا کی سب سے بڑی چینی کی مل

دنیا کا سب سے بڑا کاغذ کا کارخانہ

دنیا کا سب سے بڑا ڈیم

دنیا کی سب سے بڑی سٹیل ملز

دنیا کا سب سے بڑا نہری آبپاشی کا نظام

ایشیاء کا سب سے بڑا فنی تعلیم کا ادارہ

دنیا کا سب سے بڑا پاگل خانہ

پاکستان میں واقع ہے تو طلباء کی کسمپرسی دیکھتے ہوئے ان بڑے بڑے کارخانوں کا ہونا، نہ ہونا ایک سا لگتا تھا۔ جن طلباء کے لئے بارش کا پہلا قطرہ چھٹی کی نوید لے کر آتا، غالباً انہیں ان بڑے بڑے کارخانوں سے زیادہ ایک چھت کی ضرورت تھی، یوں بھی، جہاں تعلیمی ادارے ایسے معیاری ہوں، وہاں بڑے بڑے کارخانوں، سرمایہ کاری، اثاثوں اور میراث کے زیاں پر حیرانی نہیں ہونی چاہیے۔

Marfat.com

ہم جب بھی ماسٹر ملک مہریار صاحب سے یہ پوچھتے کہ اگر چینی کا سب سے بڑا کارخانہ پاکستان ہی میں ہے تو ''عبدالغفور ہوتی ۔۔۔۔ ایوب خان دی کھوتی ،، کا کیا جواز ہے؟ سوال کا جواب دینے سے پہلے ہی ماسٹر صاحب موٹے ربر سول کی کھیڑی پاؤں سے اتار کر ہاتھ میں تھام لیتے ، یوں ہم ڈر، سہم کر دوسرے بڑے کارخانہ پر پہنچ جاتے۔ جس ملک میں چینی کا سب سے بڑا کارخانہ واقع تھا، وہاں چینی کی قلت کا یہ عالم ہوا کہ عوام صبح سے شام تک جلوس نکالتے اور وزیرِ تجارت و خوراک جناب عبدالغفور خان ہوتی کی مٹی پلید کرتے رہتے۔ عبدالغفور خان ہوتی کی مٹی پلید ہونے کی جو وجہ زبان زد عام تھی وہ یہ تھی کہ خانِ اعظم دنیا کے سب سے بڑے چینی کے کارخانے کی ملکیت کی وجہ سے چینی کے بادشاہ، وزیر تجارت کے حوالہ سے ہماری تجارت کے ناخدا اور وزیر خوراک ہونے کی حیثیت سے ہمارے اوپر نائب اللہ بنے بیٹھے تھے۔ قلت آشنا، قسمت گزیدا اور مصالحت گزیدہ عوام کی اصل شکایت چینی کی قلت اور گرانی سے زیادہ، دودھ کی راکھی پر بلی کا مامور ہونا تھا۔ چینی کا بادشاہ ہونے کی وجہ سے چینی کی ذخیرہ اندوزی، قیمتوں میں اتار چڑھاؤ اور قلت پیدا کردینے کی اہلیت، وزیر تجارت کی حیثیت سے چینی کی پردہ پوشی، ریشہ دوانی، اجارہ داری و سرگرانی اور وزیر خوراک کے ناطے سے چینی کی خرد برد، راشن ڈپوز کی ناکہ بندی اور ڈپو والوں کی چاند ماری پر خان صاحب کے اختیار نے عوام کو ان کے خلاف نعرہ زن اور بے قابو کردیا۔

چینی کی قلت کس قدر تھی، تھی بھی یا نہیں، حقیقی تھی کہ مصنوعی رفتہ رفتہ عوام چینی کی قلت کو تو بھول گئے مگر انہیں ''عبدالغفور ہوتی ۔۔۔۔ ایوب خان دی کھوتی،، خوب یاد رہا۔ یوں تو ہوتی اور بھی کئی اوصاف سے مشہور ہوئے، جیسے وزیرِ مواصلات اعظم خان ہوتی صاحب بریف کیس کے حوالہ سے یاد رہیں گے لیکن ان کی زیرِ زمین منکوحہ زیبا خان نے جس طرح ہوتی صاحب کا جلوس، راولپنڈی میں ایک احتجاجی جلوس کے دوران نکالا، اس سے وہ زندہ جاوید بھی ہوگئے۔ بریف کیس

Marfat.com

اور ہوتیوں کا پرانا ساتھ ہے، ایوب خان دی کھوتی کے اعزاز یافتہ اور سربلند خطابیے کا صاحبزادہ نیویارک کے ہوائی اڈہ پر منشیات کے بریف کیس سمیت دھر لیا گیا، یوں ایک اور چڑھتا ہوتی، چڑھنے سے پہلے ہی گہنایا گیا۔

دنیا کے سب سے بڑی چینی کے کارخانہ کے مملکتِ پاکستان میں ہونے کے بوجھ اور بدحالی سے جب ہم سب سے بڑے کاغذ کے کارخانہ پر آتے تو اس کاغذ کو گھورنے لگتے کہ جس پر یہ اعزاز رقم کر رہے ہوتے، میلا رنگ، ملگجا روپ، بوسیدہ کاغذ اور پڑیا سائز۔ اگر پنسل سے لکھتے تو اتنا مدھم کہ پڑھا نہ جاتا اور سیاہی سے لکھتے تو پھیل پھیل جاتی، کہ جیسے اعمال لکھے جا رہے ہوں، کاغذ کے کارخانہ کا سائز جیسا بھی تھا، لیکن یہ بھی نہ رہا۔ جانے کاغذ زیادہ کالے تھے یا نامہ اعمال کی سیاہی کہ کرنافلی پیپر ملز کی مشینری، کلیں اور پرزے تو مکتی باہنی کے ڈاکو لے گئے اور روپیہ ڈاکوؤں کو روکنے والے مشرقی پاکستان میں نیشنل بنک آف پاکستان سراج گنج سے ہمارے فوجی افسروں نے جو کروڑوں لوٹے، کرنافلی پیپر ملز کا سرمایہ بھی اس میں شامل تھا۔

جس ملک میں سٹیل ملز سرے سے تھی ہی نہیں، وہاں یکا یک دنیا کا سب سے بڑا سٹیل ملز لگا دیا گیا، اتنے بڑے کی ہمیں ضرورت ہی نہیں تھی اور غالباً یہ اتنا بڑا تھا بھی نہیں کہ جتنا چرچا کیا گیا، سٹیل مل لگاتے وقت قیافہ باندھا گیا کہ یہ اتنا بڑا ہے کہ لاکھوں روز کے بچیں گے اور ہر طرف لوہا ہی لوہا ہو جائے گا مگر ہماری معیشت پر یہ پراجیکٹ بھی سفید ہاتھی ثابت ہوا اور ہاتھ بھی بہت بڑا، فل سائز، گرانڈیل اور مستایا ہوا۔ نتیجتاً کروڑوں روز کا خسارہ ہونے لگا، جو آج تک بلاناغہ ہو رہا ہے اور ہم بڑا سائز، عظیم الجثہ، دنیا کا سب سے بڑا اور ایشیاء کا عظیم ترین ہونے کی سرشاری میں سسکتے ہیں۔ پورے پاکستان میں نیشنل سٹیل ملز اپنی نوعیت کا اکلوتا سٹیل مل ہے کہ جس کی مصنوعات معیاری بھی ہیں اور مطلوب بھی، سٹیل مل کا سارا سودا نقد و نقد و ہاتھوں ہاتھ بک جاتا ہے، خریدار پیشگی ادا کرتے ہیں اور تاخیر سے مال وصول کرنے

Marfat.com

پر بھی بددل نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود نیشنل سٹیل ملز ہر سال خسارہ میں ہوتا ہے اور یہ خسارہ بڑھتا ہی رہتا ہے، لاکھوں سے شروع ہوا اور اربوں سالانہ تک آن پہنچا ہے۔ اب ہر سال سرکاری خزانے کا اربوں روپیہ سٹیل ملز کے بگاڑ کو سہارا دینے پر خرچ ہو جاتا ہے۔

جب تربیلا پر بند باندھنے کا ڈول ڈالا جانے لگا تو ماہرین تربیلا ڈیم کے ایک اور متبادل کو زیادہ مفید اور دیرپا قرار دیتے تھے۔ ماہرین کا کہنا تھا کہ تربیلا کی بجائے اتنی ہی رقم اور وقت میں چھوٹے سائز کے وہ 26 ڈیم بنا لیے جائیں، جو شمالی مغربی علاقوں سے سندھ تک بنائے جا سکتے ہیں۔ وضاحت کی گئی کہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے افادیت، دورانیہ اور کارکردگی میں یہ ڈیم تربیلا سے کہیں زیادہ دیرپا اور مفید ثابت ہوں گے لیکن ''دنیا کے سب سے بڑے،، کے سامنے چھوٹے درجہ کی معقولیت چلتی ہی کہاں ہے؟ تربیلا ڈیم کے بارے میں جن خدشات کا اظہار 1960-61 میں کیا گیا تھا۔ بالآخر 1999-2000 میں پورے ہو کر رہے۔ تربیلا ڈیم پر موسمی بخار چڑھتے ہی ہماری پوری زرعی معیشت خشک سالی اور بے گیاہی کا شکار ہو جاتی ہے اور صوبوں کے درمیان جوتیوں میں دال بٹنے کو تربیلا ڈیم کی اضافی یافت سمجھیے۔

پولی ٹیکنک کالج راولپنڈی کو ایشیاء کا سب سے بڑا فنی تعلیم کا ادارہ کہا جاتا تھا، جانے یہ بات سچ تھی کہ مبالغہ لیکن قیاس یہی ہے کہ اس تعلیمی ادارہ کی بربادی میں اس پر سب سے بڑا ہونے کا الزام لگانے کی سزا بھی شامل تھی۔ جب تک یہ ادارہ قائم رہا، طلباء، ضلعی انتظامیہ، اساتذہ اور ٹرانسپورٹرز کے درمیان کارزار سجا رہا، کسی روز طلباء مارے جاتے اور کسی روز اساتذہ، کبھی پولیس والے کام آ جاتے اور کبھی ڈرائیور اور کنڈکٹر۔ لوہا گرم دیکھتے ہوئے سیاسی جماعتوں نے بھی سرنگ لگا لی، نومبر 1968 میں پولی ٹیکنک کالج راولپنڈی کے بے گناہ مارے جانے والے طالب علم عبدالحمید کے خونِ ناحق کا قصاص پورے ملک کو دینا پڑا، عبدالحمید کا قتل سر چڑھ کے بولا، اس واقعہ کے احتجاج میں ملک بھر میں امنِ عامہ کی صورتِ حال ایسی بگڑی کہ

Marfat.com

پھر سنبھلی نہیں۔ ہماری تاریخ میں یہ واقعہ اس بگاڑ کا نقطہ آغاز ثابت ہوا کہ بالآخر جس کا انجام پاکستان کے بٹوارہ پر منتج ہوا۔

ایشیاء کے سب سے بڑے تعلیمی ادارہ کا انجام بھی ہمارے دوسرے بڑے بڑے اداروں سے مختلف نہیں ہوا۔ پولی ٹیکنک کی جن بڑی بڑی لیبارٹریز میں طلباء کی گھما گھمی لگی رہتی تھی، اب وہاں فوجیوں کے تندور لگے ہیں اور لنگر چل رہا ہے۔ ڈانگریاں دھوئی جارہی ہیں اور گنڈے چیرے جارہے ہیں۔

ہمیں سب سے بڑا ہونے کا اعزاز راس آیا بھی تو مشتبہ دماغی حالت اور بیمار ذہنیت کے شعبہ میں، چودھری حبیب الرحمٰن منتظم پاگل خانہ لاہور نے ایک پریس کانفرنس میں پاگل خانہ کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے جب یہ ارشاد فرمایا کہ ہم انتہائی قلیل وسائل میں دنیا کا سب سے بڑا پاگل خانہ انتہائی کامیابی سے چلا رہے ہیں تو اس ذہنی دیوالیہ پن کے باوجود بھی، جو سب سے بڑے پاگل خانہ کی توقیر سے وابستہ ہے، چودھری صاحب کو مبارک باد دینے کو دل چاہتا تھا کہ چلو کہیں نہ کہیں سے تو خیر کی خبر آئی، کچھ نہ کچھ تو کامیاب ہوا، کوئی عقل گھر، کوئی دانش گاہ نہ سہی۔ پاگل خانہ ہی سہی۔ عقل نہ سہی، موت ہی سہی، کم از کم نہ عقل، نہ موت کی مار سے تو بچے۔

ہمارے حصے میں ہمیشہ ایسے ہی حکمران و حکام آئے کہ جنہوں نے اپنی ناکامیوں پر، پردہ ڈالنے کے لئے کوئی نہ کوئی ایسا اچھوتا مژدہ سنایا اور شوشہ چھوڑا کہ جوان کے حق میں رائے عامہ کو تسخیر کر سکے، ان کے اقتدار کا جواز بن سکے اور جسے وہ اپنی قیادت کی سربلندی کے ثبوت میں پیش کرسکیں۔ ہماری معیشت اور معاشرہ کے گلے کا سانپ بننے والے یہ سارے منصوبے، نام نہاد ترقی، نااہلی، فریب اور عبرت کی ایسی فصل ہے، جو ہم سے نہ کاٹے کٹتی ہے، نہ اٹھائے اٹھتی ہے۔

دنیا کے سب سے بڑے کچھ اور منصوبہ جات ایسے بھی ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ابھی تک تو محفوظ رکھا ہے اور کسی نہ کسی وجہ سے یہ پراجیکٹس پروان

Marfat.com

نہ چڑھ سکے، کسی نے پنجاب میں جیلوں کا جال بچھا دینے کی دھمکی دی اور کسی نے پاکستان میں دنیا کی سب سے بڑی جیل بنانے پر کمر باندھ لی (سچ پوچھیے تو ان دونوں منصوبوں کی ضرورت ہی کہاں ہے؟ بنا جیلیں بنائے بھی تو کام چل ہی رہا ہے)۔ کسی نے لاہور میں ٹیوب ریلوے سسٹم کی ابتدائی رپورٹ پر کروڑوں اجاڑ دیئے اور کسی نے بلٹ ٹرین کا منصوبہ پیش کر کے واہ واہ سمیٹ لی۔

ٹیوب سسٹم اور بلٹ ٹرین کے یہ منصوبے ہماری اسی ریلوے سے وابستہ تھے، جو بغیر کسی ٹیوب اور بلٹ کے عام حالات میں بھی کم ہی چلتی ہے، سو بھلا ان تیز رفتاریوں کا ساتھ کہاں دے سکتی۔ دنیا بھر کے ریلویز دھڑا دھڑ منافع کما رہے ہیں حتیٰ کہ انڈین ریلوے بھی اربوں روزانہ کے کما لیتا ہے مگر ہم بھاگ بھروں کا ریلوے کسی طور نہ چل کے دیا، یوں خیر چلتا تو خوب ہے مگر خسارہ میں۔ طلب اور رسد کے توازن کا قانون اور معاشیات کے سارے فارمولے ہمارے ریلوے نے الٹا کر رکھ دیے۔ جس ریلوے کے ڈبوں میں نہ بیٹھنے کو جگہ ملے، نہ کھڑا ہونے کو، اصولی طور پر ایسی رش لگی، ریلوے سے فائدہ ہی فائدہ ہونا چاہیے تھا۔۔۔۔ مگر یوں کبھی نہ ہو سکا۔

علمِ اقتصاد کے مروّجہ اصول کے حوالے سے کسی بھی ایسی سروس انڈسٹری کو کہ جہاں رش ٹوٹ کے پڑتا ہو، سونے کی چڑیا سمجھا جاتا ہے مگر ہماری سونا صفات چڑیا بھی مردار خور گدھ ثابت ہوئی کہ حکومت کا اربوں ادھر بھی لگ جاتا ہے، مگر ریلوے کا خسارہ ہے کہ بڑھتا جاتا ہے اور سواریوں کا رش ہے کہ ٹوٹتا نہیں۔ کیسے کیسے اقدامات، سوچ بچار، چالیں، تحقیقات، پیش بندیاں، چھاپے، بلاٹکٹوں کا محاصرہ، مفت خوروں کی رسوائی اور ریلوے ملازمین کی رونمائی، کیا نہیں ہوا مگر ہمارا ریلوے ہی بالآخر فتح یاب و سرخ رو نکلا۔ عوام، ادارے، حکومتیں، منصوبہ باندھ فوجی اور مخبر، سب ریلوے کے آگے سپر ڈال چکے ہیں اور یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مریخ پر انسانی آبادکاری ہو سکتی ہے، کشمیر ہمیں مل سکتا ہے مگر ہمارے ریلوے کو خسارہ کی دلدل سے

Marfat.com

نہیں نکالا جا سکتا۔

ریلوے کی خرابیوں کا پتہ لگانے اور غلط کاروں کو نکیل ڈالنے کی خاطر کیا کیا نہیں ہوا حتیٰ کہ ریلوے کے ایک وزیرِ مملکت نے داڑھی منڈوائی، بھیس بدلا اور خفیہ طور پر راولپنڈی سے عازمِ کراچی ہوئے کہ وہ بچشم خود ریلوے کے مسائل مشاہدہ کریں گے مگر میاں عطا اللہ صاحب ابھی لالہ موسیٰ تک ہی پہنچے تھے کہ شناخت ہوگئے۔ یوں ریلوے کے مسائل نامعلوم اور میاں صاحب کا مشاہدہ ناپختہ رہ گیا۔ اس طرح ریلوے کے ایک چیئرمین صاحب نے بھی خفیہ عزمِ سفر بذریعہ ریل باندھا، انہوں نے داڑھی بڑھائی، دستار باندھی اور ایک جعلی نام سے عازمِ سفر ہوئے مگر ان کی مخبری ہوگئی، مندرہ سٹیشن پر جب ریلوے پولیس نے انہیں لنچ پیش کیا تو چیئرمین صاحب خجل ہوکر وہیں اتر گئے۔ سنجیدہ مسائل سے مخولیہ برتاوے پر دونوں تضحیک کا نشانہ بنے، میاں عطا اللہ کو مخولیہ جان کر بھٹو صاحب نے ان سے وزارت واپس لے لی اور چیئرمین صاحب لکڑی کے سلیپر اور کھانا سپلائی کرنے والے ٹھیکیداروں سے فی سلیپر اور فی پلیٹ وصول کردہ کمیشن کے افشاء کے دباؤ میں مستعفیٰ ہوکر عازمِ عمرہ ہوئے۔

جن لوگوں نے اپنے اعمال، نیتوں اور نااہلی پر مہارت اور دانشوری کی نقاب چڑھا رکھی ہے وہ عوام سے پوشیدہ ہوں تو ہوں مگر اللہ تعالیٰ اعمال کو گلے کا ہار بنانے پر قدرت رکھتے ہیں، سو کچھ عازمِ عمرہ ہوئے، کچھ برطرف، کوئی مفرور ہوا، کوئی جلاوطن، کوئی رسوا ہوا اور کوئی بے آبرو۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ربانی ہے، وکل انسان الذمنہ طرہ فی عنقہ۔ ترجمہ۔ اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار کر کے رکھا ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل)

دنیا کا سب سے بڑا اور ایشیاء کے سب سے بڑے جن منصوبوں کو ہماری معیشت کا سنگھار اور گلے کا ہار بنتا تھا، وہی گلے پڑ گئے اور سنگھار کی بجائے سانپ ثابت ہوئے۔ غلام اسحاق خان جنہیں ہماری تاریخ میں انشاء اللہ سب سے بڑا

Marfat.com

شبخون مار قرار دیا جائے گا، اس کے باوجود بھی پاکستان پر ان کا یہ احسان ضرور رہے گا کہ اگر وہ پیلی ٹیکسی اور پیلے ٹریکٹر کے تخلیق کار پر، عین وقت پر شب خون مارنے سے چوک جاتے تو آج ہم دنیا کے سب سے بڑے پیلے گھر میں مقیم ہوتے اور ایشیاء کی سب سے بڑی پیلی موٹر وے پر ''ہوٹے'' لے رہے ہوتے۔

ماسٹر ملک مہریار صاحب سے مطالعہ پاکستان کے درس میں یکتا ہو کر جب ہم ماسٹر مولوی ملازم حسین صاحب اور میاں عبدالخالق صاحب کی شاگردی میں آئے اور اسلامی تاریخ اور دینیات کے میدان میں ان اساتذہ کے ہتھے چڑھے تو ہم نے سیکھا بلکہ ہمیں سکھایا گیا کہ ہمارا اعزاز واثاثہ صرف دنیا کے سب سے بڑے کارخانوں، ڈیم، تعلیمی اداروں، ذرائع آب پاشی اور پاگل خانہ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ہم دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت بھی ہیں۔ بڑے بڑے عظیم الشان کارخانوں کی بدولت ہم جس طرح معاشی طور پر محفوظ، مامون، سرفراز اور صاحبِ امارت تھے، بالکل اس طرح، سب سے بڑی مملکت کے امین بھی بن گئے۔ طالب علمی کا دور تو ویسے بھی بڑا نازک ہوتا ہے۔ شکر، ہمارا ذرا زیادہ ہی سنہری تھا۔ ہمارے پاؤں کسی صورت زمین پر نہیں نکتے تھے، جہاں چاروں اور دنیا کے سب سے بڑے کارخانے چل رہے ہوں، ڈیم باندھے جا رہے ہوں، نہریں رواں، آب پاشی بے دریغ، درس گاہیں، عظیم الجثہ، پیداوار وافر اور مملکت بھی اوّل نمبر اسلامی ہو تو ایسا کون بدبخت ہوگا کہ جس کے پاؤں زمین پر نکتے ہوں۔

جب ذرا نکنے لگتے تو ہم ردکفر کی نسیان اور نسیاتی پر دھر لئے جاتے۔

مولوی ملازم حسین صاحب چھٹا کلمہ فرفر نہ سنانے پر پنجوں کے بل کھڑا کر کے زبر کرنے کا حکم لگا کر خود آنکھیں موند کر اپنے آپ کو کرسی پر ڈھیلا چھوڑ دیتے، خود کو ڈھیلا چھوڑ دینے کے بعد وہ حضرت سلطان باہو کا کلام پڑھنا شروع کر دیتے۔ گنگناتے ہوئے آہستگی سے شروع کیے۔ سنا جانے والا کلام رفتہ رفتہ ردم میں آ جاتا اور لے تیز تر ہوتی جاتی۔ اس مرحلہ پر پنجوں کے بل کھڑے طلباء بھی شعرا چکتے اور

Marfat.com

لے بڑھاتے ہوئے ماسٹر صاحب کے چاروں طرف حلقہ زن ہو جاتے اور ایسا رنگ بندھ جاتا کہ ماسٹر صاحب کی آواز پر طلباء کی لے بھاری پڑنے لگتی۔ یوں ہمیں ردکفر کی مشقت سے سلطان باہو کی شعری لطافت میں پناہ مل جاتی:

بغداد شہر دی کیہہ اے نشانی

اچیاں' لمیاں چیراں ہو

تن من میرا پرزے پرزے

جیوں درزی دیاں لیراں ہو

انہاں لیراں دی گل کفنی پا کے

رلساں سنگ فقیراں' ہو

بغداد شہر دے ٹکڑے منگساں

کرساں میراں میراں ہو

یہ وقتی پہر دو پہر کی پناہ ہمارے حق میں ایسی بے پناہ نکلی کہ ہم ادھر کے ہی ہو رہے۔ شرعی احکامات' اسلامی کلموں اور قرآن سیکھنے کی مشقت پر صوفیانہ شاعری' علامتی تصوف، من کی نیکی اور خانقاہی پرہیزگاری کی تن آسانی غالب آ گئی۔ اسلامی شرع پر پابند ہونے کے مصائب اور سختی جھیلنے کی بجائے صوفیانہ شاعری' تصوفانہ عاجزی اور رزو معنی اظہار پر سردھننا ہمیں ایسا راس آیا کہ اب عید میلاد النبی کے جلسے جلوسوں اور بعداز افطاری بوقت قبولیت دعا حمد وثناء بھی:

تیری صورت نگاہوں میں پھرتی رہے

یاد تیری ستائے تو میں کیا کروں

پر سر دھنتے اور دھڑ ہلاتے ہیں حالانکہ سب جانتے ہیں کہ جس صورت کو نگاہوں میں پھیرا جارہا ہے اور جس کی یاد ستارہی ہے' یہ وہ صورت البتہ نہیں ہے' جس کا اس شعر میں شبہ پڑتا ہے۔

جس نسل کو فرضی افتخار' نمائشی معیشت دکھاوے کے اعداد و شمار جعلی مہارت

Marfat.com

کوتاہ سربلندی، دروغ منصب اور درجہ اول کی اسلامی مملکت کے کانوں پر کھینچ تان کر پروان چڑھایا گیا تھا۔ اب اس نسل کو کسی احساسِ تفاخر اور فخریہ سرشاری کی بجائے ان کانوں کو پلکوں سے صاف کرنے کا مرحلہ درپیش ہے۔ ان کانوں کو نکالتے نکالتے ہمارے ہاتھ لہو، پلکیں پلک پلک، اور بصارت لہان ہو چکی ہے مگر تطہیر وطہارت کا خراج اس سے سوا ہوتا ہے۔ جو ہم دے رہے ہیں، ابھی مزید دینا ہوگا، اس سے کہیں زیادہ کہ جس قدر دے چکے ہیں۔

جس طرح کے کارخانے عظیم الشان تھے، اسی طرح کی مملکت بھی درجہ اول کی اسلامی نکلی۔ جوں جوں پہر چڑھتا، درخت کے ٹنڈ کا سایہ سکڑتا جاتا، جس میں ماسٹر مولوی ملازم حسین صاحب کی کرسی سمائی ہوتی، ہمارے سروں پر گرمی کی شدت اور ہو، باہو کا زور بیک وقت تمام ہوا نہ بڑے بڑے کارخانے ہمارے کام آئے، نہ سب سے بڑی اسلامی مملکت۔ کارخانے لوٹے گئے اور مملکت توڑ دی گئی۔ جو فرضی برائی ہمارے کارخانوں کا خاصہ تھی، ویسی ہی نمائشی برتری مملکتِ اسلامیہ سے منسوب تھی۔ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت میں ایک ضابطہ بھی اسلامی وشرعی نہیں تھا۔ محض نام کی اسلامی مملکت بھلا کتنا چل سکتی تھی۔ سو نہ چل سکی۔ جس زمین کے وارثوں کو جھلستی دوپہر میں ایک شجرِ سایہ دار تک میسر نہ ہو، درجہ اول، کی ایسی اسلامی مملکت چلتی بھی کہاں تک! لہٰذا نہ وہ مملکت رہی، نہ مولوی ملازم حسین، نہ کارخانے رہے، نہ شجرِ سایہ و بے سایہ، نہ ایوب خاں رہے، نہ ان کی کھوتی، بجز نسلِ بے جا افتخار کار اور مصروفِ تلاشِ روزگار نہ اس سرزمین کے حصے میں کچھ آیا، نہ اسلامی مملکت درجہ اوّل کو ہی کچھ حاصل ہو سکا۔

22 جنوری

میڈیا کا مائیکروسکوپ

یکم فروری سے شروع ہونے والے پرائمری صدارتی انتخابات جوں جوں

Marfat.com

قریب آتے جارہے ہیں۔ امریکی سیاست میں گہما گہمی بڑھتی جارہی ہے۔ امیدواروں کا لب ولہجہ خوشامدانہ سے جارحانہ ہوتا جارہا ہے اور اوسان خطا ہو رہے ہیں۔ یکم فروری کو روایتی طور پر ریاست نیو، ہیمپشائر سے شروع ہونے والے پرائمری انتخابات 6 جون تک تمام ریاستوں میں مکمل ہوں گے۔ انتخابی مہم کے اس تمام عرصے میں امیدواروں کو جیسے تلوار کی دھار پر چلنا پڑتا ہے۔ ان کے ماضی کا صفحہ صفحہ اور لمحہ لمحہ کھنگالا جائے گا، مستقبل کے لئے ان کی کہی گئی بات بات کا تجزیہ ہوگا، لفظ کی ساخت اور مفہوم کی ساختگی پر تنقید، تجزیہ، تبصرہ، تحقیق، الزام وضاحت، دعویٰ، دُشنام اور جوابِ دعویٰ کا یہ کارزار 6 نومبر تک خوب گرم رہے گا۔

صدارتی امیدواروں کو یہ سارا عرصہ ایک ایسے مائیکروسکوپ کے نیچے گزارنا پڑتا ہے کہ جہاں بال بھی شہتیر کی طرح صاف نظر آتا ہے۔ میڈیا کے اس طاقت ور مائیکروسکوپ سے نہ کچھ چھپ سکتا ہے، نہ چھپایا جا سکتا ہے۔

یہاں ہاتھ ملانے کے بعد ہاتھ دبانے کا چلن عام نہیں ہے۔

امریکہ کے صدارتی انتخاب کے اس دنگل میں کامیابی کی یوں تو کئی وجوہات ہوسکتی ہیں مگر اس اکھاڑے سے سرخ رو اور باآبرو نکلنے کے لئے بے داغ دامن، شفاف ماضی اور ہیرا پھیری سے عاری رفتہ شرطِ اوّلین ہے، انتخاب کسی بھی سطح کا ہو، یہاں کا میڈیا ہی امیدواروں کے لئے کڑے مواخذے کا ادارہ بن جاتا ہے۔ یوں عام طور پر بدچلن، نادہندہ، بددیانت، جعلی اسناد والا، مشتبہ، دروغ گو، فائدہ سمیٹ، اقربا پرور، وزن اور اوصاف کے ہلکے امیدوار کو جان چھڑانی مشکل ہو جاتی ہے لیکن یہ انہی معاشروں میں ممکن ہے کہ جہاں میڈیا کے پاؤں مفادات کی رسّی سے بندھے ہوں، نہ صحافی بکاؤ ہوں اور نہ اخبارات سرکاری اشتہاروں کی اشتہا میں مبتلا ہوں۔ جہاں مختلف حکومتوں سے مال بٹورنے والے صحافیوں کی فہرست چیف ایگزیکٹو کی تحویل میں ہو اور صحافی حضرات اس کے افشاء سے لرزہ براندام ہوں اور اس دافع بلا کے لئے مسلسل چلے کاٹ رہے ہوں وہاں۔۔۔۔ وہاں تو کچھ بھی

Marfat.com

ہوسکتا ہے، عوام کی خدمت اور نمائندگی کے لیے چھال مار کر کوئی بھی میدان میں آ سکتا ہے، خواہ محترمہ بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف ہی کیوں نہ ہوں۔

23 جنوری

الیکٹورل کالج

یوں تو پچھلے سو برس سے امریکی صدر کے چناؤ کا نظام والیکٹورل کالج، شدید تنقید کی زد میں رہا ہے مگر اس تنقید کی دھار الیکشن ائیر میں ذرا زیادہ تیز ہو جاتی ہے چونکہ سن 2000 امریکی صدر کے انتخاب کا سال ہے، سوحسبِ توقع الیکٹورل کالج پر تنقید، تبصروں، صدقے واری، تجاویز اور نفرین کا ڈھیر لگ گیا ہے۔ ان ساری خامیوں کے باوجود جو اس طریقِ انتخاب سے وابستہ ہیں، یہ نظام بہرحال دوسو سال سے امریکی صدور کا چناؤ خاصی کامیابی سے کر رہا ہے گوکہ اس طریقِ انتخاب میں سن 1804 میں بارہویں آئینی ترمیم کے ذریعے اور بعد ازاں 1961 میں ایک اور آئینی ترمیم کے ذریعے بنیادی نقائص دور کر دیئے گئے تھے لیکن پھر بھی اس طریقِ کار (الیکٹورل کالج) پر تنقید کو ختم نہیں کیا جا سکا چونکہ یہ طریقِ کار خالص جمہوری ہونے کے باوجود عین جمہوری نہیں ہے۔ عوام کی رائے پر ڈنڈی مارنے کی جو خفیف سی گنجائش اس الیکٹورل کالج میں پنہاں ہے، لکھاری اس گنجائش کے خلاف سر بہ قلم ہی رہتے ہیں۔

الیکٹورل کالج کے نظام کے تحت امریکی رائے دہندگان براہِ راست صدر کا انتخاب کرنے کی بجائے اپنی اپنی ریاستوں میں صدارتی الیکٹورل منتخب کرتے ہیں بعد ازاں یہ الیکٹورل امریکی صدر کا چناؤ کرتے ہیں لیکن شدید تنقید کا پہلا در یہیں کھل جاتا ہے۔ چونکہ آئینی طور پر ''جیتنے والی کے سارے،، مانے گئے ہیں، سو ایک امیدوار جسے ریاست میں عوام کے تو 49 فیصد ووٹ ملے لیکن اس تناسب سے اسے الیکٹورل کالج کا ایک ووٹ بھی نہیں ملا۔ چونکہ جس امیدوار نے 51 فیصد ووٹ

Marfat.com

حاصل کیۓ۔ جیتنے والے کے سارے،، کی رو سے اسے ریاست کے سو فیصد رو سے اسے ریاست کے سو فیصد الیکٹورل ووٹ حاصل ہو گئے۔

امریکی انتخاب کی اس ساری قباحت میں بچ بچاؤ اور خیر کا پہلو صرف ایک ہی ہے کہ الیکٹورل نمائندے جس امیدوار کے حوالے سے نامزد ہوتے ہیں، اس پر قائم رہتے ہیں۔ دوسو سال میں صرف دو الیکٹورل نمائندے ایسے جی دار نکلے کہ جنہوں نے رائے دہندگان کی توقعات اور اپنی پارٹی نامزدگی کے خلاف صدارتی امیدوار کو ووٹ دیئے، ورنہ عموماً الیکٹورل نمائندے اس پارٹی اور امیدوار کو آگے جا کر منتخب کرتے ہیں کہ جس کے لئے انہیں نامزد کیا گیا تھا۔

اس الیکٹورل کالج کا تجربہ ہمارے ہاں بی ڈی سسٹم کے نام سے کیا جاچکا ہے۔ مرحوم صدر ایوب خان کا ایجاد کردہ بی ڈی ممبر اگر ہو بہو نہیں تو خاصی حد تک اسی امریکی الیکٹورل سسٹم سے مشابہہ اور اخذ کردہ تھا یعنی عوام بی ڈی ممبر کو منتخب کرتے تھے اور بی ڈی ممبر آگے صدر کو۔ قرآئن بھی یہی کہتے ہیں کہ صدر ایوب خان نے اس طرزِ انتخاب کی نقل یہیں سے ماری تھی، وگرنہ ان کی سیاسی بصیرت کی خوش قامتی ان کی فیلڈ مارشلی کے قد کاٹھ سے زیادہ سرو قد نہیں تھی۔

یہاں کے الیکٹورل نمائندہ کو اختیارات میں تو ہمارے بی ڈی ممبر کے ہم پلہ ہی سمجھئے لیکن سودے بازی، مول تول، ہارس ٹریڈنگ اور آئی چلائی میں، یہ ہمارے نمائندوں کا پاسنگ اور خاکِ پا بھی نہیں ہیں۔ ایوب خان بمقابلہ محترمہ فاطمہ جناح انتخابات میں جمہوریت کا روگ اور اسلام کا چسکہ لگے عوام نے تو ان نمائندوں کو ووٹ دیا، جنہوں نے بظاہر محترمہ فاطمہ جناح کو صدر چننا تھا لیکن جب ووٹ گنے گئے تو محترمہ فاطمہ جناح بہت پیچھے رہ گئیں۔ روایت ہے کہ جب بی ڈی والوں کا نیلام لگا تو ایک ایک کروڑوں میں اور اپنی حیثیت سے بہت زیادہ میں بکا۔

گو کہ ہمارے ممبرز کی خرید وفروخت کے حوالے سے تو یہاں کا الیکٹورل نمائندہ بہت مسکین، عاجز اور بیبا لگتا ہے لیکن صلاحیت اور بازی پلٹا دینے کا اہل

Marfat.com

ہونے کی وجہ سے یہ اس قدر بیبا بھی نہیں ہے کہ جس قدر بنا ہوا ہے۔

26 جنوری

صدارتی امیدوار

سن 2000 کے صدارتی امیدواروں کا تعین حتمی صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔ جیسا کہ توقع کی جارہی ہے کہ آخری جوڑ بالآخر نائب صدر الگور اور ٹیکساس کے گورنر جارج بش کے درمیان ہی پڑے گا لیکن ری پبلکن پارٹی کے دوسرے صدارتی امیدوار جان میکین بازی پلٹنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں اور انہیں آسان امیدوار تصور نہیں کیا جاسکتا۔ جان مکین کی خاندانی فوجی خدمات ان کی سیاسی خدمات سے سوا ہیں اور ایک مخصوص قدامت پسند حلقہ ان کی پشت پر ہے۔ روایتی طور پر امریکی صدارت کے ان امیدواروں کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے کہ جن کے کریڈٹ پر سیاسی کے علاوہ فوجی خدمات بھی ہوں۔ اس نقطہ نظر سے جان میکین دوسرے تمام امیدواروں پر بھاری ہیں کہ انہوں نے نہ صرف ویت نام کی جنگ میں بھرپور حصہ لیا بلکہ 5 سال بطور جنگی قیدی کے بھی کاٹے اور ہر طرح کے تشدد، بھوک اور بیماری سے نبرد آزما ہوئے۔ جان میکین کے والد ایڈمرل جیک میکین بھی امریکن نیوی میں خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ وہ پیسفک افواج کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے خاصے ہردلعزیز رہے ہیں۔ جان میکین کے دادا بھی امریکن نیوی میں ایڈمرل رہ چکے ہیں۔ اس فوجی پس منظر سے جان میکین ان امریکی رائے دہندگان کو متاثر کرسکتے ہیں، جن کی چناؤ کی شرط امریکہ کی فوجی خدمات سے وابستہ ہے اور رائے دہندگان کا یہ حلقہ خاصا وسیع، سنجیدہ اور خالص امریکی ہے۔

ممکنہ و متوقع چاروں امیدواروں کا تعارفی خاکہ کم و بیش میڈیا کی ہر سمت اور ہر طریقے سے پیش کیا جارہا ہے۔

نائب صدر البرٹ الگور (ڈیموکریٹ)

Marfat.com

52 سالہ الگور ڈیموکریٹک پارٹی کے مضبوط امیدوار ہیں۔ وہ سینیٹر الگور سینیٹر کے صاحبزادے ہیں، جو ریاست ٹینیسی کے 20 سال تک سینیٹر رہے۔ الگور نے وانڈر بلٹ یونیورسٹی کے سکول آف ریلیجن سے بھی ڈگری حاصل کی، 1969 سے 1971 تک انہوں نے آرمی میں خدمات انجام دیں اور 1973 سے 1976 تک ٹینیسی کے مقامی اخبار میں بطور رپورٹر کام کیا۔ 1977 میں وہ یوایس کانگریس کے لئے منتخب ہوئے اور 1985 تک ٹینیسی کا سینیٹر منتخب ہونے تک کانگریس میں رہے۔ 1985 سے 1993 تک وہ سینیٹر رہے۔ بعد ازاں انہوں نے صدر بل کلنٹن کے نائب صدر کی حیثیت سے 1992 کے صدارتی انتخاب میں کامیابی حاصل کی اور وہ 1993 سے اب تک امریکہ کے نائب صدر ہیں۔

سینیٹر بل بریڈلی (ڈیموکریٹ)

56 سالہ بل بریڈلی 1979 سے نیو جرسی کے سینیٹر ہیں۔ وہ امریکہ میں سینیٹر سے زیادہ باسکٹ بال کے پیشہ ور کھلاڑی اور چیمپیئن کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ بل بریڈلی نیو یارک کی مشہور زمانہ باسکٹ بال ٹیم "نکس" کو قومی چیمپیئن شپ دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ 1967 سے 1978 تک وہ امریکہ ائر فورس سے ریزرو کی حیثیت سے بھی وابستہ رہے اور پرنسٹن یونیورسٹی سے امریکن ہسٹری میں ڈگری حاصل کی۔ بعد میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے ماسٹرز کرنے کے لئے رہوڈز سکالرشپ حاصل کیا اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے امتیازی حیثیت میں ماسٹر کیا۔ بل بریڈلی نے 1964 کے اولمپکس میں امریکن باسکٹ بال ٹیم کی نمائندگی کی اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔

بل بریڈلی کو تمام امیدواروں میں سب سے زیادہ پڑھا لکھا تصور کیا جا رہا ہے، وہ چار مشہور کتابیں تصنیف کر چکے ہیں اور کئی یونیورسٹیوں میں اعزازی لیکچرار ہیں۔

سینیٹر جان میکین (ری پبلکن)

Marfat.com

ریاست ایری زونا کے 63 سالہ سینیٹر جان میکین ایڈمرل جیک میکین کے ہاں پانامہ کینال زون میں پیدا ہوئے۔ امریکن نیول اکیڈمی سے ڈگری لی اور بعد ازاں نیشنل وار کالج سے گریجویشن کیا۔ امریکن نیوی میں بطور کیپٹن پائلٹ 22 سال خدمات انجام دیں اور ویٹ نام کی جنگ میں جنگی قیدی رہے۔ ویت نام سے واپسی پر شاندار خدمات کے عوض فلائنگ کراس، لیجن آف میرٹ اور پرپل ہارٹ جیسے فوجی اعزازات حاصل کئے۔ 1981 میں امریکی کانگریس کے انتخاب میں کامیاب ہوئے اور 1986 میں سینیٹر منتخب کیے گئے۔

سینیٹر جان میکین سینٹ میں بہت کامیاب رہے۔ انہیں چیئرمین آرمڈ سروسز کمیٹی مقرر کیا گیا اور گورنمنٹ افیئر ز کمیٹی کے بھی وہ مستقل ممبر رہے۔ انہیں سینٹ میں خاصا اثر ورسوخ والا، بااختیار سینیٹر مانا جاتا ہے۔

جان میکین نسبتاً چھوٹے قد کے تیز طرار اور حاضر جواب آدمی ہیں۔ پچھلے دنوں ان کی کہی یہ بات بہت مشہور ہوئی کہ ''چیلسی کلنٹن اس قدر بدصورت کیوں ہے، اس لئے کہ اس کا باپ جینٹ رینو (امریکہ کی خاتون اٹارنی جنرل) ہے،،

گورنر جارج بش (ری پبلکن)

52 سالہ گورنر جارج بش سابق صدر بش کے سب سے بڑے صاحبزادے اور 1995 سے ٹیکساس کے گورنر ہیں۔ انہوں نے ییل یونیورسٹی سے بی اے کیا اور ہارورڈ یونیورسٹی سے بزنس میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔ 1968 سے 1973 تک ٹیکساس ایئرنیشنل گارڈ میں خدمات انجام دیں۔ 1976 میں خاندانی بزنس بش آئیل اینڈ گیس کمپنی کے چیف ایگزیکٹو مقرر ہوئے اور 1986 تک وہیں رہے۔

1989 سے 1994 تک ٹیکساس رینجرز بیس بال ٹیم کے مینیجنگ جنرل پارٹنر رہے اور اس بیس بال ٹیم سے بہت دولت کمائی۔ 1995 میں ٹیکساس کے گورنر کے انتخاب میں کامیابی حاصل کی اور اب سن 2000 کے صدارتی انتخاب

Marfat.com

میں انہیں مضبوط امیدوار سمجھا جا رہا ہے۔

31 جنوری

پسِ پردہ

امریکہ کے طریق صدارتی انتخاب سے جو پیچیدگی وابستہ ہے۔ اس میں پارٹی امیدواروں کے پرائمری انتخابات سے لے کر کانگریس میں صدر کے حتمی انتخاب تک ''ڈیلی گیٹ،، کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے جبکہ یہ ڈیلی گیٹ نہ تو کسی کو نظر آتا ہے، نہ نظروں میں رہتا ہے اور نہ ہی براہِ راست اسے منتخب کیا جاتا ہے بلکہ ڈیلی گیٹ کے جسدِ خاکی میں نامزدگی کی روح پھونک کر اسے حرکت دی جاتی ہے۔ منتخب کی بجائے نامزد ہونے کے باوجود یہ ڈیلی گیٹ پانسہ پلٹنے اور بازی پلٹانے کے وصف اور ہنر سے لیس ہوتا ہے۔

واشنگٹن پوسٹ کی حالیہ اشاعت میں شائع شدہ ایک مضمون میں پرنسٹن یونیورسٹی کے سیاسیات اور امریکی آئین کے پروفیسر بیری ریجنالڈ نے ڈیلی گیٹ کے غیر مرئی وجود اور کردار پر خاصا جارحانہ تبصرہ کیا ہے لیکن ہمارے خیال میں جمہوریت کے وسیع تر امریکی مفہوم اور جمہوریت کے ممکنہ و موجودہ عملی نفاذ کے تناظر میں یہ ڈیلی گیٹ معمول کا لازمی حصہ بن چکا ہے، گو کہ امریکہ کے جمہوری نظام میں ڈیلی گیٹ کی کل عمر 9 ماہ سے زیادہ نہیں ہے لیکن اس کی بازگشت دیر تک سنائی دیتی ہے۔ صدارتی امیدواروں کی نامزدگی میں یہ ڈیلی گیٹ ہی تو سارے جمہوری عمل کی جان اور جمہوریت کی شہ رگ ہے۔

جیسا کہ اکثر ممالک اور جمہوریتوں میں رائج ہے کہ کسی بھی سطح کے انتخاب کے لئے پارٹی کی قیادت اپنی صوابدید کے مطابق اپنے کاسہ لیسوں اور ذہنی طور پر دیوالیہ پن کے حامل افراد کو پارٹی ٹکٹ عنایت کر دیتی ہے اور اندر خانہ امیدواروں سے نقد رقم، حلف وفاداری، زبان بندی اور طرح طرح کی شرائط منوائی جاتی ہیں

Marfat.com

لیکن امریکی عین جمہوریت میں ایک ہی نشست پر مختلف امیدواروں کو پارٹی نامزدگی کی بجائے عوام کے چناؤ سے انتخاب لڑنے کا جواز حاصل کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ موجودہ امریکی صدارتی انتخابات میں ری پبلکن پارٹی کی طرف سے جارج بش، جان میکین اور سٹیوفوربس صدارتی امیدوار ہیں۔ سو اندر خانہ سودے بازی، وعدہ وعید اور مارا ماری کی بجائے تینوں امیدواروں کو پرائمری انتخاب کے ذریعہ صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ ری پبلکن پارٹی کی طرف سے صرف وہی صدارتی امیدوار ہے، پرائمری انتخاب میں جو بھی کامیاب ہو جاتا ہے، وہی اس پارٹی کا نامزد امیدوار بھی ہوتا ہے۔

پرائمری انتخابات میں جو امیدوار عوام کے جس قدر ووٹ حاصل کرتا ہے، اس تناسب سے اسے ڈیلی گیٹ حاصل ہو جاتے ہیں۔ بعد میں یہی ڈیلی گیٹ پارٹی کنونشن میں اپنے امیدوار کے حق میں امیدوار کی نامزدگی کے لئے ووٹ دے کر امیدوار کو پارٹی کا باضابطہ امیدوار قرار دے دیتے ہیں۔

یکم فروری

صدارتی پرائمری انتخابات

روایتی طور پر نیو ہمپشائر سے یکم فروری کو شروع ہونے والے پہلے پرائمری صدارتی انتخابات برائے سن 2000 شروع ہو چکے ہیں اور پہلے پرائمری انتخاب کے نتائج بھی آ گئے ہیں، گو کہ پہلے پرائمری انتخاب کے نتائج نے امریکی میڈیا کے سیاسی مبصروں اور پنڈتوں کو خاص حد تک حیران کر دیا ہے لیکن دو چار پرائمری انتخابات کے ہو جانے تک امریکی رائے دہندگان اور میڈیا صدارت کے حتمی امیدواروں کے بارے میں پر تجسس ہی رہیں گے۔ سینیٹر جان میکین نے جارج بش سے دوگنا زیادہ ڈیلی گیٹ حاصل کر کے سیاسی حلقوں میں سنسنی پھیلا دی ہے چونکہ جارج بش یہاں زیادہ مضبوط سمجھے جا رہے تھے۔

Marfat.com

دونوں پارٹیوں کے امیدواروں کی پرائمری انتخابات میں حاصل کردہ ووٹوں اور ان ووٹوں کی بنیاد پر ملنے والے ''ڈیلی گیٹ،، کی بنیاد پر ہی آگے چل کر پارٹی کنونشن میں یہی ڈیلی گیٹ اپنے امیدواروں کو اپنی اپنی پارٹی کا حتمی اور واحد صدارتی امیدوار بنانے میں فیصلہ کن کردار ادا کریں گے۔

نائب صدر الگور کے مقابلے میں بل بریڈلی خاصے کمزور امیدوار سمجھے جارہے تھے لیکن انہوں نے 45 فیصد ووٹ اور 9 ڈیلی گیٹ حاصل کر کے سب سے زیادہ حیران کیا ہے۔

ریاست نیوہمپشائر کے پہلے پرائمری انتخاب میں حاصل کردہ ڈیلی گیٹس کی صورت حال:

ری پبلکن پارٹی:

امیدوار	فیصد ووٹ	حاصل کردہ ڈیلی گیٹ
سینیٹر جان مکین	48	10
گورنر جارج بش	30	5
سٹیو فوربس	12	2

ڈیموکریٹک پارٹی:

نائب صدر الگور	50	13
سینیٹر بل بریڈلی	45	9

2 فروری

اسلامک ڈومینو تھیوری

یہودی دانشور اور اسلام الرجک امریکی میڈیا مسلسل ایک ایسے علمی، نظریاتی اور تحقیقی محاذ پر سرگرم ہی رہتا ہے کہ جس سے عالم اسلام کے خلاف تاریخی، تہذیبی

Marfat.com

اور نظریاتی حوالے سے کوئی نہ کوئی منفی و معاندانہ تحریری شہادت پیش کی جاتی رہے۔ دانشور نظریہ تراشتے ہیں، لکھاری مضمون باندھتے ہیں، میڈیا کے بازی گر رنگ آمیزی کرتے ہیں، فنانسر پیسہ لگاتے ہیں اور سپانسر واہ واہ سمیٹتے ہیں۔ یوں مسلمان ہمہ وقت حالتِ دفاع، دباؤ اور صفائی پیش کرنے میں لگے رہتے ہیں، یہ صورتِ حال صرف امریکہ میں ہی نہیں ہے بلکہ دنیا بھر میں عالمِ اسلام دباؤ، دفاع اور تذبذب سے دوچار ہے۔

اس ضمن میں تازہ بتازہ نظریاتی وار ''اسلامک ڈومینو تھیوری،، میں ترمیم و اضافہ اور اس کے از سرنو احیاء سے کیا گیا ہے۔ پال سٹیٹن کی بدنامِ زمانہ اسلامک ڈومینو تھیوری سے پہلے امریکی ڈومینو تھیوری پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے کیونکہ اسلامک ڈومینو تھیوری حقیقتاً ڈومینو تھیوری کے اسلام مخالف ورژن کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

ڈومینو تھیوری دوسری عالمی جنگ کے بعد دوسرے ممالک میں امریکی مداخلت کو جائز قرار دینے کے جواز میں متعارف کرائی گئی۔ 1940 کے عشرے میں ڈومینو تھیوری کو صدر ہینری ٹرومین نے یونان اور ترکی میں امریکی مداخلت کے جواز میں کامیابی سے استعمال کیا۔ اس کامیاب استعمال سے ان کا جھاکا اتر گیا اور ڈومینو تھیوری کی دھاک بیٹھ گئی۔ 1950 کے عشرے میں یہ نظریہ خوب پروان چڑھا، پر لگے، زور پکڑا اور مشہور ہوا۔ صدر آئزن ہاور نے جنوب مشرقی ایشیاء اور خصوصاً ویت نام میں امریکی مداخلت کے جواز میں اس نظریے کو ڈھال کے طور پر استعمال کیا، ان کے بعد 1960 کے عشرے میں صدر کینیڈی اور صدر لنڈن جانسن نے جنگِ ویت نام میں مسلح امریکی جارحیت کے لئے نظریاتی قوت اس تھیوری سے حاصل کی لیکن رفتہ رفتہ ڈومینو تھیوری امریکہ کے لئے ہمارے دوقومی نظریہ کی طرح لازمی قومی تریاق، بجانے والا چھنکنا اور بہلاوے والا گھگھوگھوڑا بن کر رہ گئی۔ پاکستانیوں نے اس سے بدتر سلوک ڈومینو نظریہ سے کیا۔

Marfat.com

تاریخ کا رویہ اس بارے میں واضح نہیں ہے کہ نظریہ کی عمر کتنی ہوتی ہے؟ یا کتنی ہونی چاہیےلیکن تاریخ کی شہادت سے یہ ضرور اخذ کیا جاسکتا ہے کہ متحرک اور کامیاب اقوام نے نظریہ کی عمر کو عموماً نظریہ کی مثبت یافت سے وابستہ کر رکھا ہے۔ نظریہ کے بارے میں تاریخ کی دوسری شہادت یہ ہے کہ جس نسل نے کوئی نظریہ تراشا اور اس پر لبیک کہا، اسی نسل کی عموماً تیسری اور کچھ صورتوں میں دوسری نسل نے ہی اس نظریہ پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا۔ نظریوں سے برتاوا قوموں کی مخصوص ذہنی کیفیت اور عمرانیات سے متعلق ہوتا ہے۔ اپنے نظریہ کی حفاظت اور تکریم کرنے والی قومیں باوقار اور کامیاب ٹھہرائی جاتی ہیں، نظریہ میں ترمیم و اضافہ متحرک اور جاندار قوموں کا خاصہ ہوتا ہے، نظریہ سے چھیڑ خانی اور اس کی تضحیک میں مبتلا قومیں خجل، تالیاں مار اور خوار لیکن نظریہ سے لاتعلقی اور بے زاری متعلقہ نسل کی بے حسی، اس کے زوال اور جمود کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

ڈومینو تھیوری کا ڈھانچہ اس مفروضے پر اٹھایا گیا کہ ''کسی غیر اشتراکی ریاست کا، اشتراکیت کے زیر اثر آجانے سے اس ریاست کی ہمسایہ ریاستیں بھی اشتراکیت سے متاثر ہوں گی، وہاں اشتراکی رجحانات فروغ پائیں گے اور بالآخر متعلقہ ہمسایہ ریاستیں بھی کمیونزم کے زیرِ نگیں ہو جائیں گی،،

ڈومینو تھیوری کی اساس پر ہی 1996 میں اسلامک ڈومینو تھیوری تعمیر کی گئی۔ پال سٹیئن نے خاصی چالاکی اور چابکدستی سے ڈومینو تھیوری میں کمیونزم، روس اور چین کے الفاظ کو اسلام، بنیاد پرستی، پاکستان، ایران، عراق، شام اور نو آزاد روسی ریاستوں جیسے الفاظ سے بدل دیا۔ سو اب اسلامک ڈومینو تھیوری کے مطابق ''کسی غیر اسلامی ریاست کا، اسلام کے زیر اثر آجانے سے اس ریاست کی ہمسایہ ریاستیں بھی پین اسلام ازم سے متاثر ہوں گی، وہاں اسلامی رجحانات فروغ پائیں گے اور بالآخر متعلقہ ہمسایہ ریاستیں بھی اسلام کے زیرِ اثر آجائیں گی۔،،

یوں تو یہ تھیوری غیر اسلامی دنیا کو اسلام سے برانگیختہ کرنے اور اسلامی

Marfat.com

انقلاب کے لپیٹے سے خبردار کرنے کے لئے گھڑی گئی تھی لیکن ایران میں اسلامی انقلاب کے ہمسایہ ریاستوں پر اثرات نے اس تھیوری کے عدم وجود کے باوجود بھی تھیوری سے کہیں زیادہ تاثیر دکھائی۔

ریشہ دوانیوں اور دُشنامیوں کو یہ بات کبھی سمجھ نہ آ سکی کہ جس دین کے پھیلاؤ کو وہ نظریاتی اور لفظی فصیل سے روکنا چاہتے ہیں، یہ دین کبھی ایسی کاغذی رکاوٹوں اور ذہنی اختراعوں سے نہیں روکا جا سکا۔ جس دین کے پھیلاؤ کے تائید، وعدہ اور عزم خود ذاتِ ذوالجلال نے باندھ رکھا ہو، اس دین کو بھلا بڑھنے اور پھلنے پھولنے سے روکے بھی کون اور کیسے؟ سورہ صف میں ارشاد ربانی ہے یریدون لیطفوا نور اللہ بافواھھم واللہ متمر نورہ ولو کرہ الکفرون. (سورہ صف)

ترجمہ: یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور (یعنی دین اسلام) کو کمال تک پہنچا کر رہے گا، گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش کیوں نہ ہوں''۔

ایمرجنس ریسرچ سنٹر کے زیرِ اہتمام ہونے والے ایک حالیہ مذاکرے میں یہودی دانشوروں نے اسلامک ڈومینو تھیوری کے حوالے سے طالبان کی بڑھتی ہوئی انقلابی قوت اور افغانستان کی ہمسایہ ریاستوں پر اسلامی و انقلابی اثرات کا ازسرنو جائزہ لیا ہے۔ اس جائزہ کی روشنی میں ایک اور اسلام مخالف تھیوری کا ڈول ڈالا جا رہا ہے، جس میں جہاد بنیاد پرستی، فرقہ واریت، اسلامی انتہا پسندی اور دہشت گردی جیسے سانس روک اور خون خشک الفاظ استعمال کر کے غیر اسلامی دنیا کو اسلام سے ڈرانے اور بدظن کرنے کا خصوصی اہتمام اور کچھ اور اسلامی ملکوں کے نام پر سرخ دائرہ کھینچا جانے والا ہے۔

3 فروری

Marfat.com

کم سخن زیادہ آثار

ایلن گرین سپین کم و بیش پورے ایک عشرے سے اس کرۂ ارض پر ایسے شخص ہیں کہ جنہیں یہ امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ وہ جب بولتے ہیں تو باقی سب چپ ہو جاتے ہیں۔ انہیں انتہائی سنجیدگی، خاموشی اور فکر مندی سے سنا جاتا ہے۔ نیویارک سے ٹوکیو اور سنگاپور سے لنڈن تک تمام عالمی اقتصادی مراکز میں سناٹا چھا جاتا ہے، سٹاک ایکسچینج اور مالیاتی اداروں کی نبض رک جاتی ہے، ساہوکار فشارِ خون کا شکار ہو جاتے ہیں اور سود خوروں کا سانس اکھڑا رہتا ہے کہ ایلن گرین سپین کیا کہیں گے، جانے کیا کہد یں، کیا وہ شرح سود بڑھا دیں گے، کم کریں گے یا اسی سطح پر برقرار رکھیں گے۔

ایلن گرین سپین پچھلے دس برسوں سے امریکی معیشت بلکہ عالمی معیشت کے ناخدا بنے ہوئے ہیں، امریکی حکومت کی معاشی و اقتصادی پالیسز بنانا، ان کا نفاذ اور مانیٹرنگ فیڈرل ریزرو بورڈ کی ذمہ داری ہے اور ایلن گرین سپین اسی فیڈرل ریزرو بورڈ کے چیئر مین ہیں۔

اکہتر سالہ مجرد ایلن گرین سپین نے اپنے آپ کو امریکی معیشت کے ایسے ماہر کے طور پر منوالیا ہے کہ جنہیں امریکی عوام، حکومت، کاروباری حلقوں، کانگریس، وہائٹ ہاؤس اور علمی مراکز کا بیک وقت مکمل اعتماد حاصل ہے۔ پچھلے پورے عشرے میں امریکی معیشت میں جو تاریخی اور ٹھوس مضبوطی آئی ہے، اس میں ایلن گرین سپین کی ذہانت مہارت، باریک بینی اور دوراندیشی کا بھی خاطر خواہ حصہ ہے۔ کم گو، پُراسرار اطوار اور موٹے شیشوں کی عینک والے ایلن گرین سپین ایسے پروفیسر کی طرح لگتے ہیں، جو بہت زیادہ جاننے کے باوجود بھی طلباء کو اسی قدر پڑھاتا ہے کہ جتنا وہ سمجھ سکیں۔

ایلن گرین سپین کو امریکی انتظامیہ میں انتہائی طاقتور مانا جاتا ہے لیکن انہیں

Marfat.com

طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار اور سب سے پرانا عہدیدار اور بیوروکریٹ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ایسا عہدیدار کہ جسے چھ امریکی صدور کے ساتھ کام کرنے کا منفرد تجربہ ہے۔

ایلن گرین سپین 1926 میں نیویارک میں پیدا ہوئے۔ ابھی چار سال کے ہی تھے کہ والدین میں طلاق ہوگئی اور وہ روایتی امریکی ''سنگل پیرنٹ، فیملی میں اپنی والدہ کے زیرِ سایہ پروان چڑھے۔ نیویارک سے ہائی سکول پاس کر لینے کے بعد انہیں موسیقار بننے کا شوق ہوگیا اور وہ جروم بینڈ گروپ کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ گانے بجانے کے اس گروپ کے ساتھ وہ شہر بہ شہر پھرتے رہے لیکن جلد ہی وہ اس سے اکتا گئے۔ بعد میں ایلن گرین سپین نے نیویارک یونیورسٹی سے کامرس اور اکنامکس میں ڈگری حاصل کی اور پھر اس یونیورسٹی سے معاشیات میں ڈاکٹریٹ بھی کر لی۔

ایلن گرین سپین نے 1966 میں صدر رچرڈ نکسن کی صدارتی انتخابی مہم میں ان کے پالیسی ریسرچ ڈائریکٹر کی حیثیت سے کام شروع کیا اور 1974 میں صدر رچرڈ نکسن نے گرین سپین کو معاشی ماہرین کی کونسل کا چیئرمین مقرر کر دیا۔ رچرڈ نکسن کے بعد صدر جیرالڈ فورڈ نے نہ صرف گرین سپین کو اسی عہدے پر مامور رہنے دیا بلکہ انہیں صدر فورڈ کا انتہائی قریبی مشیر سمجھا جانے لگا۔ بعد میں صدر رونالڈ ریگن نے ایلن گرین سپین کو فیڈرل ریزرو بورڈ کا چیئرمین نامزد کر دیا۔ چیئرمین کی حیثیت سے ان کے سامنے دو مشکل ترین کام یہ تھے کہ افراطِ زر کو کنٹرول کیا جائے اور امریکی معیشیت کو سنبھالا دیا جائے، ایلن گرین قسمت کے ایسے خوش بخت نکلے کہ وہ یہ دونوں مشکل مرحلے آسانی سے طے کر گئے۔ صدر ریگن کے بعد صدر جارج بش اور صدر بل کلنٹن نے بھی انہیں اسی منصب پر برقرار رکھا۔ یوں ایلن گرین سپین کو امریکہ کے پانچ صدور کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا اور چھٹے صدر کے ساتھ ان کے کام کرتے رہنے کے خاصے مواقع اور امکانات موجود ہیں چونکہ وہ ری پبلکن

Marfat.com

رجحان والے عہدیدار مشہور ہیں۔

معاشی مشاورت اور مہارت کے میدان میں ایلن گرین سپین جس قدر کامیاب ہوئے، نجی زندگی میں وہ اسی قدر ناکام رہے۔ 1995 میں جوئین مشل سے ان کی شادی ہوئی لیکن مصوری اور معاشیات ساتھ ساتھ نہ چل سکے۔ مشہور مصورہ جوئین مشل اور اعدادوشمار والے ایلن گرین سپین میں ایک سال سے بھی کم مدت میں طلاق ہوگئی۔ اس کے بعد شہرہ آفاق ٹی وی رپورٹر باربراوالٹرز سے ایلن کی شناسائی ہوئی اور شناسائی سے معاشقہ لیکن ان کے درمیان شادی کی گڈی نہ چڑھ کے دی، حتیٰ کہ باربراوالٹرز نے کسی اور سے شادی کرلی۔ 1984 میں ایلن گرین سپین ایک اور مشل سے معاشقے کی زد میں آ گئے، انڈریا مشل بھی ٹی وی کی مشہور رپورٹر ہیں اور دونوں کا معاشقہ بھی عمر قید جتنی سزا کاٹ چکا ہے لیکن یہ آزاد ہونے میں نہیں آرہے۔ تادمِ تحریر طویل عرصے سے جوڑ پڑے ہونے کے باوجود شادی کا پیچ پڑنا ہنوز باقی ہے۔

پچھلے دنوں ایلن گرین کی یہ بات خاصی مشہور ہوئی کہ ''اگر ماہر ہوتو ایک بھی کافی ہوتا ہے،، انہوں نے یہ بات جس بھی سیاق وسباق میں کہی ہومگر ہمارے اوپر پلچ کی طرح فٹ بیٹھتی ہے۔ ہمارے ہاں جس قدر ماہرین بڑھتے جارہے ہیں ہماری حالت اسی قدر غیر ہوتی جارہی ہے۔ خصوصاً تعلیم، سیاست اور معاشیات میں۔ ہمیں جس قدر ماہرین میسر آئے، دنیا بھر میں کسی اور ملک کو اس کے دس فیصد بھی نہ ملے ہوں گے اور انہی شعبوں میں ہم جس قدر درماندہ ہیں، دوسرے ملک کم ہی ہوں گے۔

ماہرینِ سیاست

ماہرینِ معاشیات

ماہرینِ تعلیم

ماہرینِ مذاکرات وخارجہ پالیسی

Marfat.com

ماہرینِ بہشتی زیور و اسلامیات

ماہرینِ ماحولیات و آلودگی

ماہرین جوڑ توڑ و مشاطگی

ماہرینِ علم و ادب و صحافت

ماہرینِ زراعت و آبپاشی

غرضیکہ کونسا شعبہ ہے کہ جس کے ماہرین ہمارے معاشرے میں موجود نہیں ہیں اور باافراط نہیں ہیں۔ حیرانی البتہ اس میں یہ ہوتی ہے کہ گندے پانی کے چوبچہ اور برساتی بدرو میں پیدا ہونے والے یہ تیراک اور غوطہ خور اپنے مفادات اور صلاحیتوں کے کیسے صیقل گر نکلے کہ جہاں جہاں تھے، وہیں وہیں وطنِ عزیز کی بیڑی ڈبودی، مگر اپنی اور اپنی معذور کند ذہن، کام چور، اور بدفطرت آل اولاد کی سوراخ زدہ کشتی بھی تیز رفتار سٹیمر میں بدل دی۔

انقلابِ فرانس کے دوران موجودہ ایفل ٹاور کے قریب یک لخت گردن کاٹنے والا جو گلوٹین گاڑا گیا تھا، اس کے نیچے آنے والی اکثر گردنیں مہارت کے وصف سے ایستادہ اور مشاورت کے زعم میں راست رہی تھیں۔ فرانس کی عوامی عدالت نے فیصلہ دیا کہ چونکہ اہلِ فرانس کے آلام و مصائب میں ان جعلی ماہرین، مراعات یافتہ مشیر اور بے عملے مشاہیر کا بھی خاصا حصہ ہے۔ سو انہیں بھی جعلی مہارت سازی کے جرم میں گلوٹین کے عین نیچے لٹا دیا جائے۔

ہمیں خدشہ ہے کہ مواخذے کے سمے انقلاب کی اس ابتلا میں سے وطنِ عزیز کے ماہرین کہاں تک بچیں گے اور کہاں بھاگیں گے کہ ادھر تو انشاء اللہ جگہ بہ جگہ گلوٹین گڑے ہوں گے اور عدالتیں لگی ہوں گی کیونکہ ہمارے عوام بھی اب یہ جان گئے ہیں کہ ان کے مصائب، ابتلا اور ابتری میں کون کون شریک اور کیا کیا شامل ہے؟ اس زمین کو بنجر بنانے میں کون کون سے ماہرین کیسے کیسے غوطہ خور اور کن کن تیراکوں کا ہاتھ ہے؟

6 فروری

Marfat.com

محاصرہ ڈیلا ویر

ریاست ڈیلا ویر میں 9 فروری کو منعقدہ صدارتی پرائمری انتخابات میں جارج بش نے تمام کے تمام ڈیلی گیٹ حاصل کر کے جان میکین کیمپ کو دفاعی صورتِ حال سے دوچار کر دیا ہے۔ اسی طرح بل بریڈلی نے 45 فیصد ووٹ اور 9 ڈیلی گیٹ حاصل کر کے نائب صدر الگور کے کیمپ میں سنسنی پھیلا دی ہے۔ ساڑھے سات لاکھ کی آبادی کی چھوٹی سی ریاست ڈیلاوئیر کی عوام نے اس بات پر سکھ کا سانس لیا ہے کہ پرائمری الیکشن کی آڑ میں امیدواروں، میڈیا اور سیاسی کارکنوں کا ڈیلاوئیر کا محاصرہ بالآخر ختم ہوگیا ہے اور زندگی معمول پر آ رہی ہے۔ ریاست ڈیلاوئیر کے پرائمری انتخابات میں حاصل کردہ ڈیلی گیٹس کی صورتِ حال یہ رہی۔

ری پبلکن پارٹی:

امیدوار	فیصد ووٹ	حاصل کردہ (ڈیلی گیٹ)
گورنر جارج بش	51%	12
سینیٹر جان میکین	25%	0
سٹیو فوربس	20%	0
ڈیموکریٹک پارٹی:		
نائب صدر الگور	50%	13
سینیٹر بل بریڈلی	45%	9

9 فروری

فیڈرل الیکشن فنڈز کی ہما

فیڈرل الیکشن کمیشن نے صدارتی انتخابات برائے 2000 کے لئے امیدواروں کو انتخابی اخراجات کے لئے وفاقی حکومت کی طرف سے مہیا کی جانے والی رقوم کا اعلان اور شیڈول جاری کر دیا ہے۔ یہ بھی طے کر دیا گیا ہے کہ ان رقوم کو

Marfat.com

کب اور کیسے خرچ کیا جا سکے گا؟

پارٹی کی طرف سے نامزدگی سے پہلے یعنی پرائمری انتخابات میں ہر امیدوار اپنی ابتدائی مہم پر 40.536 ملین ڈالر خرچ کر سکتا ہے۔ پارٹی کی طرف سے نامزدگی کے بعد پارٹی کو اپنے امیدوار پر 13.680 ملین ڈالر خرچ کرنے کے لئے دیئے جائیں گے اور دونوں پارٹیوں کو اپنے اپنے کنونشن پر اخراجات کے لئے مزید 13.512 ملین ڈالر دیئے جائیں گے۔ اس طرح وفاقی حکومت کی طرف سے ہر امیدوار کو قریب 67.56 ملین ڈالر محض صدارتی انتخاب لڑنے کے لیے دیئے جائیں گے۔ اس سے زیادہ اخراجات کے لیے پارٹیوں کو عوام کی طرف سے دیئے گئے عطیات، فنڈ ریزنگ اور دوسرے ذرائع پر انحصار کرنا ہوگا۔ عطیات اور فنڈ ریزنگ سے ملنے والی رقم پارٹی اپنی صوابدید سے کسی بھی طرح خرچ کر سکتی ہے لیکن ان رقوم کا ایک ڈالر بھی امیدوار اپنی ذاتی حیثیت اور صوابدید سے خرچ نہیں کر سکتا ہے۔

عطیات اور دوسرے ذرائع سے ملنے والی رقم کی پائی پائی کا حساب رکھنا لازمی ہے کہ کہاں سے آئے اور کدھر خرچ ہوئے؟ حکومت، عوام، میڈیا اور مخالفوں کی نظر اپنی رقوم کے لین دین پر لگی رہتی ہے، پارٹی اور امیدوار کی طرف سے رتی بھر ہیرا پھیری یا غفلت ساری انتخابی مہم پر سہاگہ پھیر سکتی ہے۔ اس سارے سیاسی عمل میں سب سے زیادہ متاثر کن بات یہ ہے کہ صدارتی امیدوار کا اپنی جیب سے ایک ڈالر بھی خرچ نہیں ہوتا، بلے بلے ہو کہ بہہ جا بہہ جا، سرخ روئی ہو کہ رسوائی، مدح ہو کہ ذم ہر دو صورتوں میں امیدوار کسی مالی دباؤ کا شکار نہیں ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ شکار ہونا اور دباؤ کے نیچے نہ آنا چاہتے ہوں البتہ رضا کارانہ مال سوزی کی کھلی اجازت ہے۔

1996 کی صدارتی انتخابات، جن میں صدر بل کلنٹن اور سینیٹر باب ڈول صدارتی امیدوار تھے، دونوں نے اپنی اپنی انتخابی مہم کے لئے ایک ڈالر بھی نہ دیا

Marfat.com

جبکہ باب ڈول کی مہم پر 44.60 ملین ڈالر اور بل کلنٹن کی مہم پر 42.489 ملین ڈالر خرچ ہوئے۔ البتہ راس پیرو کے 1996 کے انتخابات میں 8 لاکھ ڈالر اور اس سے پہلے کے 1992 کے انتخابات میں وہ کئی ملین ڈالر کا گھر پھونک کر تماشہ دیکھ چکے ہیں کہ انہیں نہ تو اپنی ریفارم پارٹی کی طرف سے انتخابی مہم کے مصارف مل سکے، نہ ووٹ، فیڈرل گورنمنٹ کی طرف سے انتخابی مہم کے مصارف کی مد میں ملنے والے 29 ملین ڈالر سے کئی گناہ زیادہ انہوں نے خرچ کر دیئے لیکن راس پیرو مال دولت والے بادشاہ آدمی ہیں۔ انہوں نے کچھ ہی سال پہلے اپنی کمپنی الیکٹرونک ڈیٹا سسٹم ڈھائی بلین ڈالر میں جنرل موٹرز کو فروخت کی تھی۔ لگتا ہے اس میں سے کافی سارے ڈالر ابھی تک ان کے پاس موجود ہیں، یہی حال ایک اور ارب پتی صدارتی امیدوار سٹیو فوربس کا ہوا۔ مسٹر فوربس نے 1996 کے انتخابات میں 42 ملین ڈالر اپنی صدارتی مہم پر خرچ کر دیئے، جن میں 37 ملین ڈالر کے قرضہ جات شامل تھے لیکن فیڈرل الیکشن فنڈز کی ہما ان کے قریب بھی نہ پھٹکی۔ موجودہ انتخابات میں بھی سٹیو فوربس صدارتی امیدوار ہیں اور اب تک قریب 31 ملین ڈالر اس کارِ خیر میں خرچ کر چکے ہیں جبکہ امید بندھانے اور ہلاشیری دینے والوں نے بھی ریاست ڈیلا ویر کے پرائمری انتخابات کے بعد دبی زبان میں یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ شاید اس بار بھی سٹیو فوربس فیڈرل الیکشن فنڈز کے کیک کا کوئی ٹکڑا حاصل نہ کر سکیں۔

دوصدیوں کے سیاسی، انتخابی اور جمہوری تجربے سے امریکیوں نے یہ ضرور سیکھ لیا ہے کہ منتخب ہونے والا صدر اور حکومت اگر پلے سے مال لگا کر حکمران منتخب ہوں گے تو ایک تو یہ کہ وہ اس خسارے کو پورا کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ اگلی پچھلی کسر بھی نکالنے کی کوشش کریں اور دوسرا یہ کہ اس پیمانے سے صرف راس پیرو اور سٹیو فوربس ہی صدارت پر براجمان ہو سکتے ہیں لہذا ایسا بندوبست کر دیا گیا ہے کہ نکھٹو اور نردھن بھی اہلیت، صلاحیت اور محنت کے بل

Marfat.com

ہوتے پر صدرِ امریکہ بن سکے۔

11 فروری

پیرانِ کلیسا پہ عجب وقت پڑا ہے

امریکن ایڈز فاؤنڈیشن کے ایک اعلامیے میں بتایا گیا ہے کہ ایک طویل تحقیق کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ امریکی پادریوں میں ایڈز کا مرض دوسرے پیشوں کے افراد کی نسبت نہ صرف چار گنا زیادہ ہے بلکہ عام افراد کے مقابلے میں پادریوں میں ایڈز کا مرض سُرعت سے پھیل رہا ہے۔

ایڈز کے مرض کی بنیادی وجہ انتقالِ خون اور امرد پرستی قرار دی گئی ہے۔ اب جبکہ پادری حضرات انتقالِ خون کے مرحلے سے تو دور ہی رہتے ہیں تو مرض کی دوسری وجہ کا ہونا ہی قرینِ قیاس لگتا ہے گو کہ اس بات کو کھل کر تو کوئی بھی نہیں کہنا چاہتا لیکن سمجھتے سبھی ہیں کہ پادریوں میں ایڈز کی افراط کا کارن کیا ہے، ہمیں خدشہ ہے اور قرائن بھی یہی کہتے ہیں کہ پادریوں میں اس موذی مرض کی وجہ وہی ہو سکتی ہے، جس کا دلوں میں خدشہ ہے۔

یوں بھی امریکی پادری کسی نہ کسی سختی، الزام، شکوہ اور جواب شکوہ سے نبرد آزما ہی رہتے ہیں۔ اس وقت امریکہ کی مختلف جیلوں میں 341 پادری مختلف جرائم میں پابندِ سلاسل ہیں، جو جیلوں میں نہیں ہیں، وہ ایڈز میں مبتلا یا اس سے خوفزدگی کا کشت کاٹ رہے ہیں۔

پادریوں کی سختی ٹل کے ہی نہیں دیتی ہے۔ کچھ ہی سالوں پہلے مشہورِ زمانہ امریکی پادری جمی سویگرٹ، جن کے مشہور ٹی وی تبلیغی شو کے لاکھوں ناظرین تھے، لاس ویگاس کی ایک کسبی کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتے اور رنگ رلیاں مناتے پکڑے گئے، نتیجتاً رسوا ہوئے، روزگار گیا، مقدمہ ہوا اور جیل کاٹی ، یہ وہی پادری جمی سویگرٹ تھے، جنہوں نے جنوبی افریقہ کے مشہور اسلامی سکالر شیخ احمد دیدات سے

Marfat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے یا نہ ہونے پر مناظرہ کیا تھا۔
ابھی جمی سوگیریٹ کی بے راہروی کی گرد بیٹھی بھی نہیں تھی کہ عیسائیت کے ایک اور سٹار پادری جم بیکر بھی دھر لیے گئے۔ ان پر بھی رنڈیوں سے بے تکلفی اور چھیڑ خانی کا الزام عائد ہوا، اس کے ساتھ ساتھ وہ ٹیکس فراڈ کے لپیٹے میں بھی آ گئے، رنڈیوں سے قربت اور ان پر جانثاری کے الزام سے تو شاید پادری جم بیکر بچ نکلتے مگر ٹیکس چوری انہیں راس نہ آئی اور اسی جرم میں چار سال قید با مشقت کی سزا انہیں کاٹنی پڑی۔

اسی طرح ڈکس مور (سیاٹل) کے بڑے پادری بھی حال ہی میں مع اپنی زوجہ محترمہ کے سو سال کے لئے سزایاب ہوئے ہیں۔ پادری رچ ہاتھورن اور ان کی بیگم نے بنا ماں باپ کی ایک سات سالہ بچی جیسیکا کو گود لیا لیکن جیسیکا کے دن نہ پھرے، پادرائن بچی پر جسمانی تشدد کرتیں اور پادری صاحب جنسی، گھر سے جاتے ہوئے بچی کو تہ خانہ میں زنجیر سے باندھ دیا جاتا اور سوتے میں چارپائی سے۔ بالآخر شدائد کی حد اور ظلم کا انت ہوا۔ پادری صاحب کے اپنے بچوں نے ہی پولیس کو جیسیکا کے بارے میں مطلع کر دیا۔

زخم زخم اور خوفزدہ جیسیکا کی حالتِ زار کے سامنے عدالت میں پادری اور پادرائن کی ایک نہ چلی اور دونوں کو سو، سو سال کی سزائے قید سنا دی گئی ہے۔

13 فروری

مال میں سے خرچ کرتے رہا کرو

مائیکرو سافٹ کمپنی کے بل گیٹس جو دنیا بھر میں بلاشبہ امیر ترین شخص ہونے کے ناطے سے جانے جاتے ہیں، شکاگو بورڈ آف ایجوکیشن میں ان کی آمد خاصی خوشگوار اور مفید ثابت ہوئی۔ انہوں نے بورڈ کو ایک ملین ڈالر، سافٹ ویئر کے بھرے دو ٹرک اور دو سو کمپیوٹرز کا عطیہ پیش کیا۔ روزمرہ کے بڑھتے ہوئے تعلیمی

Marfat.com

اخراجات کے پیشِ نظر یہ بات بین الاقوامی سطح پر تسلیم کی جارہی ہے کہ ملکوں ملکوں تعلیمی اخراجات حکومتوں کے بس سے باہر ہوتے جارہے ہیں، خواہ امریکہ ہی کیوں نہ ہو، تعلیم کے میدان میں نجی شعبے اور مخیّر حضرات کی طرف دیکھا جارہا ہے کہ وہ ہاتھ بٹائیں۔

امریکہ اس لحاظ اور اس طرف سے بھی خاصا خوش قسمت ملک ہے کہ یہاں کے پرائیویٹ سیکٹر کی طرف سے سب سے بڑا حصہ تعلیم کے شعبے ہی میں دیا جاتا ہے، صرف 2000-1999 میں پرائیویٹ سیکٹر کی طرف سے تعلیم کی مد میں کم و بیش 522 بلین ڈالر عطیات اور دیگر صورتوں میں دیئے گئے۔ اس رقم کا تین چوتھائی حصہ تحقیق کے لئے اور ایک چوتھائی بنیادی تعلیم اور دوسرے تعلیمی وسائل کی فراہمی کے لئے دیا گیا۔

منافع میں چلنے والی ہر بڑی کامیاب کمپنی کسی نہ کسی طرح تعلیمی اداروں سے وابستہ ہے۔ کوئی کمپنی تحقیق کے لئے رقم فراہم کرتی ہے اور کوئی لائبریری کی کتب کے لئے، کوئی کمپیوٹرز دے دیتی ہے، کوئی وظائف، کوئی زمین کا ٹکڑا، کوئی طلباء کو ٹریننگ دے رہی ہے، کوئی اساتذہ کو۔ حسبِ توفیق وضرورت ہر کوئی اس کارِخیر میں شریک اور شراکت دار ہے اور کچھ نہ بن پڑا تو آئس کریم کی ایک مقامی کمپنی نے سکول کے بچوں کے لئے بیس بال میچ کے خاتمے پر کئی سو گیلن آئس کریم ہی بھیج دی۔

یہاں کے برعکس کئی ممالک ایسے بھی ہیں کہ جہاں شعبہ تعلیم کو کچھ دینے کی بجائے وہاں سے کچھ نہ کچھ ہتھیانے کا چلن عام ہے۔ کہیں تعلیمی اداروں کی زمین پر قبضہ گروپ قابض ہیں اور کہیں عمارتوں پر انتظامیہ، بجٹ ڈاکوؤں کی زد میں اور ادارے کی خریداری پر کمیشن، فیصد اور حصے کے اضافی اخراجات کا بوجھ۔

قبضہ گروپ، انتظامیہ، ڈاکوؤں، لال فیتہ اور سنہرے ہاتھوں سے کشید ہو کر جو تعلیمی اداروں تک پہنچ پاتا ہے۔ اس میں اتنی گنجائش بھی نہیں ہوتی ہے کہ طلباء اور

Marfat.com

اساتذہ کو ایک گلاس ٹھنڈا پانی ہی میسر آ سکے۔ اس سطح بہ سطح عملِ کشید کے بعد جو میسر آ سکتا ہے، وہ البتہ ضرور میسر ہے۔ اس میں کچھ کلام نہیں۔

ملک کے طول وعرض میں آدھے سے زیادہ پرائمری اور ہائی سکولوں میں درخت کے ٹنڈ سے زنجیر بندھی ہے اور زنجیر کے سرے پر دھات کا گلاس۔ درخت کی دھوپ چھاؤں کے سنگم پر پانی کی کھلے منہ والی مٹ رکھی ہے اور ہم تعلیم کے 2 فیصد بجٹ سے اکیسویں صدی کی تسخیر کے منصوبے باندھ رہے ہیں۔

15 فروری

غریبی میں نام پیدا کر

انسٹیٹیوٹ آف اکیڈمک ریسرچ نے ایک طویل سروے اور تحقیق کے بعد بالآخر اپنی رپورٹ شائع کر دی ہے۔ رپورٹ منظرِ عام پر کیا آئی کہ جیسے زلزلہ آ گیا۔ وائٹ ہاؤس سے لے کر سکولوں کے سٹاف رومز تک، ہر جگہ اسی رپورٹ کے مندرجات پر بحث ہو رہی ہے، لمحہ فکریہ نے کچھ کو حالتِ دفاع میں مبتلا کر دیا ہے اور کچھ تابڑ توڑ حملہ کر رہے ہیں، کسی کو اندیشہ جواب دہی لاحق ہو گیا ہے اور کچھ پالیسی سازوں کو گھور رہے ہیں، کہیں بیچ بچاؤ کا ڈول ڈالنے کی سعی کی جا رہی ہے اور کچھ تیر ترازو کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ قومی سطح پر سکولوں کے سات لاکھ بچوں کا سروے کیا گیا اور اس سروے کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ امریکہ بھر میں سکولوں کے طلباء اوسطاً روزانہ صرف سات منٹ ریڈنگ پریکٹس یعنی پڑھنے کی مشق میں صرف کرتے ہیں جبکہ ریڈنگ اور ریڈنگ پریکٹس کو ہر سکول کے نصاب میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ سکولوں کے 510 بلین ڈالر اوسطاً سالانہ بجٹ کے سوا مزید 108 بلین ڈالر اوسطاً سالانہ، سکولوں میں صرف ریڈنگ، ریڈنگ پروگرامز، ریڈنگ پریکٹس اور فرفر ریڈنگ کی صلاحیت حاصل کرنے اور بڑھانے

Marfat.com

میں خرچ کیے جارہے ہیں جبکہ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ طلباء ریڈنگ میں ہی سب سے کم وقت صرف کرتے ہیں حالانکہ ہر ریاست کے بورڈ آف ایجوکیشن اور وفاقی وزارتِ تعلیم کی طرف سے ریڈنگ اور ریڈنگ پریکٹس کے لئے روزانہ کم سے کم 70 سے 90 منٹ لازمی مختص ہیں۔

اس رپورٹ کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے ہی امریکن سکول سسٹم تنقید کے دباؤ اور اصلاحات کی زد میں تھا۔ اس تنقید اور دباؤ کے پیشِ نظر صدارتی امیدواروں کے ایجنڈے میں تعلیم اور نظامِ تعلیم کی اصلاح سرِفہرست آ گئی ہے۔ ہر امیدوار تعلیم اور سکولز کے موضوع پر اس مہارت، دیدہ دلیری اور پُر اعتماد لہجہ میں سخن طراز ہے کہ انہیں دیکھ کر وطن سے دور ہوتے ہوئے بھی وطنِ عزیز کی بیوروکریسی کی بدروسے برآمد زدہ ماہرین تعلیمی روک تھام اور رکاوٹ تعلیم نقاب پوش جہلا نمائندے یاد آ، آ جاتے ہیں۔ امیدوار اپنے اپنے تعلیمی مشیر و ماہرین کے لمبے لمبے لیکچر سن رہے ہیں اور ان کی تجاویز میں اپنی دانشوری اور تدبر کی ملاوٹ کرنے کے بعد عوام کے سامنے قبولیت کے لئے پیش کر رہے ہیں لیکن سسٹم کو چلانے والے پسِ پردہ اصل ماہرین ان تجاویز کو مشکوک نظروں سے اور ان تجاویز کے محرکین کو مشتبہ نظروں سے دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔

مسکراہٹ کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ صدارتی امیدواروں کے اکثر ماہرین اور بیشتر مشیر وہی لوگ تو ہیں، جنہیں کل کلاں موجودہ خرابی کا باعث قرار دیا جائے گا یا قرار دیا جا چکا ہے۔

اس وقت امریکہ کے سکولوں میں (پہلی تا بارہویں) جماعت میں 71 ملین بچے زیرِ تعلیم ہیں اور ایک بچہ پر اوسطاً ساڑھے چھ ہزار ڈالر سالانہ خرچ ہو رہے ہیں، جس میں وفاق کے 9 فیصد، متعلقہ ریاست کے 39 فیصد اور لوکل گورنمنٹ کا 52 فیصد حصہ شامل ہے۔ اس طرح تعلیم کی مد میں صرف سکول کی سطح پر ہی سالانہ 462 بلین ڈالر سالانہ خرچ ہو رہے ہیں لیکن اس کثیر سرمائے کے صرف کے

Marfat.com

عوض ہونیوالی یافت کو معیار میں کمتر کارکردگی میں نامنظور، کارگزاری میں سوالیہ اور کامیابی میں مشکوک سمجھا جارہا ہے، یہ صرف سمجھنے کی حد تک ہی ہے، ورنہ مجموعی طور پرامریکہ کا نظامِ تعلیم اپنی وسعت، گہرائی اوراثر پذیری میں بے مثال ہے۔

اصل مسئلہ 462 بلین ڈالر سالانہ مصارف کا نہیں ہے بلکہ ان مصارف کے جواز اورانہیں حلال قرار دینے سے متعلق ہے۔

اسی انسٹیٹیوٹ کی پچھلی رپورٹ پر بھی ایسا ہی ہنگامہ چل سوچل برپا ہو چکا ہے۔ پچھلے سال والی رپورٹ میں ملکوں ملکوں سکول کی سطح پر مصارف اور طلباء کی کارکردگی اور EFFICIENCY کے تقابلی جائزے میں امریکی طلباء آٹھویں پوزیشن حاصل کر پائے جبکہ کوریا، جاپان، چین، جرمنی اور سویڈن کے طلباء امریکی طلباء پر سبقت لے گئے، جبکہ ان مذکورہ ممالک میں سالانہ اوسط اخراجات فی بچہ امریکہ کے اخراجات فی بچہ کے ایک تہائی سے بھی کہیں کم ہیں۔

انسٹیٹیوٹ آف اکیڈمک ریسرچ کی رپورٹس سے دلوں کے اند جو پھٹ اور بین السطور جو سیاپہ پڑا ہے، وہ سادہ لفظوں میں بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ امریکی بچہ پر سالانہ 500 6 ڈالر خرچ کیے جانے کے باوجود نسبتاً ایشائی بچوں کی کارکردگی امریکی بچوں سے کہیں آگے ہے حالانکہ ایشیائی بچوں پر تعلیمی مصارف کا یہ حال ہے کہ...... ہرچند کہیں ہے کہ نہیں ہے۔

یوں لگتا ہے کہ جیسے علامہ اقبال کی کم ازکم، غریبی میں نام پیدا کرنے والی بات ان ایشیائی اقوام کو بھی ماننا پڑے گی کہ جنہوں نے اب تک اسے نہیں مانا ہے

18 فروری

سے فٹے منہ ایسی صدارت کا

جوں جوں صدر بل کلنٹن کے وہائٹ ہاؤس سے رخصتی کے دن قریب آتے جارہے ہیں، ان کا مستقبل مخدوش حالات ناگفتہ بہ اور اوسان خطا ہورہے ہیں۔

Marfat.com

آج کی واشنگٹن پوسٹ میں ایک مضمون اس بارے میں خاصا دلچسپ شائع ہوا ہے۔ مضمون نگار کا کہنا ہے کہ عہدِ صدارت کے اختتام کے ساتھ ہی صدر کلنٹن ان قانونی مراعات کے حصار سے باہر ہوں گے، جو انہیں بطور صدر امریکہ حاصل ہیں اور ان مراعات و تحفظات کے بنا ان پر کئی مقدمے قائم ہو سکتے ہیں۔ اِدھر جناب کلنٹن کی مالی حیثیت بھی کچھ ایسی مستحکم نہیں ہے کہ وہ پے در پے قانونی حملوں کا عدالتی توڑ آسانی سے کر سکیں گے۔ انہیں اپنے رہنے کے لئے مکان خریدنے کا مسئلہ درپیش ہے اور کوئی بنک، کوئی مالیاتی ادارہ ٹھوس مالی ضمانت کے بغیر قرض دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ ادھر ہیلری کلنٹن بھی دل میں خار کھائے بیٹھی لگتی ہیں، عین ممکن ہے کہ صدر کلنٹن کی وائٹ ہاؤس سے رخصتی کے فوراً بعد میاں بیوی کے دلوں میں چھپی ہوئی چپقلش سرِ عام تو تو میں، میں بدل جائے

صدر کلنٹن کے بھائی جو منشیات کے استعمال اور فروخت میں سزا کاٹ رہے ہیں۔ ادھر سے بھی کچھ خیر کی خبر نہیں آتی۔ وہ جیل کے اندر رسیاں تڑوا رہے ہیں کہ بھائی میرا صدر امریکہ اور وہ مجھے یہاں جیل سے بھی نہیں چھڑا سکتا، فتٔے منہ ایسی صدارت کا...... !

19 فروری

ڈی این اے۔ پروانہ بریت

کک کاؤنٹی جیل (شکاگو) میں سزائے موت کے منتظر 13 قیدیوں کو رہا کر دیا گیا ہے۔ یہ بریت طریقہ تفتیش میں جدید ٹیکنالوجی کی بدولت عمل میں آئی ہے۔ ڈی این اے بلڈ ٹیسٹ اور جدید فرینسزک سائنس نے ان ملزموں کو بے گناہ ثابت کر دیا ہے۔ ان کی اس بریت اور بے گناہی پر پورے امریکہ میں شدید ردِ عمل ہو رہا ہے۔

یہ مسئلہ پوری شدت سے پھر موضوع بحث ہے کہ جو پھانسی کی سزا پا چکے ہیں،

Marfat.com

ان میں سے بے گناہ کتنے تھے۔ان بے گناہ مقتولوں کے تابوت کا ڈھکنا کھول کر یہ کیسے کہا جائے کہ افسوس آپ کو بے گناہ پھانسی دے دی گئی تھی۔ ہماری معذرت قبول کیجیے۔اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جنہیں پھانسی کی سزا دی جاتی ہے، وہ واقعی قتل کے مرتکب بھی ہوئے۔آخر ایسا کون سا پیمانہ ہے اور یہ کیسے یقینی بنایا جائے کہ کسی بے گناہ کو پھانسی نہیں دی جارہی، جیسا کہ واقعات سے ثابت ہوا ہے کہ وہ 13 مجرم جو سزائے موت کی کوٹھڑی میں موت کے منتظر تھے اور انہیں کسی بھی وقت سزا دی جا سکتی تھی، بے گناہ ثابت ہوئے۔

1997 سے 1999 تک صرف ریاست الی نائے کی عدالتوں سے ہی 25 قاتلوں کو سزائے موت سنائی گئی، جن میں سے 13 بے گناہ تھے۔اس واقعہ نے امریکی انصاف، عدالتی نظام، طریقہ تفتیش اور انسانی حقوق کی علمبرداری کی خوش رنگ عمارت کو منہدم کر دیا ہے۔

رائے عامہ کے دباؤ اور منطقی حل کی عدم موجودگی کے باعث گورنر جارج رائن نے الی نائے میں سزائے موت کو تاحکم ثانی منسوخ کر دیا ہے اور گورنر جارج رائن کی پیروی میں دوسری ریاستوں میں بھی اسی طرح کی قانون سازی پر زور دیا جارہا ہے۔ بنیادی نکتہ یہ ہے کہ کسی ایک بے گناہ کو پھانسی سے محفوظ رکھنا کئی قاتلوں کو پھانسی دے دینے سے کہیں زیادہ احسن ہے۔

گورنر جارج رائن کے سزائے موت کو منسوخ کر دینے کے اقدام کو انتہائی جراتمندانہ، انقلابی اور ان کا بہترین فیصلہ قرار دیا جارہا ہے۔

20 فروری

سیاسی بوزنہ و جمہوری زلیخا

انٹر پارلیمنٹری یونین جنیوا کے ایک اعلامیے میں اکیسویں صدی اور جمہوریت کے حوالے سے دنیا بھر میں تازہ ترین ''جمہوری صورتِ حال،، پر روشنی ڈالی گئی

Marfat.com

ہے۔ بتایا گیا ہے دنیا کی 192 مقتدرِ اعلیٰ ریاستوں میں سے 179 میں جمہوریت رائج ہو چکی ہے اور ان 179 آزاد ممالک میں رائے شماری کا کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور رائج ہے اور عوام حکومتوں کے چناؤ میں سرگرمی سے شریک ہوتے ہیں۔

عالمی جمہوری تناظر میں تو یہ رپورٹ خاصی حوصلہ افزاء ہے کہ دنیا بھر کی کل آبادی کا 93 فیصد حصہ جمہوری عمل میں سرگرم اور اس سے مستفید ہو رہا ہے لیکن ہم اپنے وطن میں جمہوری تجربہ کے حوالے سے عالمِ جمہوریت کے فروغ پر بھی زمینی تحفظات رکھتے ہیں۔ اگر باقی دنیا میں بھی پاکستان کی طرح جمہوریت کا مطلب ڈھونڈ ڈھانڈ کر ڈاکوؤں، راشیوں، لیٹروں، شہدوں اور خواجہ سراؤں ہی کو منتخب کرنا ہے تو ایسی جمہوریت خواہ کہیں بھی ہو، انسانی مسائل کو بھلا کیا حل کر سکے گی۔

انٹر پارلیمنٹری یونین کو جمہوریت کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ جمہوریت کے معیار کے بارے میں بھی سوچنا پڑے گا۔ سیاسی بوزنہ اور جمہوری زلیخا قسم کے منتخب نمائندوں نے پاکستان کا معاشی اور معاشرتی دیوالیہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ اگر انٹر پارلیمانی یونین کا روئے سخن ایسی ہی جمہوریت کی طرف ہے کہ جس میں لیٹروں کو جلاوطنی اور خود ساختہ جلاوطنی کی قانونی سہولتیں اور اجازت حاصل ہو تو ہمارے لئے ان سات فیصد میں ہونا ہی مناسب ہے کہ جہاں جمہوریت کا روگ جڑوں تک نہیں پھیلا ہے۔ انٹر پارلیمنٹری یونین کو جمہوریت اور ہٹ دھرمی و بے شرمی کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنا ہی پڑے گا۔ اگر یونین کے 93 فیصد میں ہم بھی شامل ہیں تو یونین کے یہ سارے اعداد و شمار مبنی بر حقائق نہیں کہے جا سکتے ہیں۔ یوں بھی وہ ممالک یونین کی اس عددی کرشمہ سازی میں کیسے شمار کئے جا سکتے ہیں کہ جن کا سیاسی بوزنہ عمر قید سے رسی تڑا کر باہر بیٹھا استخارے کھینچ رہا ہو اور جمہوری زلیخا عدالتوں کو مطلوب اور قانون سے مفرور ہو۔

23 فروری

Marfat.com

چشمِ محوِ حیرت

بائیوٹیکنالوجی اور جینیٹک انجینئرنگ ورلڈ کانفرنس شکاگو میں یوں تو دنیا بھر کے سائنسدان شرکت کر رہے ہیں لیکن اکثریت کینیڈین اور امریکی سائنسدانوں کی ہے۔ ان سائنسدانوں میں یونیورسٹی کے پروفیسرز ہیں، محقق ہیں، کیمسٹس ہیں، کمپیوٹر ایکسپرٹس ہیں اور چپ (CHIP) ڈیزائنر ہیں۔

ملینیم 2000 کے حوالے سے پچھلے سال اس سوال کی بازگشت سنی گئی تھی کہ اکیسویں صدی میں انسان کیسا ہوگا اور کس قدر ترقی کر چکا ہوگا۔ پچھلے سال کے اس سوال کا جواب آج اس کانفرنس میں خاصی حد تک دے دیا گیا ہے۔

جب سے انسانی خون کا کوڈ پڑھ لیا گیا ہے اور ڈی این اے کا اُسرار جان لیا گیا ہے۔ امکانات کا ایک نیا اُفق روشن ہوگیا ہے۔ آئی آئی ٹی کے سائنسدان رگھ شیلڈرک اور آئی بی ایم کے چپ ڈیزائنر کے اس مقالے پر دل کھول کر تالیاں بجائی جارہی ہیں کہ ایک ایسا چپ ڈیزائن کیا جارہا ہے کہ جسے انسانی ہتھیلی میں پیوست کیا جاسکتا ہے۔ ہتھیلی سکینر کے سامنے کی اور شخصیت کا سارا کچا چٹھہ، اسرار اور ماجرا کمپیوٹر سکرین پر نمودار ہوگیا۔ آپ کون ہیں اور آپ کی شناخت کیا ہے؟ اپنے والدین کی قصداً اور جائز اولاد ہیں یا نری شرمندگی واتفاقیہ۔ ذہنی میلان کدھر کو ہے اور اٹھان کیسا ہے؟ بزرگوں کی سات نسلوں میں کون کون سے امراض عام تھے اور آپ کو ان میں سے کیا کیا لاحق ہے، ہوسکتا ہے یا ہو کر رہے گا، اوسط عمر کتنی ہوسکتی ہے؟ کن دوائیوں سے الرجک ہیں اور کونسی اکسیر بن کر لگتی ہیں، دل کی کیا حالت ہے؟ کس قدر قابو میں ہے اور بے قابو ہونے کی وجوہات میں کیا کیا شامل ہے؟ دماغ کی کیا کیفیت ہے اور دل و دماغ ردِ عمل میں کیسے ہیں؟

دل، دماغ، بینائی اور قوتِ مدافعت میں کون سا سامان پہلے جائے گا اور اس کا تدارک کب تک کرلینا چاہیے۔ ممکنہ پیش بندیوں اور حفاظتی اقدامات کی تفصیل

Marfat.com

درج ہوگی۔ آپ کے دل، گردہ اور جگر وغیرہ کا ناپ کیا ہے۔ ان کو بدلوا لینے میں فائدہ ہے یا انہی پر قناعت کئے رکھنے میں۔ اگر آپ نے اپنی نسل بڑھائی تو آل اولاد میں کیا کیا امراض و اوصاف ہو سکتے ہیں اور کیا قباحتیں پیش آئیں گی؟ کس ٹائپ کی زوجہ مناسب رہے گی اور زوجہ محترمہ کا جینیٹک کوڈ کیا ہونا چاہیے؟

الغرض لڈو کی گوٹی جتنا چپ میڈیکل سائنس میں ایسی تبدیلی لانے والا ہے کہ جس سے تحیر و تجسس کے سو در وا ہوں گے۔

27فروری

صدارتی امیدواروں کا ایجنڈا

کئی ریاستوں میں پرائمری انتخابات کے نتائج اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ری پبلکن سینیٹر جان میکین اور ڈیموکریٹک بل بریڈلی کے ہتھیار ڈالنے کا وقت قریب تر آ گیا ہے اور صدارتی دنگل بالآخر گورنر جارج بش اور نائب صدر الگور کے درمیان ہی پڑے گا۔ انتخابی مہم اب طنز و کنایہ، جذباتی حملوں اور قومی خدمت کی روایتی دعویٰ کے مرحلے سے گزر کر سنجیدہ موضوعات اور امریکہ کے قومی ایشوز کی طرف مڑ گئی ہے۔

دونوں بڑے امیدواروں نے دفاع، خارجہ اور سماجی امور پر اپنا اپنا پالیسی بیان جاری کر کے خود کو میڈیا کے مائیکروسکوپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ مذکورہ موضوعات پر دونوں امیدواروں کی پالیسی ایک دوسرے سے لاکھ مختلف ہونے کے باوجود بھی عالمِ اسلام کے بارے میں یکساں مخاصمت کی حامل ہے۔ یہودیوں کو رام رکھنے کی امریکی پالیسی اب پالیسی سے زیادہ مجبوری بن چکی ہے۔ البتہ دونوں امیدواروں نے جو پالیسی بیان جاری کئے ہیں، امریکی مفادات کے پس منظر میں ان کی ہمہ گیری سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

نائب صدر البرٹ الگور

Marfat.com

امورِ خارجہ

خارجہ پالیسی کے ضمن میں الگور کہتے ہیں کہ سی ٹی بی ٹی کا بل جو سینٹ میں نامنظور ہو کر خارج ہو چکا ہے، اسے قانون سازی کے لئے دوبارہ پیش کیا جائے گا اور اس بل کو قانونی شکل دینے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

ایران اور عراق کے لئے اسلحہ کے حصول پر مکمل اور سخت پابندی عائد کر دی جائے گی۔

انڈیا اور پاکستان، چین اور تائیوان، آرمینیا اور آزربائیجان، شمالی و جنوبی کوریا کے درمیان قیامِ امن کے لئے کوشش جاری رکھیں گے۔

دنیا بھر میں جمہوریت، انسانی حقوق اور قانون کی حکمرانی کے ضمن میں سرمایہ کاری کی جائے گی

چین میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش اور وسائل کو بروئے کار لایا جائے گا۔

بین الاقوامی جرائم، عالمی دہشت گردی، عالمی و ماحولیاتی آلودگی اور منشیات کے خلاف امریکی مزاحمت تیز تر کر دی جائے گی۔

مشرقِ وسطیٰ، شمالی آئرلینڈ اور بلقان کے علاقے میں پائیدار امن کے لئے مذاکراتی کوششیں جاری رکھی جائیں گی۔

امورِ دفاع:

الگور کہتے ہیں کہ ایک مضبوط، تیزی سے حرکت میں آنے والی اور جدید ملٹری فورس ہی امریکی مفادات، عقائد اور اصولوں کی ضامن ہوسکتی ہے۔

الگور کہتے ہیں کہ وہ امریکی مفادات کے تحفظ کے لئے دنیا کے کسی بھی خطے میں امریکی افواج کو استعمال کرنے میں دریغ نہیں کریں گے۔

جدید ہتھیاروں کی تیاری کی روک تھام کی جائے گی اور جدید اسلحہ کے حصول کے لئے بین الاقوامی تجربات پر پابندی عائد کریں گے اور تباہی والے ہتھیاروں کو

Marfat.com

غیر ذمہ دار ہاتھوں میں جانے سے روکا جائے گا۔
نیشنل میزائل ڈیفنس سسٹم کی حمایت کی جائے گی

سماجی امور

الگور اسقاطِ حمل کے حق میں ہیں اور اس عمل کو قانون بنانے پر آمادہ ہیں، اس ضمن میں حکومتی فنڈز بھی مہیا کرنے کے حامی ہیں۔

گورنر جارج بش

امورِ خارجہ

جنوبی ایشیا میں امریکی حلیفوں کے بارے میں نئی پالیسی بنانے کے زبردست حامی ہیں۔
مستقبل میں روس کے لئے آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے قرضوں کی مخالفت کریں گے۔
صدر بنتے ہی تل ابیب (اسرائیل) سے امریکی سفارتخانے کو یروشلم منتقل کر دیں گے
عراق میں ہتھیاروں کا معائنہ دوبارہ شروع کرانے کے لئے اقوامِ متحدہ پر دباؤ ڈالیں گے۔
''ایک چین،، پالیسی کی حمایت کریں گے لیکن تائیوان سیکورٹی ایکٹ کی حمایت جاری رکھی جائے گی۔
امریکہ اور چین کے درمیان تعلقات کا ازسرِ نو تعین کیا جائے گا اور چین کو مسابقت کار ملک کی حیثیت دی جائے گی۔
امریکی فوجی دستوں کو کسی بھی امن مشن کے لئے یو این کمانڈ کے تحت نہیں ہونے دیا جائے گا۔
عالمی مالیاتی اداروں، آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے ضوابط میں اصلاحات کی جائیں گی اور انہیں فعال، جوابدہ اور پابند بنایا جائے گا۔

Marfat.com

امورِ دفاع:

دنیا بھر میں امن قائم رکھنے کے لئے امریکہ کی فوجی برتری کو یقینی بنایا جائے گا اور اس ضمن میں اعلیٰ ترین ملٹری طاقت وجود میں لائی جائے گی۔

بین الاقوامی دہشت گرد ممالک سے سختی سے نبٹا جائے گا۔

امریکہ کے کیے گئے فوجی معاہدوں کا احترام کریں گے لیکن فوری طور پر ایسے اقدامات کے حق میں ہیں کہ درجن بھر ممالک سے امریکی ٹروپس کو واپس لایا جاسکے۔

نیشنل میزائل ڈیفنس سسٹم کو فوری شروع کرنے کے حق میں ہیں اور اس ضمن میں کسی مخالفت کو خاطر میں نہ لانے کا عزم رکھتے ہیں۔

سن 2000 سے 2006 تک دفاعی تحقیق کی مد میں 20 بلین ڈالر کا اضافی بجٹ جاری کریں گے۔

سی ٹی بی ٹی کے شدید مخالف ہیں اور اسے قانونی شکل دینے کی مخالفت جاری رکھیں گے۔

باصلاحیت افراد کو امریکی افواج میں لانے کیلئے فوجیوں کی تنخواہ میں اضافہ کریں گے اور اس ضمن میں ایک بلین ڈالر اضافی خرچ کرنے کے حق میں ہیں۔

سماجی امور:

اسقاطِ حمل کے شدید مخالف ہیں، زچہ و بچہ کی جان کو خطرہ، زنا بالجبر یا طبی نقطہ نگاہ کے برعکس ہر سطح پر اسقاطِ حمل کی مذمت کریں گے۔

بچوں اور جرائم پیشہ افراد سے مہلک اسلحہ دور رکھنے کے لئے قانون سازی کریں گے لیکن امریکی شہریوں کے اسلحہ رکھنے کے حق کی حفاظت کریں گے۔

28 فروری

Marfat.com

لہولہو سنگِ میل

ریاست الباما کے چھوٹے سے شہر سیلما میں ایڈمنڈ برج کو امریکی تاریخ میں سنگِ میل کی سی حیثیت حاصل ہے، واقعہ کی نوعیت کی وجہ سے اب اس پل کو خونی پل کہا جاتا ہے۔

آج سے 35 سال قبل 7 مارچ 1965ء کو امریکی سیاہ فام اقلیت نے اپنے لئے حق رائے دہندگی سے مسلسل انکار کے خلاف اسی پل سے احتجاجی مظاہرے شروع کئے گئے تھے۔ 7 مارچ 1965ء کو اسی جگہ سیاہ فام مظاہرین کا جلوس مشہور سول رائٹس لیڈر ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ کی قیادت میں منظم ہوا، مظاہرین ابھی پل پر ہی تھے کہ پل کے دونوں اطراف سے مظاہرین پر پولیس تشدد شروع ہو گیا۔ آنسو گیس، لاٹھی چارج، فائرنگ، مار کٹائی اور بھاگنے کی راہ مسدود، کچھ پل کے نیچے پانی میں جا گرے، جو نیچے گرنے سے بچ رہے، انہیں پولیس نے خود گرا دیا یا گولی مار دی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایڈمنڈ برج انسانی لہو سے رنگین اور امریکی تاریخ میں رنگین تر ہو گیا۔

آج صدر بل کلنٹن نے اسی واقعہ کی یاد ایڈمنڈ برج پر منعقد ہونے والی ایک تقریب میں شرکت کی ہے۔ خونی پل پر سے گزرتے ہوئے ان کے ایک طرف مسز کوریٹا کنگ ہیں جو ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ کی بیوہ ہیں اور دوسری طرف جارجیا کے کانگرس مین جان لوئیس ہیں۔ اسی صف میں معذوروں کی کرسی میں ہوزیا ولیمز ہیں، جیسی جیکسن ہیں اور کئی دوسرے سیاہ فام لیڈر ہیں۔ یہ وہی جان لوئیس اور ہوزیا ولیمز ہیں، جنہیں 35 سال قبل اسی پل پر پولیس تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ہوزیا ولیمز تو اس کے بعد اپنی ٹانگوں پر کبھی کھڑے نہ ہو سکے۔

صدر بل کلنٹن نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ایڈمنڈ برج کو خونی پل کی بجائے آزادی کا پل قرار دیا ہے کہ اسی پر چلتے ہوئے ہی سیاہ فام امریکیوں کو

Marfat.com

بالآخر مکمل آزادی حاصل ہو سکی۔ انہوں نے مزید کہا کہ ایڈمنڈ برج کے مظاہرین کی قربانی نے صرف سیاہ فاموں کو ہی آزادی نہیں دلائی بلکہ ان کی قربانیوں کے ثمرے میں سفید فاموں کی آزادی اور تمام امریکیوں کے لئے مساوی حقوق بھی شامل ہیں۔ خصوصاً جمی کارٹر اور بل کلنٹن کا صدرِ امریکہ بن جانے کی بنیاد اسی ایڈمنڈ برج کی قربانیوں سے وابستہ ہے۔ اس بات سے ان کا اشارہ غالباً ان چھوٹی چھوٹی جنوبی ریاستوں کی طرف تھا، جہاں سے صدرِ امریکہ منتخب ہو جانا اگر ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور سمجھا جاتا تھا۔

7 مارچ

عالمِ امکانات

یوں تو فریزک ٹیکنالوجی اور ڈی این اے سائنس نے امکانات اور آسانیوں کا ایک عالم وا کر دیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ الٹ پلٹ اور اکھاڑ پچھاڑ بھی در آئی ہے۔ اس صورتِ حال پر جناب حنیف اخگر کا ایک شعر یاد آتا ہے:

ہوئی ہیں اسقدر آسانیوں سے مشکلیں پیدا
کہ ہر آسانی کو ہم اپنی جگہ مشکل سمجھتے ہیں

اس اکھاڑ پچھاڑ کا سب سے زیادہ اثر واشنگٹن ڈی سی میں آرلنگٹن قومی قبرستان پر پڑ رہا ہے۔ اس قبرستان میں نامعلوم سپاہی کی جس لحد پر پھول چڑھائے جاتے تھے، اب وہ نامعلوم نہیں رہی ہے اور اب بذریعہ ڈی این اے اس میں سارجنٹ میلون فنکلی کا ہونا ثابت ہو گیا ہے۔ کل جہاں ٹائم محوِ خواب تھا۔ اب وہاں فریڈی کی فاتحہ، پڑھی جا رہی ہے اور جہاں ٹم کا کتبہ لگا تھا، وہاں آرلین کی سل گاڑی جا رہی ہے۔ لواحقین پہلے زیرِ لحد مدفون پر شک کا اظہار کرتے ہیں، پھر اجازت نامہ اور پھر ڈی این اے رپورٹ۔

مردوں کی ازسرِ نو شناخت کا قضیہ آرلنگٹن کے بعد اب دوسرے قبرستانوں کی

Marfat.com

طرف بڑھ رہا ہے۔ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق پٹس برگ کے فوجی قبرستان میں بھی کچھ اہلِ قبور پر لواحقین میں کھینچا تانی بڑھتی جارہی ہے۔

ڈی این اے سے امریکہ کا خانگی ریگ زار مزید ریخت کی زد میں آ گیا ہے۔ والد محترم کل تک جس بچے کو کاندھے پر اٹھائے پھرتے تھے، آج اسے گھور رہے ہیں اور زوجہ محترمہ کو گھرکیاں دے رہے ہیں۔ البتہ کہیں کہیں سے ڈی این اے کے باب میں خیر کی خبر اور استفادہ کے امکان بھی ابھر رہے ہیں، جن بچوں کے بارے میں والد صاحب کو شبہ تھا کہ یہ میرے نہیں ہیں لیکن قانونی طور پر بچہ کی ماں کو کفالت کے اخراجات ادا کرنے پر مجبور تھے۔ اب ڈی این اے رپورٹ ان کے حق میں بریت کا پروانہ ثابت ہو رہی ہے۔ کہیں کہیں سے کئی کئی سالوں کے ادا کردہ اخراجات کی واپسی کے کیس بھی دائر کیے جانے کی شنید ہے۔

9 مارچ

سپر ٹیوزڈے

سات مارچ، صدارتی انتخابات کے سلسلے کا اہم ترین دن مانا جاتا ہے۔ سپر ٹیوز ڈے پرائمری کے نام سے 15 ریاستوں میں ہونے والے پرائمری انتخابات کے نتائج سامنے آ گئے ہیں۔ ان نتائج کی روشنی میں ایک طرف تو حتمی امیدوار سامنے آ گئے ہیں اور دوسری طرف میدان چھوڑنے والے بھی پہچانے جارہے ہیں۔

گورنر جارج بش نے سپر ٹیوز ڈے پرائمری الیکشن میں 15 میں سے گیارہ ریاستوں میں اپنے حریف جان میکین پر برتری حاصل کرلی ہے۔ خصوصاً کیلیفورنیا اور نیویارک جیسی بڑی ریاستوں میں سبقت حاصل کرکے انہوں نے سینیٹر جان میکین کو ناک آؤٹ کردیا ہے۔

نائب صدر الگور نے اپنے مدِمقابل سینیٹر بریڈلے کو تمام کی تمام 15

Marfat.com

ریاستوں میں ہزیمت سے دوچار کردیا ہے۔ امید کی جارہی ہے کہ سینیٹر بریڈلے اور جان میکین مزید مقابلے کی بجائے انتخابات سے دست برداری کا اعلان کردیں گے اوراس اعلان کی توقع جلد ہی ہے۔

اب تک پرائمری انتخابات میں نائب صدر الگور 975 ڈیلی گیٹ حاصل کرچکے ہیں جبکہ پارٹی کی طرف سے نامزدگی حاصل کرنے کے لئے انہیں دو ہزار ایک سوستر ڈیلی گیٹس حاصل کرنا ضروری ہیں۔

سپر ٹیوز ڈے پرائمری میں دونوں بڑے امیدواروں کو نسبتاً بڑی ریاستوں میں حاصل ہونے والے ڈیلی گیٹس کی صورت حال درج ذیل ہے۔

گورنر جارج بش

	ڈیلی گیٹس	فیصد ووٹ
کیلے فورنیا	162	52
نیو یارک	67	51
اوہائیو	63	58
جارجیا	54	67

نائب صدر الگور

	ڈیلی گیٹس	فیصد ووٹ
کیلے فورنیا	304	81
نیو یارک	158	69
اوہائیو	108	74
جارجیا	65	84

8 مارچ

غبارہ اُڑتا جائے

کروڑ پتی بزنس مین کیون الاسی بالآخر مہاتمار سے شکاگو واپس پہنچ گئے ہیں،

Marfat.com

انہوں نے پرواز کرنے والے بڑے غبارہ میں دنیا بھر کا چکر لگانے کی مہم کو آدھے راستے میں ترک کر کے گھر کی راہ لی۔

واپسی پر انہوں نے ایک بیان میں کہا ہے کہ دورانِ پرواز کئی چھوٹے چھوٹے مسائل ایسے پیدا ہو گئے کہ انہیں مجبوراً وسطی میانمار کے علاقے میں اترنا پڑا حالانکہ ابھی 9 دن کا ایندھن باقی تھا۔

امریکن بلوننگ ایسوسی ایشن کے ترجمان کا کہنا ہے کہ کیون الاسی کی مہم کی ناکامی کے باوجود بھی کیون نے کسی بھی طرح کے جہاز میں مسلسل پرواز اور طویل ترین قیام کا عالمی ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔

کیون الاسی نے راک فورڈ (الی نائے) سے 27 فروری کو اپنی مہم کا آغاز کیا اور دس دن میں 13,246 میل سفر طے کر کے میانمار تک جا پہنچے۔ ریکارڈ کے مارے ہوئے کیون کی قسمت نے یاوری نہ کی اور وہ غبارے میں طویل ترین پرواز کے عالمی ریکارڈ کے قریب آ کر بھی اسے توڑ نہ سکے۔ عالمی ریکارڈ 14,236 میل ہے، جسے مسٹر فوسٹ نے 1998 میں قائم کیا تھا۔

6 مارچ

جمہوریت کا نیا جامہ

بالآخر سینیٹر جان میکین نے صدارتی مہم سے دست برداری کا اعلان کر دیا ہے۔ نیو ہیمپشائر کے پہلے پرائمری الیکشن سے سپر ٹیوز ڈے پرائمری تک جان میکین صرف 222 نامزدگیاں حاصل کر سکے جبکہ ان کے حریف گورنر جارج بش سات سو نامزدگیاں حاصل کر چکے ہیں۔ گو کہ اکثر سیاسی حلقے، عمومی رائے دہندگان اور میڈیا کے تخمینہ کار جان میکین کو جارج بش سے کہیں بہتر صدارتی امیدوار قرار دیتے رہے ہیں لیکن دوسرے ملکوں میں رائج جمہوری المیہ سے امریکی جمہوریت بھی میسر نہیں ہے۔ صلاحیت، دیانت اور خدمت کی بجائے جمہوریت کا نیا جامہ وسائل، سرمایہ،

Marfat.com

سیاسی اثر ورسوخ اور چرب زبانی سے آراستہ ہے۔

جان میکین کی دست برداری سے اس عالمی خدشہ کو مزید تقویت ملی کہ جمہوریت عوام کی اکثریتی رائے تو ضرور ہوسکتی ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بہترین بھی ہو۔ملکوں ملکوں سیاسی بوزنوں اور جمہوری زلیخاؤں کی کامیابی جمہوریت کے لئے نیک فال ہرگز نہیں ہے۔

سینیٹر جان میکین نے اپنی صدارتی مہم کا قوام درج ذیل تین اجزا سے تیار کیا

آزردگی، خفگی اور جارحیت

اختصار، اخلاص اور دیانت

اعتماد، امید اور رجائیت

صدارتی انتخابات میں سرمایہ کے بے تحاشہ استعمال پر آزردہ وپیخ پا اور سیاسی اثر ورسوخ کے استعمال پر ناراض اور خنجر بکف۔ سیاسی ایشوز اور مسائل پر اظہارِ رائے میں تندوتیز، دوٹوک اور مخلص، اپنے اور اپنے خاندان کے شان دار ماضی اور خدمات کے حوالے سے پُر امید اور گمان وابستہ۔

لیکن کچھ بھی کام نہ آیا

صدارتی انتخابات میں سرمایہ کے بے تحاشہ اور غلط استعمال کے خلاف جان میکین کا مضبوط، غیر لچکدار، حقائق پر مبنی اور جارح موقف کام آیا اور نہ ہی امریکی سیاست ومعیشت اور ایشوز پر ان کا دوٹوک، دیانتدارانہ اور مخلصانہ لہجہ۔ یوں امریکی جمہوریت، انتخابات میں سرمایہ کے اثر ونفوز کے خلاف ایک موثر آواز سے محروم رہ گئی۔

10 مارچ

آبدیدہ بل بریڈلی

بالآخر سینیٹر بل بریڈلی نے بھی صدارتی مہم سے دست برداری کا اعلان کر دیا

Marfat.com

ہے۔ نیو جرسی میں اپنے انتخابی ہیڈ کوارٹر میں اعلان کرتے ہوئے آبدیدہ بل بریڈلی نے اپنی 15 ماہ سے جاری صدارتی مہم کے خاتمہ کا اعلان کرتے ہوئے نائب صدر الگور کو اپنی حمایت کا یقین دلایا ہے۔ اپنی صف سمیٹتے ہوئے بل بریڈلی، سینیٹر جان میکین سے کہیں زیادہ افسردہ و دل آزردہ دکھائی دیتے ہیں۔ 15 ماہ کی محنتِ شاقہ، جدوجہد اور جوڑ توڑ کے باوجود بل بریڈلی محض 284 نامزدگیاں حاصل کر سکے۔ انہیں اپنے حریف نائب صدر الگور کے ہاتھوں ہر ریاست کے پرائمری انتخابات میں ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔ سینیٹر بریڈلی کی دست برداری سے نائب صدر الگور کے لئے میدان صاف ہو گیا ہے۔ سینیٹر صاحب نے اس امکان کو بھی بالکل رد کر دیا ہے کہ وہ نائب صدر الگور کے صدارتی ٹکٹ پر بطور نائب صدر نامزدگی قبول کر لیں گے۔

لگتا ہے کہ باسکٹ بال چمپیئن بریڈلی کو ووٹ بکٹ کرنے کا خاصا تلخ تجربہ ہوا ہے۔

11 مارچ

اقبال رعد کا قتل

معزول وزیرِ اعظم پاکستان میاں نواز شریف کے وکیل صفائی جناب اقبال رعد کے سفاکانہ قتل پر کم و بیش تمام اخباروں نے میاں نواز شریف پر چلنے والے مقدمہ پر تبصرے شائع کیے ہیں۔ مقدمہ کو کراچی سے لاہور یا اسلام آباد منتقل کرنے کے بارے میں میاں نواز شریف کے وکلاء کے مطالبہ کو مناسب خیال کیا جارہا ہے۔ جج رحمت اللہ جعفری نے نواز شریف کے وکلاء کو مقدمہ کی لاہور یا اسلام آباد منتقلی کے بارے میں سوچ بچار کا وقت دے کر عدالت کی غیر جانبداری کا بھرم رکھ لیا ہے لیکن اقبال رعد کا ناگہاں قتل اس مقدمہ پر دوررس نتائج مرتب کر سکتا ہے۔

ہمارے خیال میں معزول وزرائے اعظم کے مقدمات لڑتے وقت وکلاء کو

Marfat.com

خاصا محتاط رہنا چاہیے۔ اس سے پہلے بھی ذوالفقار علی بھٹو کا مقدمہ لڑتے ہوئے دونوں طرف سے ایک ایک وکیل غلام علی میمن اور ایم انور بار ایٹ لاء وفات پا چکے ہیں۔

یوں تو میاں نواز شریف نے ہائی جیکنگ، غداری، اغوا اور قتل عمد کے الزامات سے صاف انکار کر دیا ہے لیکن ان کے خلاف الزامات کی طویل فہرست کے پیشِ نظر امیدِ واثق ہے کہ اگر وہ اس کیس میں بچ بھی گئے تو کسی نہ کسی میں انشاء اللہ ضرور دھر لئے جائیں گے، یوں بھی فوجی نگرانی میں ہماری عدالتوں کا گھیراؤ قبر تک مار کرتا ہے۔

14 مارچ

لہو کی اشرفیاں

امریکہ نے جنگیں تو بہت سی لڑی ہیں لیکن ویت نام کی جنگ کا کانٹا امریکی ضمیر میں ایسا چبھا ہوا ہے کہ نت نئی توجیہوں سے بھی نہ تو خلش ہی کم ہونے میں آتی ہے، نہ ہی جلن اور چبھن کو افاقہ ہوتا ہے، ربع صدی سے زیادہ گزر چکی ہے مگر جنگِ ویت نام کے زخم ابھی تک ہرے ہیں۔

امریکی وزیرِ دفاع ولیم کوہن آج کل ہنوئی کے دورے پر ہیں۔ ان کا یہ دورہ جنگ ویت نام میں لاپتہ دو ہزار سے زیادہ امریکی فوجیوں کی باقیات کی یافت، دریافت کے بارے میں ہے۔ 25 سال سے مسلسل ان لاپتہ فوجیوں اور ان کی باقیات کو ڈھونڈا جا رہا ہے، جنگل چھانے جا چکے ہیں اور زمین کی پرت الٹائی جا چکی ہے، کبھی کوئی انسانی ہڈی مل جاتی ہے، کہیں سے ہیلمٹ اور کہیں سے بوٹ لیکن اس تلاشِ مسلسل کا انت آتا ہے، نہ اس مستقل المیہ کی حد ہوتی ہے۔

لاپتہ فوجیوں کی اوسط عمر 20 سال تھی، ہائی سکول سے نکلے، فوج میں شامل ہوئے اور رضا کارانہ طور پر ویت نام کی مہم پر یوں گئے کہ نہ پلٹ کر آئے، نہ کوئی خبر

Marfat.com

ہی آئی۔تیس سال سے منتظر ماں باپ کی اکثریت راستہ دیکھتے دیکھتے، آنکھیں موند چکی ہے، دیکھے جانے والے اس راستہ پر اب بہن بھائی رہ گئے ہیں اور ایک ایسی امید کہ جس کا خاتمہ بہرحال ناامیدی پر ہوتا ہے۔

جنگِ ویت نام امریکہ کا ایسا پُراسرار معمہ ہے کہ اس کے کسی جواز، ضرورت اور فلسفہ کا کوئی حتمی سرا کبھی کسی کے ہاتھ نہ آیا۔اس غیر یقینی جواز کی وکالت کرتے ہوئے جنگِ ویت نام میں ملوث امریکی صدر رچرڈ نکسن لکھتے ہیں کہ ''امریکی تاریخ میں جنگِ ویت نام کی طرح اور کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے، جسے اس قدر غلط سمجھا گیا ہو۔ ایسا ہونے کے اتفاقات بہت ہی کم ہوتے ہیں کہ اتنے بہت سارے لوگ کسی اتنے بڑے واقعہ کے بارے میں اس قدر غلط ہوں،،

یوں لگتا ہے کہ اس بارے میں لوگ اس قدر غلط نہیں ہیں، جتنا کہ زخم کاری ہے۔جنگِ ویت نام میں اٹھاون ہزار امریکی سپاہی مارے گئے اور تین لاکھ چار ہزار شدید زخمی ہوئے۔ان زخمی ہونے والوں میں 75 ہزار ہمیشہ کے لئے معذور ہو گئے اور یہی معذور وہ مستقل سوالیہ نشان ہیں، جو امریکی ضمیر کو بے چین کیے رکھتے ہیں۔دانشور، رہنما، قصہ گو اور داستان تراش ہزار رنگ آمیزی کرتے ہیں اور مضمون باندھتے ہیں لیکن ہر حیلہ، حجت، وضاحت، نظریہ، فلسفہ، ضرورت اور توجیح چھوٹی پڑ، پڑ جاتی ہے۔ان 58 ہزار جواں مرگ فوجیوں کا لاشہ نہ تو امریکہ کی ڈومینو تھیوری سے ڈھانپا جا سکا، نہ نیشنل سیکورٹی کے تھنک ٹینک ڈاکٹرائن سے کہ اگر جنوب مشرقی ملکوں یعنی انڈونیشا، ملائشیا، فلپائن، تھائی لینڈ، سنگاپور اور ملاکا کو اشتراکیت سے بچانا ہے تو ویت نام میں امریکی مزاحمت ہی ان ملکوں کو اشتراکیت سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

اشتراکیت سے تحفظ کا حکومتی شوق اپنی جگہ لیکن مارے جانے والوں کے لواحقین کے سوال آج بھی شرمندۂ جواب ہیں، وہ اس رائیگاں بہہ جانے والے جوان لہو کا جواز اور خراج مانگتے ہیں۔58 ہزار ہلاک ہونے والے فوجیوں میں سے

Marfat.com

50 ہزار کی اوسط عمر 22 سال اور 8 ہزار کی اوسط عمر 20 سال سے بھی کم تھی، 5 سپاہی ایسے بھی مارے گئے جو 16 سال کے بھی نہیں تھے، مارے جانے والے فوجیوں کی دوتہائی اکثریت نے رضا کارانہ طور پر ویت نام کی جنگ میں حصہ لیا اور امریکی فوج کے تربیت یافتہ اور تجربہ کار فوجیوں کی نسبت یہی کم عمر اور ناتجربہ کار رضا کار مارے بھی زیادہ گئے۔

ویت نام کے جنگلوں میں مارے گئے۔ یہ جواں مرگ ایسے کم نصیب نکلے کہ ان کی موت کو کوئی قابلِ افتخار جواز بھی میسر نہ آ سکا۔ ویت نام میں امریکی مداخلت اور امریکی فوجیوں کے خلاف تضحیک، تنقید اور دُشنام کی ژالہ باری میں اغیار کا تو ذکر ہی کیا، خود امریکی عوام بھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔ عالمی سیاست کی گہما گہمی، نظریاتی وابستگی اور مفادات کی نفسانفسی کی چیخ پکار میں اس نوجوان رائیگاں لہو پر ماتم بھی نہ کیا جا سکا۔

رائیگاں نوجوان لہو امریکی فوجیوں کا ہو یا ویت نامی فوجیوں کا، ایرانی طلباء کا ہو یا کمسن کشمیری مجاہدوں کا، فیض احمد فیض کی ایرانی طلباء کے نام نظم ایسے سبھی المیوں پر محیط ہے، فیض صاحب کی یہ نظم مماثل المیوں کے پس منظر پر بین الاقوامی شہ پارہ اور عالمی کلاسیک کی حیثیت رکھتی ہے۔

ایرانی طلبہ کے نام

یہ کون سخی ہیں
جن کے لہو کی
اشرفیاں، چھن چھن، چھن چھن
دھرتی کے پیہم پیاسے
کشکول میں ڈھلتی جاتی ہیں
کشکول کو بھرتی جاتی ہیں

Marfat.com

یہ کون جواں ہیں ارضِ عجم
یہ لکھ لٹ
جن کے جسموں کی
بھرپور جوانی کا کندن
یوں خاک میں ریزہ ریزہ ہے
یوں کوچہ کوچہ بکھرا ہے
اے ارضِ عجم! اے ارضِ عجم
کیوں نوچ کے ہنس ہنس پھینک دیئے
ان آنکھوں نے اپنے نیلم
ان ہونٹوں نے اپنے مرجاں
ان ہاتھوں کی بے کل چاندی
کس کام آئی، کس ہاتھ لگی!
اے پوچھنے والے پردیسی
یہ طفل و جواں
اس نور کے نورس موتی ہیں
اس آگ کی کچی کلیاں ہیں
جس میٹھے نور اور کڑوی آگ
سے ظلم کی اندھی رات میں پھوٹا
صبحِ بغاوت کا گلشن
اور صبح ہوئی من من، تن تن
ان جسموں کا چاندی سونا
ان چہروں کے نیلم مرجاں
جگ مگ، جگ مگ، رخشاں رخشاں

Marfat.com

جو دیکھنا چاہے پردیسی
پاس آئے دیکھے جی بھر کر
یہ زیست کی رانی کا جھومر
یہ امن کی دیوی کا کنگن

فیض احمد فیض

1952

امریکی معاشرے، مارے جانے والوں کے پسماندگان اور جنگِ ویت نام کی بے جوازی پر خنجر بکف شعلہ بیانوں کا المیہ یہ ہے کہ انہیں کوئی فیض احمد فیض میسر نہیں ہے، جوان کے دل کی بات، اس قدر پُرسوزی، اثر افرینی اور بے ساختگی سے کہہ سکے۔

15 مارچ

محمد رشید داؤد الاواحلی

محمد رشید داؤد الاواحلی کے لئے استغاثہ نے وفاقی جج میری وائٹ کی عدالت سے سزائے موت کا مطالبہ کر دیا ہے لیکن میری وائٹ کو سزائے موت کی سزا کے لئے آخری منظوری اٹارنی جنرل جینٹ رینو سے ہی حاصل کرنا ہوگی۔
داؤد الاواحلی کو اگست 1998 میں نیروبی میں امریکی سفارتخانہ کو بم سے اُڑانے کے جرم میں سزائے موت کا سامنا ہے۔ دہشت گردی کے اس واقعہ میں 200 افراد ہلاک اور ہزاروں زخمی ہوئے تھے۔ امریکہ بھر میں قانونی حلقے اس مقدمہ میں خاصی دلچسپی لے رہے ہیں چونکہ 1994 کے بعد یہ پہلا کیس ہے، جس میں سزائے موت کے قانون کے عملی نفاذ کی پیچیدگیاں سامنے آسکیں گی۔
واضح رہے کہ 1994 میں منظور شدہ نئے قانون کے مطابق قتل کے علاوہ بھی دیگر سنگین جرائم پر سزائے موت مقرر کی گئی ہے اور سزائے موت کی سنگینی اور دائرے کو

Marfat.com

ممکنہ حد تک پھیلا دیا گیا ہے۔

مرحوم جنرل ضیاء الحق کی طرح سے اٹارنی جنرل جینٹ رینو کی طرف سے بھی رحم کے طلب گار سائلوں کے لئے کبھی کوئی خیر کی خبر نہ آئی۔ پچھلے دس ماہ میں ان کے پاس سزائے موت کی توثیق کے چار کیس بھیجے گئے اور وہ چاروں کی توثیق کر چکی ہیں۔ خدشہ ہے کہ وہ رشید داؤد کی درخواست پر بھی مختلف فیصلہ نہیں کریں گی، یوں محمد رشید داؤد الاواحلی دہشت گردی کے نئے امریکی قانون کے تحت سزائے موت پانے والا پہلا فرد ہوگا۔

16 مارچ

مزید موٹی کھال

الی نائے کے گورنر جارج رائن حسبِ معمول سیکنڈلز، تردید اور حالتِ دفاع میں ہیں، کوئی دن نہیں جاتا کہ گورنر صاحب کے خلاف بدنیتی، بدعنوانی، سرقہ اور رشوت کا کوئی کیس نہ آجاتا ہو۔ تازہ ترین الزام یہ ہے کہ گورنر بننے سے پہلے سیکریٹری آف سٹیٹ کی حیثیت سے وہ رشوت لے کر ٹرک ڈرائیوروں کو ٹیسٹ پاس کیے بغیر ڈرائیونگ لائسنس جاری کرنے کے سیکنڈل میں مرکزی کردار رہ چکے ہیں۔ 175 ایسے ٹرک ڈرائیوروں کا پتہ لگالیا گیا ہے کہ جنہوں نے ٹیسٹ پاس کئے بغیر محض رشوت دے کر ڈرائیونگ لائسنس حاصل کیا تھا۔ ادھر الی نائے ڈیپارٹمنٹ آف پبلک ہیلتھ کی ڈائریکٹر ڈاکٹر جولیا ڈائر نے عدالت میں بیان دیا ہے کہ انہیں مجبور کیا گیا تھا کہ وہ سیکریٹری آف سٹیٹ جارج رائن کے چیف آف سٹاف کی بیگم صاحبہ مسز نیوٹ سن کو 20 ہزار ڈالر کی ادائیگی کر دیں، جو کہ سراسر غیر قانونی تھی۔

کچھ عرصہ قبل یہ بات بھی گورنر جارج رائن کی سبکی کا سبب بنی رہی کہ ان کی زیر نگرانی ان کے خاندان، سٹاف اور حمایتیوں نے ریاست کے سرکاری خزانے سے مالی فوائد کشید کیے ہیں، خصوصاً ان کے داماد، بیٹا، بیٹی اور خاندان کے دوسرے لوگوں

Marfat.com

پر قبل از وقت ترقیاں حاصل کرنے، مروّجہ ضابطہ کے برعکس تنخواہوں میں اضافہ، ناجائز مراعات، سرکاری ٹھیکے، اور بناء کام کیے تنخواہیں لینے کا الزام ہے۔

ایک طرف وفاقی ایجنسیز ان تمام بے قاعدگیوں کی تفتیش کر رہی ہیں، کیس بنائے جا رہے ہیں اور توُ تو میں میں، ہو رہی ہے، دوسری طرف گورنر جارج رائن سیاستدانوں کے روایتی اعتماد، لب ولہجہ اور گھن گرج کے ساتھ تمام الزامات سے صاف انکاری ہیں۔ قرائن کہتے ہیں کہ گورنر جارج کی گھن گرج مصنوعی ہے، گورنر صاحب کی موٹی کھال ان کے طویل سیاسی کیریئر اور سیاسی تربیت کا ثمرہ لگتی ہے۔ امکان ہے کہ جلد یا بدیر وہ اپنی موٹی کھال سمیت دھر لئے جائیں گے۔

17 مارچ

سیاٹل سٹائل

آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے خلاف ایک اور کارزار سجنے کی تدبیر اور صف بندی کی نوید ہے۔ واشنگٹن ڈی سی میں 16 اور 17 اپریل کو آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے اجلاس میں 182 ملکوں کی وزرائے خزانہ، بنک گورنرز، ماہرینِ مالیات اور نمائندے شریک ہو رہے ہیں۔

پچھلی خزاں میں ان اداروں پر سیاٹل میں جو خزاں گزر چکی ہے، اپریل میں اسی طرح کی بہار بھی ان عالمی مالیاتی اداروں کی منتظر ہے۔ آئی ایم ایف کے خلاف سرگرم ''عالمی احتجاجی گروپ،، کے صدر ندین بلوش جو پہلے ہی سیاٹل میں شاندار اور متاثر کن مظاہرہ منظم کر کے عالمی توجہ حاصل کر چکے ہیں، انہوں نے شکاگو ٹریبیون میں چھپنے والی ایک رپورٹ میں، اپریل میں کیۓ جانے والے مظاہرہ کی نوعیت، پروگرام اور طریق کار کا تفصیلی اعلان کر دیا ہے۔ ندین بلوش نے کہا ہے کہ ہم اس مجوزہ اجتماع کے خلاف ہیں اور اس کی تنسیخ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے خلاف عالمی احتجاجی گروپ کے مظاہروں کی وجوہات بیان کرتے

Marfat.com

ہوئے انہوں نے اپنے چار نکات کو دہرایا:

1۔ عالمی مالیاتی اداروں نے محنت کش طبقہ کے حقوق کے مقابلے میں اپنے منافع کو ترجیح دے رکھی ہے۔

2۔ ان مالیاتی اداروں کو انسانی حقوق کے مقابلے میں اپنا منافع زیادہ عزیز ہے۔

3۔ عالمی ماحولیاتی تحفظ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے منافع سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

4۔ غریب اقوام کے قرضہ جات معاف کر کے انہیں معاشی ابتری سے نجات دلائی جائے۔

ندین بلوش نے اپنے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ سیاٹل میں جس طرح سول نافرمانی کے مظاہروں نے زندگی کو مفلوج کر دیا تھا، اسی طرح کے مظاہرہ اب واشنگٹن ڈی سی میں کیا جائے گا۔ ندین بلوش کے اس اعلان کو سنجیدگی اور تفکر سے دیکھا جا رہا ہے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کی ترجمان کیرولین آنسٹے نے فوری ردِّعمل کے طور پر ایک ریاکارانہ بیان جاری کر کے صورتحال کو مزید تلخ بنا دیا ہے۔ کیرولین نے کہا ہے کہ ''ہم لوگوں کو میز پر آمنے سامنے بیٹھنے پر خوش آمدید کہیں گے بہ نسبت اس کے کہ وہ سڑکوں پر ہوں''

واضح رہے کہ کھلے مذاکرات کی یہ دعوتِ عام آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کی طرف سے ہے۔ وہی آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کہ جنہوں نے سیاٹل کے مظاہروں سے پہلے اپنے خلاف کسی احتجاج کے جواز کو تسلیم تک کر لینے سے انکار کر دیا تھا۔

قیاس اغلب ہے کہ اگر وقفہ وقفہ سے سیاٹل سٹائل دہرایا جاتا رہے تو ان مالیاتی اداروں کو غریب اقوام کے قرضے معاف کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ ہمارا قیافہ ہے کہ ہماری حکومتیں ان اداروں سے قرضہ حاصل کرنے کے لئے جس قدر

Marfat.com

زور لگاتی اور مضمون باندھتی ہیں، جس قدر ترلے اور منت زاری کرتی ہیں، اگر اس کی نصف سعی بھی قرضہ معاف کرانے کے ضمن میں کر دیکھیں تو شاید ہمارے بھی دن پھر جائیں۔

21 مارچ

جمہوریت کا دور خانہ

ہارورڈ یونیورسٹی کے پبلک ہیلتھ کالج نے ایک سروے رپورٹ جاری کی ہے۔ اس رپورٹ میں اس بات پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا ہے کہ امریکہ کے کالجز اور یونیورسٹیز میں عادی شراب نوش طلباء کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ تعلیمی اداروں میں باقاعدہ شراب نوش طلباء کی تعداد 23 فیصد تک جا پہنچی ہے۔ جبکہ 1997-1996 میں یہی تعداد 15 فیصد تھی۔

ہارورڈ یونیورسٹی کے جاری کردہ اعداد و شمار اپنی جگہ جس قدر بھی بے ضرر ہوں مگر اس سروے نے الکحل انڈسٹری کو حواس باختہ کر دیا ہے لیکن الکحل انڈسٹری کی تشویش دوسری جگہ سے ہے، یعنی نہ پینے والوں کی تعداد میں اضافہ کی وجہ سے۔ پچھلے چار سالوں میں جہاں پینے والے طلباء کی تعداد میں دو فیصد کا اضافہ ہوا ہے، وہیں نہ پینے والے طلباء کی تعداد میں 4 فیصد کا اضافہ ہوا ہے، یعنی نہ پینے والوں کی شرح اضافہ پینے والوں سے سو فیصد زیادہ ہے اور اسی سو فیصد نے الکحل انڈسٹری پر لرزہ سا طاری کر دیا ہے اور لرزہ کیوں نہ طاری ہو کہ اس ایک فیصد سالانہ کے اضافہ نے شراب سے سالانہ یافت میں ڈھائی بلین ڈالر کی کمی پیدا کر دی ہے۔

ایک طرف نیویارک میں الکحل انڈسٹری کی آنکھ کے تارے، شراب کشید جینئس اور مارکٹنگ سٹار سر جوڑے بیٹھے ہیں کہ کالج کیمپسز میں نہ پینے والوں کی تعداد میں اضافہ کا کارن کیا ہو سکتا ہے اور اس کا کیا توڑ کیا جائے اور دوسری طرف فلاڈیلفیا میں کالج اور یونیورسٹی ایڈمینسٹریٹرز اس سوچ بچار کانفرنس میں ہلکان ہو

Marfat.com

رہے ہیں کہ ایجوکیشنل کیمپسز میں بڑھتی ہوئی شراب نوش طلباء کی تعداد پر قابو کیسے پایا جائے۔

کبھی کبھی بہت زیادہ جمہوریت کے شاخسانہ کو شاخسانہ کی بجائے دورخانہ کا نیا نام دینے کو جی چاہتا ہے یعنی ۔۔۔ جمہوریت کا دورخانہ۔

22 مارچ

ناریوں کے نرغہ میں

صدر بل کلنٹن کے دورۂ برصغیر کے موقع پر امریکی اخبارات میں ان کی ایسی تصویریں میں شائع ہورہی ہیں، جن میں وہ اکثر ہندوستانی خواتین کے جھرمٹ میں مسکراتے ہوئے پائے گئے ہیں۔ 22 مارچ کو راجستھان ریاست میں نائیلہ نامی گاؤں میں اپنی مدد آپ کے تحت سیونگ اینڈ لون ایسوسی ایشن کی کارکن خواتین سے ملتے ہوئے صدر کی جس تصویر کو اکثر اخبارات نے شائع کیا ہے، اس میں صدر بل کلنٹن انتہائی مسرور نظر آتے ہیں۔

صدر بل کلنٹن کی مونیکا لیونسکی کے ہاتھوں زخم خوردگی کے بعد امریکی میڈیا میں ان کے خلاف ایک ایسے طنزیہ رجحان نے فروغ پایا ہے، جس میں ایسی تصویروں کو ابھارا اور سوالیہ تبصرے کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے کہ جن میں بل کلنٹن خواتین کے ساتھ ہوں، ان سے محوِ گفتگو ہوں، مصافحہ کر رہے ہوں یا محض تصویر اتروا رہے ہوں لیکن سنسنی خیزی کا رسیا ہوا امریکی میڈیا ہمہ وقت اپنے شکار کے تعاقب میں رہتا ہے۔

صدر بل کلنٹن بیسویں صدی کے انتہائی کامیاب امریکی صدر ہونے کے باوجود ایسے کم نصیب نکلے کہ امریکی تاریخ میں ان کا مقام متنازعہ، وجہ شہرت درپردہ، میراث مشکوک اور نیک نامی سوالیہ رہے گی۔ وائٹ ہاؤس میں وہ اپنی ایسی شہرت چھوڑ جائیں گے کہ جسے نیک نامی کی چادر سے ڈھانپنے کی سعی میں کبھی چادر

Marfat.com

چھوٹی رہ جائے گی اور کبھی سعی لا حاصل۔

24 مارچ

شاید تیرتے جائیں

اورلینڈ پارک نیویارک کی 67 سالہ روتھ لماسٹر نے اپنی بیٹی کے خلاف تین لاکھ ڈالر ہرجانہ کا مقدمہ جیت لیا ہے اور رقم بھی وصول ہوگئی ہے۔ واقعات کے مطابق روتھ جب اپنی بیٹی کے گھر اپنے نواسہ نواسیوں کی دیکھ بھال کے لئے ٹھہری ہوئی تھیں تو ان کی صاحبزادی کے منہ چڑھے کتے نے ان پر حملہ کر دیا۔ حملہ اتنا شدید اور اچانک تھا کہ روتھ کا کتوں کے خلاف مدافعت کا نصف صدی کا تجربہ بھی کام نہ آ سکا اور وہ اسی کھینچ دھروک اور بیچ بچاؤ میں گھٹنا تڑوا بیٹھیں۔ چلنے پھرنے سے معذوری اور کام کاج کی دقت نے روتھ کو ہرجانہ، ازالہ اور انصاف کی راہ سجھائی، بہی خواہوں کے مشورے بھی شامل حال رہے۔ ان مشورہ گزاروں میں روتھ کی صاحبزادی سب سے آگے تھیں، کسی بھی مغویہ نیک پروین اور حسن بانو کی طرح ان کا اصرار تھا کہ ان پر ہرجانہ کا دعویٰ دائر کر دیا جائے کیونکہ صاحبزادی خوب جانتی تھیں کہ ان کے کتے کے ہاتھوں زخمی ہو جانے والے ان کی انشورنس پالیسی کی چھتری تلے ٹھنڈی چھاؤں میں آ جائیں گے، سو مقدمہ دائر ہوا۔۔۔ اپنی نوعیت کا عجیب وغریب مقدمہ کہ جس میں مدعیہ و مدعیہ علیہ بجز مدعا علیہ ترتیبی کے کچھ بھی نہیں تھا۔ اندرخانہ بالآخر انشورنس کمپنی کو زیرِ دام لانے پر دونوں طرف کے وکلاء مصافحہ کر چکے تھے۔

مدعی مدعا علیہ ناؤ میں، شاہد تیرتے جائیں

ول کاؤنٹی ڈسٹرکٹ کورٹ کی جیوری نے حسبِ امید روتھ لماسٹر کی صاحبزادی کو تین لاکھ ڈالر ہرجانہ ادا کرنے کا حکم جاری کر دیا، جو بالآخر انشورنس کمپنی کو ہی ادا کرنے پڑے ہیں۔

Marfat.com

عین ممکن ہے کہ روتھ لماسٹر کو اپنی صاحبزادی کی طرف سے جس نمائشی نفرین کا عدالتی کارروائی کے دوران تجربہ ہوا، کی بجائے وہ اب نمائشی تکریم سے دو چار ہوں چونکہ ان کے اکاؤنٹ میں تازہ بتازہ تین لاکھ ڈالر نقد و یکمشت موجود ہیں۔ شریکوں کے مشاہدے کے مطابق ماں بیٹی اسی کتے کی بلائیں لیتے ہوئی بھی پائی گئی ہیں کہ جس بدنصیب کی گردن زدنی اور قتل کا منصوبہ زیرِ غور رہ چکا ہے۔

30 مارچ

انسانی صفات کا بنک

ہیومن جینوم پراجیکٹ کے لئے 3 بلین ڈالر مختص کرتے ہوئے صدر بل کلنٹن نے اس پراجیکٹ کو انسانی ترقی کا عروج، نسلِ انسانی کی سب سے بڑی کامیابی اور عظیم الشان انسانی مستقبل کے لئے شاندار پیش رفت قرار دیا ہے۔ برطانیہ کے وزیراعظم، امریکہ اور یورپی یونین کے اہم سائنسدان اور جاپانی حکومت اس ضمن میں سبھی صدر کے ہمنوا اور ہمراہ ہیں۔ حقیقتاً اس پراجیکٹ کی نوعیت ہے بھی ایسی ہی۔

جینوم پراجیکٹ آؤٹ لائن میں اس پراجیکٹ کے 6 بڑے مقاصد بیان کیے گئے ہیں اور اپنی جگہ ہر مقصد بذاتِ خود ایک بہت بڑا پروجیکٹ ہے۔

1۔انسانی جینز کی حق ملکیت کے بارے میں ایسے ضابطہ کا متفقہ اجرا جس سے بلا امتیاز تمام عالم انسانی مستفید ہو سکے۔

2۔انسانی جینیاتی ڈیٹا بنک تک عام، آسان اور ہمہ وقت رسائی، جس پر کسی ادارے، کمپنی یا ریاست کی اجارہ داری نہ ہو

3۔جینوم ڈیٹا بنک کو مسلسل اپ گریڈ رکھنا۔

4۔جینیاتی ترتیب، چارٹ، معیار اور رہنما اصولوں کا احیاء۔

5۔انسانی جین جو ڈی این اے کے 3 بلین علامتی کوڈز پر مشتمل ہے۔اس کا

Marfat.com

سو فیصد صحیح چارٹ بنانے کے نلئے اس کی کم از کم 6 مختلف تراتیب تشکیل دینا یعنی اٹھارہ بلین علامتی کوڈز میں محض ایک ترتیبی یکسانیت کی نشان دہی! اسقدر وسیع اور پیچیدہ تحقیق کے نتائج کی بین الاقوامی سطح پر استعمال اور مزید تحقیق کے لئے ویب سائنس اور انٹرنیٹ پر فراہمی۔

6۔ موضوع پر پیش رفت اور تحقیق کے تازہ ترین نتائج کی فوری اشاعت۔

گوکہ اس پراجیکٹ میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور جاپان شامل ہیں لیکن پراجیکٹ ہیڈکوارٹر اور زیادہ تر تحقیقی مراکز امریکہ میں ہی ہیں۔ یہ اس لیے بھی کہ تین بلین ڈالر بھی امریکہ کے ہی ہیں۔

اس پراجیکٹ کا فوری فائدہ تو مافیا سوئیکل کو ہی ہوگا لیکن تحقیق بڑھنے کے ساتھ ساتھ عام سطح پر بھی فائدہ اٹھایا جا سکے گا۔ البتہ اس پراجیکٹ میں جس طرح بین الاقوامیت اور نوع انسانی کا مضمون باندھا گیا ہے وہ مضمون کی حد تک تو خوش کن ہے، ورنہ عملی طور پر اس پراجیکٹ کے ثمر میں عالم انسانی کی شراکت بجز تجربہ گاہ کے چوہوں کے کچھ بھی نہیں ہوگی۔ جس نوع انسانی اور بین الاقوامی اکثریت کی دوتہائی اکثریت کو اسپرین کی ایک خالص ٹکی اور گردن توڑ بخار سے مدافعت کا ٹیکہ تک میسر نہ ہو، وہاں یہ جینٹک ڈاٹا بنک بھی کیا کرلے گا۔ ہمیں خدشہ ہے کہ عالم انسانی اور بین الاقوامی اکثریت اس نو دریافت جہانِ تازہ سے اسی قدر مستفید ہو سکے گی جتنا کہ وہ ترقی یافتہ ممالک کے دوسرے پراجیکٹس سے مستفید ہو رہی ہے۔

عمومی طور پر اس مجوزہ پراجیکٹ میں جینز اور اس کے افعال کا مطالعہ سرفہرست ہے۔ بیماریوں کے مالیکیول میکانزم کو سمجھنے میں جو انقلابی تبدیلیاں آرہی ہیں اور مختلف بیماریوں میں جینیٹک فیکٹر کے پیچیدہ نظام پر انسانی گرفت ایسی دوائیوں اور میڈیکل پروسیجرز کا نقطہ آغاز ہے، جو موجودہ حیاتِ انسانی پر گہرے اثرات مرتب کرے گی۔

2 اپریل

Marfat.com

مزید نسوانی حقوق

نسوانی حقوق کی علمبردار امریکی تنظیموں نے پچھلے ہفتہ مراکش میں مزید نسوانی حقوق کی مخالفت وموافقت میں ہونے والے مظاہروں پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ہر قابلِ ذکر اخبار میں مراکش میں ہونے والے ان مظاہروں پر ردّعمل ظاہر کیا جارہا ہے۔ یہ الگ بات کہ اس ردّعمل میں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ اسلامی ملکوں میں نسوانی حقوق امریکی بیبیوں اور یورپی نیک پروینوں کے حقوق سے یکسر مختلف ہیں۔،،

مراکشی حکومت نے حال ہی میں نسوانی حقوق سے متعلق جن اقدامات کا اعلان کیا ہے، ان میں بہتر نسوانی تعلیمی مواقع، طلاق کے مسائل میں خواتین کے نقطہ نظر کی اہمیت اور بہتر روزگار کی سہولتیں شامل ہیں۔ مزید نسوانی حقوق سے متعلق اس اعلان پر مراکشی رائے عامہ دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ کیسا بلانکا میں سات لاکھ افراد نے ان نسوانی مراعات کے خلاف تابڑ توڑ مظاہرہ کیا ہے۔ امریکی میڈیا نے حسبِ معمول ان مظاہرین کو بنیاد پرست قرار دینے میں دیر نہ لگائی۔ ایک طرف کیسا بلانکا میں نسوانی حقوق کے حق میں فلک شگاف تھے۔ اس مظاہرہ کو نہ صرف حکومت کی سرپرستی حاصل تھی بلکہ دو لاکھ سے زائد خواتین بھی مظاہرہ میں شریک ہوئیں۔

پوری اسلامی دنیا کو واضح طور پر بنیاد پرست اور درمیانے خان دھڑے میں بانٹ دیا گیا ہے۔ ان میں صحیح کون ہے اور خطِ مستقیم کیا ہے؟ ایک ارب سے زیادہ مسلم امہ میں کم از کم ایک فرد تو ایسا ضرور ہونا چاہیے، جو قرآن، حدیث اور شرع کے حوالہ سے حتمی خط اور دوٹوک مستقیم پر انگلی رکھ سکے۔ ہم اپنی لاعلمی اور جہالت کے سبب یہ سمجھنے سے قاصر رہے ہیں کہ اسلامی احکامات جو شرع سے ثابت ہوں اور شرعاً ناگزیر ہوں۔ ان پر مسلمانوں ہی کی دو آراء کیسے ہوسکتی ہیں؟ اس کیسا بلانکا بہ مقابلہ رباط اور قم بہ مقابلہ تہران کا جواز ہی کیا ہے!

Marfat.com

حقوق کا رولا خواہ مردانہ ہو یا زنانہ لیکن اگر اسلامی ہو تو امریکی میڈیا اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے لئے بہت پرکشش ہوتا ہے۔ اس کشش میں اسلام سے روایتی تعصب کے علاوہ امریکی میڈیا کی جہالت اور اسلام سے یورپی اقوام کی لاعلمی بھی شامل ہے، ورنہ اسلام میں خواتین کو جس قدر حقوق اور احترام حاصل ہے امریکی و یورپی بیبیوں کو اس قدر حقوق حاصل کرنے کے لئے خاصی طویل جدوجہد درکار ہوگی۔

اسلامی ملکوں میں نسوانی حقوق سے متعلق کھینچا تانی حقیقتاً بنیادی نسوانی حقوق سے زیادہ مزید نسوانی حقوق سے متعلق ہے، بنیادی تو انہیں ہمیشہ سے حاصل ہی ہیں، اٹ کھڑکا مزید، پر ہے، لیکن مزید کی اجازت اور گنجائش نہیں ہے اور یہی وہ یکطرفہ مگر دوسمتی شاہراہ ہے، جو کیسابلانکا سے رباط تک لخت لخت، ڈھول ودھول، لیرولیر، فلک شگاف اور قم سے تہران تک لہو بہ داماں، زخم زخم اور لالہ وگل ہوتی رہتی ہے۔ لیکن کہیں کہیں اس شاہراہ پر سرے سے بد رونقی، بے رنگی، جھاڑ جھنکار اور سناٹے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، جیسے اکوڑہ خٹک سے اسلام آباد اور رائے ونڈ سے لاہور۔۔۔ لیکن کب تک، اللہ تعالیٰ جب بھی چاہتے ہیں بنجر، بانجھ اور تھور زدہ زمین کو بھی سرخ پھولوں سے بارآور کر دیتے ہیں۔ کیا عجب کہ پھولوں کی سرخی میں اس راستہ پر بہنے والے لہو کی سرخی بھی شامل ہوتی ہو۔ شاہراہ کی بے رونقی اور اس کی بدحالی کو آباد اور ہریال سڑک میں بدل دیتے ہیں، سورہ حجر میں ارشاد ربانی ہے:

وانها لبسبیل مقم. ان فی ذلک لایته للمو منین.

ترجمہ: اور یہ بستیاں ایک آباد سڑک پر ملتی ہیں، ان بستیوں میں اہلِ ایمان کے لئے نشانی اور بڑی عبرت ہے (سورہ حجر)۔

جس عقدہ کا کھلنا ہنوز باقی ہے، وہ یہ ہے کہ کیسابلانکا، قم، رائے ونڈ اور اکوڑہ خٹک میں نشانیاں زیادہ ہیں یا رباط، تہران، اسلام آباد اور لاہور میں عبرت۔ عبرت اور نشانیوں کی تحقیق اور نشان دہی میں تاخیر ہوتی جارہی ہے، یہ تاخیر ہمارے حق میں

Marfat.com

نہیں ہے۔ بدعملی پر تاخیر قصداً اور مزید تاخیر نافرمانی میں شمار ہوتی ہے اور نافرمان خواہ افراد ہوں یا اقوام بستیاں ہوں یا معاشرہ، اللہ کی پکڑ ان سب کے لئے حتمی، شرطیہ اور کڑی ہے، سورہ ہود میں ارشاد ربانی ہے: وکذ لک اخذ ربک اذا اخذا القری وھی ظالمته ان اخذه الیم شدید. سورہ ہود۔ ترجمہ: اور تمھارا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو بے شک اللہ کی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہوتی ہے۔ منیر نیازی کا شعر ہے

سن بستیوں کا حال جو حد سے گزر گئیں
ان امتوں کا ذکر، جو رستے میں مر گئیں

3 اپریل

شرم شرم عیسائیت

عیسائیت کی قریب دو ہزار سالہ تاریخ میں پہلی بار رومن کیتھولک پوپ نے کیتھولکس کے ہاتھوں ہونے والے ان مظالم اور گناہوں پر عام معافی مانگ لی ہے، جن سے براہِ راست سماجی شکست و ریخت وابستہ رہی ہے۔

چار اپریل کو سینٹ پیٹرز چرچ روم میں جان پال دوئم نے رومن کیتھولک چرچ کے سربراہ کی حیثیت سے عام معافی مانگتے ہوئے ان تمام زیادتیوں کا اعتراف کیا ہے جو چرچ کی طرف سے ماضی میں روا رکھی گئیں۔ پوپ جان پال خصوصاً عورتوں، بچوں، یہودیوں، جپسیز اور دوسرے عقائد کے عیسائیوں سے معافی کے خواستگار ہوئے لیکن انہوں نے مسلمانوں کا لفظ تک زبان پر نہیں آنے دیا حالانکہ مسلمان ہنود و یہود کی نسبت عیسائیت سے زیادہ زخم خوردہ ہیں۔ سقوطِ مسلم ہسپانیہ کے المیہ پر عیسائیت نے جو ظلم مسلمانوں پر کیا، انسانی تاریخ میں ایسے جبر، بربریت اور ناانصافی کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔

عام معافی کی اس تاریخی طلب گزاری پر پوپ کا روئے سخن یہودیوں کی

Marfat.com

طرف ہی رہا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمنی میں 6 لاکھ یہودیوں کی فرضی نسل کشی المعروف ہولوکاسٹ، میں کیتھولک کردار پر پوپ کا مکرر معافی مانگنا، کیتھولک چرچ کے اس نصف صدی کے موقف کے برعکس ہے، جس پر رومن کیتھولک چرچ نصف صدی سے اصرار کرتا رہا ہے کہ جرمنی میں یہودیوں کی نسل کشی میں کیتھولک چرچ کا کوئی ہاتھ نہیں تھا، جب ہاتھ ہی نہیں تھا تو ندامت اور معافی کیوں اور کس حساب میں؟

امریکہ بھر میں پوپ کی اس فراخدلانہ معافی اور اعتراف کو سراہا جارہا ہے، اسے عیسائیت کا تاریخی لمحہ اور پوپ کو عیسائیت کا سپر سٹار قرار دیا جارہا ہے۔ ایک ایسا موضوع اخبارات اور ٹی وی کے ہاتھ آ گیا ہے کہ جس میں مسلسل پانی ملانے کے باوجود لسی پتلی ہونے میں نہیں آ رہی۔ امریکہ کی عیسائی پروٹسٹنٹ اکثریت کے جی دار لکھاری اور رومن کیتھولک چرچ کے ڈسے ہوئے دل جلے بین بین یہ بھی کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ عیسائیت کو اپنے تین ہزار یہ سال میں داخل ہوتے وقت اس معافی کی اشد ضرورت تھی اور جان پال دوئم کی اس عام معافی کے پس پردہ یہودیت کو گلے لگا کر یروشلم میں مسلم مفادات پر دباؤ ڈالنا مقصود ہے، اسی وجہ سے پوپ کی خواستگاری کی سوئی بار بار یہودیوں پر ہی رکتی رہی۔ 6 اپریل

تشدّد بمقابلہ تشدّد

اوکلوہاما سنٹر میں دہشت گردی کے سنگین واقعہ میں ملوث، موت کے سزا یافتہ ٹموتھی میک ویگھ نے ایک ٹی وی انٹرویو میں امریکی حکومت کو تشدد کا پرچارک قرار دیا ہے، ایک ایسی حکومت جو تشدّد دسکھاتی ہے۔

امریکی تاریخ میں ٹموتھی میک ویگھ کو سب سے بڑا دہشت گرد قرار دیا گیا ہے۔ اپریل 1995 میں میورہ فیڈرل بلڈنگ کو بم سے اُڑا دینے کے جرم میں ٹموتھی میک ویگھ کو موت کی سزا سنائی جاچکی ہے۔ اس دہشت گردی کے نتیجہ

Marfat.com

میں 166 افراد ہلاک اور ہزاروں زخمی ہوئے۔ ٹموتھی میک ویگھ امریکی قوم کا ایسا علامتی عفریت اور بھیانک خواب ہے، جو معاشرتی الٹ پلٹ، مذہب سے بے زاری، کمرشل ازم، بے مقصدیت اور مادر پدر آزاد معاشرہ کے بے راہ روبطن سے پیدا ہوا ہے۔ ایسا فرد جسے دوسروں کو مارنے کی تربیت اور خود کو بچانے کے گر سکھائے گئے ہیں، جسے ہر حال میں اپنا دفاع کرنا اور خود کو بچانا ہے۔ ایسا فرد جو آزردہ، بے یقین، خودسر، خالی اور بے وزن ہے۔ یہ محض ایک ٹموتھی میک ویگھ کا المیہ نہیں ہے بلکہ ایف بی آئی کی لسٹ پر ایک لاکھ سے زیادہ ممکنہ دہشت گرد اور سات سوایسی امریکی انتہا پسند وتشدد آمادہ تنظیمیں اور ہتھیار بند ملیشیاز موجود ہیں، جو اوکلوہاماسٹر جیسے المیہ کو کئی بار دہرا سکتے ہیں۔

پرشین گلف وار کے امریکی ہیرو اور میدانِ جنگ میں نمایاں کارکردگی دکھانے پر کئی اعزازات حاصل کرنے والے ٹموتھی میگ ویگھ نے اپنے انٹرویو کے دوران کہا ہے کہ امریکی حکومت کے پرتشدد اقدامات کے جواب میں تشدد ہی ایسا ردِّعمل ہوسکتا ہے، جو حکومت کو مزید تشدد سے روک سکتا ہے۔ ٹموتھی کا واضح اشارہ روبی رج اور ویکو ٹیکساس میں فیڈرل ایجنٹوں کے ہاتھوں مارے جانے والے بے گناہ بچوں، عورتوں اور دوسرے لوگوں کی طرف تھا۔ انہوں نے امریکی شہریوں پر زور دیتے ہوئے کہا کہ وفاقی حکومت پر کڑی نظر رکھنا بہت ضروری ہے چونکہ وہ تشدد کا جواز مہیا کر کے تشدد کی مزاحمت کرنا چاہتی ہے۔

ٹموتھی نے عراق سے جنگ کے بارے میں اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ دوسرے امریکی فوجیوں کی طرح سے عراق کی جنگ میں سرگرمی سے شریک ہوا مگر واپسی پر وہ ناخوش اور آزردہ تھا۔

ناخوش عراقی حکومت اور صدام حسین کی شیطانیت پر اور آزردہ، بے گناہ، معصوم اور سادہ دل عراقی عوام کی ہلاکت اور مصائب پر۔ ٹموتھی میک ویگھ نے وفاقی حکومت پر تشدد پھیلانے کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ امریکہ نے جو کچھ

Marfat.com

سوڈان، یوگوسلاویہ اور افغانستان میں کیا ہے، یہ امریکی دہشت گردی کی واضح مثال ہے۔ تشدد کی روک تھام تشدد کے فروغ سے نہیں جا سکتی۔

7اپریل

بیجنگ اور بنیادی آزادی

جنیوا میں انسانی حقوق کے کمیشن سے خطاب کرتے ہوئے امریکی وزیرِ خارجہ میڈیلین البرائٹ نے غیر متوقع طور پر بنیادی آزادی کے معاملے پر چین کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بیجنگ حکومت اقوامِ متحدہ کے تیار کردہ بنیادی انسانی حقوق کے چارٹر پر عمل درآمد کرنے سے قاصر رہی ہے حالانکہ چین سلامتی کونسل کا اہم رکن ہے۔ چین کے ساتھ ساتھ انہوں نے کیوبا، ایران، عراق، سوڈان اور میانمار کو بھی انسانی حقوق کی ضابطہ شکنی کا مرتکب قرار دیا۔

مذکورہ ممالک میں انسانی حقوق کی ضابطہ شکنی اپنی جگہ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ایسے ملکوں کی بھی فہرست بنائی جائے، جہاں اقوامِ متحدہ کے چارٹر پر عمل ہو رہا ہو تو وہ فہرست بھی دو چار ممالک سے زیادہ کی متحمل نہیں ہو سکتی ہے اور امریکہ بھی اس فہرست میں شامل نہیں ہوگا۔

خیر سے اب انسانی حقوق کا کینوس اس قدر پھیل گیا ہے کہ اس میں حقوق کم اور کینوس بہت سارا لگتا ہے۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر رسوائی اور انگشت نمائی ان ملکوں کے خلاف زیادہ ہے، جو امریکی زلف کے اسیر اور انکل سام کے حلیف نہیں ہیں۔ یوں تو چین کے خلاف انسانی حقوق کی امریکی مروڑ پر چین کے آنجہانی وزیرِ اعظم چواین لائی کا یہ مستند جواب ابھی تک کارآمد رہا ہے کہ ''ہمارے لئے ایک ارب انسانوں کو روٹی مہیا کرنا انسانی حقوق کے مسئلے سے کہیں زیادہ اہم ہے،، لیکن پچھلے عشرے سے چین میں رزق کی جو کشادگی آئی ہے، اس کے پیشِ نظر ایک اور مستند جواب کی توقع کی جا رہی ہے۔

8اپریل

Marfat.com

گلیشیر B-15

راس آئی لینڈ انٹارکٹکا میں یو ایس اے انٹارکٹک ریسرچ سٹیشن سے ایک خبر مع تصویروں کے شکاگو یونیورسٹی میں موصول ہوئی ہے۔ خبر یہ ہے کہ بحیرہ راس انٹارکٹکا میں گلیشیر B-15 اپنے کل سے ٹوٹ کر علیحدہ B-15 کا حجم اب تک ٹوٹنے والے گلیشیرز میں سب سے بڑا ہے جو بذاتِ خود اپنی جگہ کسی گلیشئر سے کم نہیں ہے۔ 183 میل لمبا اور 22 میل چوڑا برف کا یہ پہاڑ جس کی سطح کا رقبہ 4,247 مربع میل ہے، آج کل امریکہ اور کینیڈا کے جیوفزکس اور سمندری علوم کے ماہرین کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔

شکاگو یونیورسٹی میں جیوفزکس کے پروفیسر ڈگلس میکیال 1995 سے ہی B-15 میں بڑھتے ہوئے شگاف پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ پروفیسر صاحب کی توقع کے مطابق کو B-15 کو ٹوٹنا تو تھا ہی لیکن لگتا ہے کہ پروفیسر صاحب کے قیافہ سے ذرا زیادہ ہی ٹوٹ گیا ہے۔ سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق اس ٹکڑے میں تازہ پانی کی اس قدر مقدار مقید ہے، جتنی کہ ایک سال میں پورے کرۂ ارض پر ہونے والی اوسط بارش۔

فی الحال اس سیلِ بلا کی آمد و رفت آس پاس کے چھوٹے موٹے گلیشیرز کے درمیان محدود ہے لیکن دو ہفتوں سے تین ماہ کے دوران B-15 اپنے راستے میں حائل چھوٹے موٹے گلیشیرز کو تاراج کرتا ہوا کھلے پانیوں کا رخ کر سکتا ہے۔ اس اندیشہ پر نیوزی لینڈ کے کوسٹ لائن حکام پر غشی کے دورے پڑ رہے ہیں اور اعصاب پر دباؤ بڑھ گیا ہے کہ B-15 کے کھلے پانی میں آتے ہی اس کا رخ سیدھا نیوزی لینڈ کی کوسٹ لائن کی طرف ہوگا۔

10 اپریل

Marfat.com

سٹی آف اینجلز

لاس اینجلس کے نواح میں مسز ایلس کرافورڈ کے بچوں کا گورستان، جسے وہ ''سٹی آف اینجلز،، کہتی ہیں، نہ صرف پھیلتا جا رہا ہے بلکہ خدمتِ خلق اور نیکی کی منفرد مثال بن گیا ہے۔ یہ گورستان اپنی نوعیت کا دنیا بھر میں واحد گورستان ہوگا کہ جہاں صرف نومولود ہی دفنائے جاتے ہیں۔ گورستان کی سجاوٹ اور بناوٹ سے یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ شہرِ خموشاں ہے بلکہ یوں لگتا ہے کہ جیسے کوئی بھول کر بچوں کے کسی پارک میں آ نکلا ہوا۔ کہیں پنگھوڑے بنے ہیں، کہیں جھولے لٹک رہے ہیں، جگہ بہ جگہ ہوا سے گھومنے والی پلاسٹک کی رنگین پھرکیاں گڑی ہیں اور گھگوگھوڑے کھڑے ہیں۔ کہیں مسکراتی مریم کا مجسمہ گڑا ہے، کہیں غمزدہ عیسٰی ایستادہ ہیں۔ چھوٹے چھوٹے آبشار بنے ہیں اور فوارے چلتے رہتے ہیں۔ قطار اندر قطار رنگ برنگے پھولوں کی کیاریوں میں قرینہ اور پودوں کی صف بندی میں نفاست اور وسعت ہے، بجز قبر کے تعویزوں کے۔ کسی اور ڈھنگ سے یہ گورستان لگتا ہی نہیں۔ غالبًا ایلس چاہتی بھی یہی ہیں کہ یہ جگہ گورستان سے زیادہ جیتے جاگتے، ہنستے کھیلتے بچوں کی نرسری نظر آئے۔

ہر لحد میں مدفون بچہ اپنی جگہ ایک دل فگار کہانی اور غم زدہ موضوع ہے مگر سب کتبوں پر بچے کے نام کے ساتھ والدہ کے طور پر ایلس کرافورڈ کا نام لکھا ہے۔

ان قبروں میں دفن نومولود کون ہیں اور مسز ایلس کرافورڈ سے ان کا کیا ناطہ ہے۔ یہ ایک الم انگیز کہانی، عبرت آموز آموختہ، دل آزار موضوع، مادر پدر آزاد معاشرہ کا المیہ، سسکتی بلکتی انسانیت کی آہ اور عددی جمہوریت کا شاخسانہ ہے۔ جب بارہ بارہ سال کی بچیاں ہی بچے جننے لگیں تو مقتول و بے نام ونشان نومولودوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مسز ایلس کرافورڈ کے گورستان میں کوڑے میں پھینک دیئے جانے والے ایسے ہی مقتول نومولود دفن ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ایلس کرافورڈ سماجی مراکز، کوڑے کے ڈمپسٹر، سب وے سٹیشن، ہسپتالوں اور قتل کر کے جگہ بہ جگہ پھینک دیئے جانے والے دست برد بچوں کی لاش حاصل کرتی ہیں، ان کا نام رکھتی ہیں اور انہیں اپنا نام دیتی ہیں، متعلقہ دفتر پیدائش و اموات میں انہیں اپنے بچوں کے طور پر رجسٹرڈ کراتی ہیں، چرچ میں باقاعدہ مذہبی رسومات ادا کی جاتی ہیں، تجہیز و تکفین ہوتی ہے اور سٹی آف اینجلز میں ایک اور بے راہروی کا رکہانی کا انجام اور لحد کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

11 اپریل

حقوق پہلے، پیدائش بعد میں

امریکہ میں انسانی حقوق کے اکثر فورم اور بیشتر ادارے عرصہ دراز سے نوزائیدہ بچوں کے حقوق کے لئے قانون سازی کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اپنی کوششوں کے نتیجے میں موجودہ کانگریس کے ایجنڈے میں بالآخر ایک ایسا مسودہ قانون بحث مباحثے اور منظوری کے لئے شامل کرلیا گیا ہے کہ جس کے باقاعدہ قانون بن جانے سے رحمِ مادر میں موجود بچے بھی محفوظ و مستفید ہوسکیں گے۔ اس مسودہ قانون میں ایسے قانونی تحفظات شامل ہیں کہ جن کی رو سے انسانی زندگی کو ہر سطح پر احترام، تحفظ اور حقوق حاصل ہوں۔

نوزائیدہ بچوں کے اس مجوزہ قانون کے نفاذ سے حاملہ خواتین کے خلاف جارحیت، تشدّد اور دوسرے جرائم کو ہونیوالے بچوں کے خلاف بھی جرائم سمجھا جائے گا اور قرار واقعی سزا دی جا سکے گی۔

بچوں کے حقوق کے تحفظ میں سرگرم ایک فاؤنڈیشن کی سربراہ نے اس مجوزہ قانون سازی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کسی مسلح ڈکیتی، تشدّد یا حادثہ میں ایک ایسی خاتون زخمی ہو جاتی ہے جو حاملہ ہو اور اس ناگہانی کے نتیجے میں اس کے بطن میں موجود بچہ جانبر نہ ہوسکے تو اس صورت میں خاتون کے بچ جانے کے

Marfat.com

باوجود بھی بچہ کے قتل کا مقدمہ درج کیا جا سکے گا چونکہ ایسی صورتِ حال میں بھی بہرحال ایک انسانی زندگی تلف ہوتی ہے۔

15 اپریل

ہرجانہ ہزار گنا وہائے رنگ

میڈیکل ریسرچ جرنل کی ایک تحقیق کے نتیجے میں ان اعداد و شمار پر امریکہ بھر میں گہری تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے، جس کے مطابق امریکی ہسپتالوں میں مریضوں کی جان لیوا غلطیوں کے ارتکاب میں پچھلے برسوں 1997-1995 کے مقابلے میں 1999-1997 میں 12 فیصد اضافہ ہوا ہے۔

نت نئی ٹیکنالوجی، اعلیٰ سے اعلیٰ معیار، ہزار ضابطے تحریری پروسیجر، فالواپ اور سخت سے سخت قوانین کی موجودگی بھی جان لیوا غلطیوں کو روکنے میں ناکام رہی ہے۔ صرف 1999 میں اٹھانوے ہزار چار سو اکیس امریکی ہسپتالوں اور ڈاکٹروں کی غلطی سے موت کے منہ میں چلے گئے اور مہارت، معیار، ضابطے اور ٹیکنالوجی دھری کی دھری رہ گئی۔

ایک طرف ان جان لیوا غلطیوں کے نتیجے میں مرنے والوں کا اضافہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف ان غلطیوں کا کفارہ ادا کرنے میں ہسپتالوں اور ڈاکٹروں کو شدید مالی مشکلات کا سامنا ہے۔ ان ناگہاں مرجانے والوں کے لواحقین کی طرف سے قائم کردہ مقدمات کے عدالتی اخراجات اور تصفیہ کے لئے نقد رقم کی ادائیگی چار بلین ڈالر سالانہ سے اوپر ہو چکی ہے۔ یوں امریکن میڈیکل انڈسٹری کو ایک غلطی کا ازالہ مع آنجہانی کے قریب چار کروڑ ڈالر میں پڑ رہا ہے۔

انشورنس کمپنیز عجیب مخمصہ میں ہیں کہ حکومت تامین کے نرخ بڑھانے میں حائل ہے، عدالتی تصفیے کروڑوں میں ہو رہے ہیں اور ہسپتالوں میں غلطیوں کے لاشے لگ رہے ہیں۔ وہ کہاں تک کفارہ ادا کرتی رہیں کہ بالآخر مسیحاؤں کی ہر

Marfat.com

غلطی، ہر بھول چوک کا ازالہ بہر حال انشورنس کمپنی کے گلے میں پڑ رہا ہے۔

19 اپریل

سو سال سے اوپر

امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن کی سینئر سٹیزن سٹڈی کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت امریکہ میں ساڑھے چھ ہزار افراد ایسے ہیں، جن کی عمر عزیز سو سال سے تجاوز کر چکی ہے اور مزید آٹھ ہزار ایسے ہیں، جو سن دو ہزار کے خاتمے تک سو سال کے ہو جائیں گے۔ بڑھتے ہوئے بوڑھے لوگوں کی تعداد سے مستقبل قریب میں کئی سنجیدہ مسائل ابھریں گے، جن میں سرِ فہرست علاج معالجہ کی انتہائی مہنگی سہولتوں کو قریباً مفت مہیا کرنا ہوگا۔ ادھر امریکہ کا سوشل سیکورٹی سسٹم، جو ریٹائرمنٹ کے بعد امریکی شہریوں کو ماہانہ الاؤنس اور علاج معالجہ کی ضمانت فراہم کرتا ہے، شدید مالی دباؤ، اصلاحات اور تنقید کی زد میں ہے۔ سوشل سیکورٹی کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ موجودہ سسٹم بنیادی اصلاحات کے بغیر زیادہ سے زیادہ ایک اور عشرہ گزار سکتا ہے لیکن ہمارے خیال میں جب تک یہ مذکورہ عشرہ گزرے گا۔ بوڑھے لوگوں کی تعداد کل امریکی آبادی کا 18 فیصد ہو چکی ہوگی۔ اس وقت 60 سال سے 74 سال کے درمیان 11 فیصد لوگ اوسطاً 67 سال کے ہو چکے ہوں گے اور 75 سال سے زیادہ عمر کا موجودہ گروپ جو 7 فیصد ہے، قریب 86 سال کا ہو چکا ہوگا اور سو سال سے اوپر بزرگوں کی تعداد لاکھوں تک جا پہنچے گی۔ اس بُرے وقت میں سوشل سیکورٹی والوں کے قیافہ کے برعکس علاج معالجہ اور مالی مسائل سے زیادہ ان بوڑھے افراد کو جذباتی دباؤ اور ذہنی تنہائی کے سنگین مسائل درپیش ہوں گے، فیملی یونٹ کی ریخت اور کمرشل ازم کے بہاؤ میں ایسے لوگ کہاں سے لائے جائیں گے، جو بوڑھے افراد کے ساتھ پل بھر بھی ٹھہر سکیں گے۔

20 اپریل

Marfat.com

ایک اور دریا کا سامنا

نائب صدر الگور کے انتخابی کیمپ پر کلنٹن انتظامیہ کی کامیابیوں سے زیادہ صدر بل کلنٹن کے مشکوک کردار کے اندھیرے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ گورنر جارج بش کی ٹیم کی طرف سے ڈیموکریٹ لیڈر شپ کے خلاف اخلاقی معیار کا سوال زور شور سے اٹھایا جا رہا ہے، جو رائے عامہ کو آہستہ آہستہ متاثر کر رہا ہے۔ جارج بش مومینٹم حاصل کر رہے ہیں۔ جارج بش پر الگور کی برتری خفیف سے خفیف تر ہوتی جارہی ہے اور الگور جارحیت کے طنز و کنایہ سے دفاع کی سنجیدگی کی طرف آ رہے ہیں۔

الگور امریکی سیاست کی ایسی پیچیدہ صورتِ حال سے دوچار ہیں کہ وہ چاہتے ہوئے بھی صدر بل کلنٹن کے سیکنڈلز کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتے اور اگر کچھ کہتے ہیں تو پارٹی قیادت سے تنازع کے وہ متحمل نہیں ہو سکیں گے۔ الگور لاکھ کوشش کرتے ہیں کہ وہ بل کلنٹن کے حصار سے آزاد ہو کر اپنے حوالے اور بل بوتے پر رائے دہندگان کے سامنے آ سکیں مگر انہیں کلنٹن کی گہری چھاپ اور پچھلے آٹھ برسوں میں وائٹ ہاؤس کی بے توقیری کا سامنا ہے۔

نائب صدر الگور جب بھی صدر بل کلنٹن پر پچھلے الزام اور پہلے تنازعہ سے جانبر ہونے لگتے ہیں تو اس اثناء میں کوئی دوسری افتاد، کوئی نیا فتنہ سر اٹھا لیتا ہے۔ الگور کو ایک دریا کے پار اترنے سے پہلے ہی دوسرے دریا کا سامنا رہتا ہے۔ تازہ ترین افتاد یہ ہے کہ جونیتا براڈرک نے اس عزم کا پھر اظہار کیا ہے کہ ان کے پاس ایسے ثبوت موجود ہیں، جن سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ 1978 میں بل کلنٹن جب ارکنساس کے اٹارنی جنرل تھے تو وہ اس سے (جونیتا براڈرک) سے زیادتی اور زنا بالجبر کے مرتکب ہوئے تھے۔

پالا جونز کیس بھی اس نوعیت کا تھا، جس میں بالآخر صدر بل کلنٹن کو ساڑھے

Marfat.com

آٹھ لاکھ ڈالر پالا جونز کو ادا کر کے گلو خلاصی کرانی پڑی۔ مونیکا لیونسکی سیکنڈل نے ارکنساس پلے بوائے کی سابقہ کارگزاریوں پر یوں پانی پھیرا کہ اس سیکنڈل کے آگے، پرانے ماند پڑ گئے۔ مونیکا لیونسکی کیس میں عوامی دلچسپی کے پیشِ نظر واٹر گیٹ اور چائنا گیٹ جیسے سنجیدہ واقعات بھی پس منظر میں چلے گئے۔

صدر بل کلنٹن قسمت کے ایسے دھنی نکلے کہ وہ ان تمام سیکنڈلز میں کامیابی سے نکلتے چلے گئے۔ سابق صدر رچرڈ نکسن، جو بل کلنٹن سے کہیں زیادہ شاطر اور بڑے سیاستدان تھے، محض ایک واٹر گیٹ سے بھی جانبر نہیں ہو سکے تھے۔ صدر بل کلنٹن نے کسی نہ کسی طرح خود کو تو بچالیا ہے لیکن ان کی بے راہروی کا کفارہ نائب صدر الگور کو ادا کرنا پڑ رہا ہے۔ جارج بش بھی الگور کی اس دکھتی رگ کو خوب سمجھتے ہیں، اسی لئے وہ الگور کے ناقابلِ دفاع مقامات پر حملہ کرتے رہتے ہیں۔ یوں الگور کو پنپنے کا موقع ہی نہیں ملتا ہے۔ لگتا ہے کہ الگور کو صرف جارج بش ہی نہیں بلکہ بل کلنٹن بھی ہرا نہیں ہونے دیں گے۔

22 اپریل

نازو جان علی خانی

پاکستان میں افغان کیمپوں کی ایک افغانی معلمہ نازو علی خانی بچوں کے حقوق کی کانفرنس میں شرکت کر رہی ہیں۔ مہاجر کیمپوں میں افغان بچوں کے لئے تعلیمی وسائل کی شدید کمی کا خاطر خواہ نقشہ کھینچنے پر ان کی خاصی پذیرائی کی جا رہی ہے۔ اپنی مہاجرت کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے انتہائی دل زدگی سے افغانستان کو اپنا ایسا گم کردہ مال قرار دیا کہ جو کبھی ان کا تھا، اب بھی انہی کا ہے اور ہمیشہ ان کا ہی رہے گا مگر المیہ یہ ہے کہ وہ صرف اسے محسوس ہی کر سکتی ہیں، اس کی طرف دیکھ سکتی ہیں اور اشارہ کر سکتی ہیں مگر وہ اسے گلے لگانے سے قاصر ہیں، اس کی خوشبو، سائے اور زمین سے محروم ہیں۔

Marfat.com

نازو علی خانی کے بے ساختہ اظہار حب الوطنی بلکہ حب المال جسے وہ دوسرے لفظوں میں اپنا ملک کہتی ہیں، ان کے اس طرح کے سادہ رخ اور دل پذیر خیالات نے یہاں کے میڈیا پر خوشگوار تاثر مرتب کیا ہے۔

اقوام متحدہ، عالمی اداروں اور حکومتوں کی لاکھ کوشش کے باوجود بھی دنیا بھر میں اس طرح کے مہاجر کیمپ بڑھتے جا رہے ہیں اور ان کیمپوں میں متاثرین کی بڑی اکثریت بچوں پر مشتمل ہے۔ اس سارے قضیے میں طمانیت کا ایک ہی پہلو نظر آتا ہے کہ اندھیرے میں روشنی اور طوفان میں لائٹ ہاؤس کی طرح ان بچوں کو نازو جان علی خانی میسر ہیں۔

28 اپریل

چھوٹی اقلیت بڑی کامیابی

ریاست الی نائے کے سٹیٹ بورڈ آف ایجوکیشن نے سال 1999-2000 کے سالانہ سائنس فیئر میں جیتنے والے طلباء کا اعلان کر دیا ہے۔

اس سالانہ سائنس فیئر میں ہر سال ریاست الی نائے کے تمام سکول شریک ہوتے ہیں اور ہر طالب علم اپنے ایک سائنسی تجربہ، تحقیق، تھیوری یا ماڈل پر ایک پراجیکٹ تیار کر کے اس سائنس خیر میں پیش کرتا ہے، کلاس روم کی سطح سے شروع ہونے والا یہ سائنسی مقابلہ جس میں لاکھوں طلباء و طالبات حصہ لیتے ہیں، درجہ بدرجہ اور مشکل سے مشکل تر مرحلے سے گزرتا ہوا بالآخر سٹیٹ بورڈ آف ایجوکیشن میں اپنے فائنل مرحلے تک پہنچ جاتا ہے۔ یہاں سائنسدانوں کا ایک پینل ان 30 فائنلسٹس کا انتخاب کرتا ہے، جن کے سائنسی پراجیکٹس مقررہ معیار پر پورا اترتے ہیں۔

امسال جو 30 فائنلسٹس کامیاب قرار دیئے گئے ہیں، ان میں 12 مسلمان طلباء و طالبات ہیں اور ان بارہ میں سے آٹھ پاکستانی ہیں، جن میں پانچ طالبات ہیں۔ باقی چار مسلمان طلباء میں ایک فلسطینی طالبہ، ایک مصری، ایک ملائشین اور ایک

Marfat.com

کالی امریکن مسلمان طالبہ شامل ہے۔ الی نائے کے سکولوں میں مسلمان طلباء ایک فیصد سے بھی کم ہیں لیکن سائنس فیئر کے فائنلسٹس میں۔ ان کا تناسب 40 فیصد ہے۔ ان اعداد و شمار سے خوشگوار حیرت یہ ہوتی ہے کہ تعداد میں ایک فیصد سے کم پاکستانی طلباء کی فائنل میں کامیابی کی شرح 27 فیصد ہے۔

امریکی مٹی میں نم زیادہ ہے یا جس بھی طریقِ کار کے مطابق یہاں صلاحیتوں کو صیقل کرنے اور مہمیز دینے کا اہتمام رائج ہے، وہ ہمارے بچوں کی نفسیات، اہلیت، صلاحیت اور تخلیقی قوت کے عین مطابق ہے۔

تعلیمی میدان میں مسلسل ناکام تجربہ کرتے رہنے اور نصف صدی سے قوم کو جہالت کے اندھیرے میں مبتلا رکھنے والے جعلی اور دوزخ نشان تعلیمی ماہرین کو مزید ناکامیوں اور مال بنانے کا موقع دینے کی بجائے اگر امریکی نظامِ تعلیم کی ہی ہو بہو نقل کر لی جائے تو عین ممکن ہے کہ ہمارے بھی دن پھر جائیں۔ اس میں مضائقہ بھی کیا ہے کہ جب دوسرے امریکی سسٹمز اور شعبوں کی نقل اتاری جا رہی ہے تو تعلیمی نظام کی کاپی سے بھی انشاء اللہ ہمارے ایمان، انا، اور حمیت پر کوئی تریڑ نہیں آئے گی۔

امریکی سکولز سسٹم کی سب سے چھوٹی اقلیت نے کارکردگی اور کامیابیوں میں سب سے بڑی اکثریت کو بھی نیچے لگا رکھا ہے۔ اگر پاکستانی طلباء کی یہ کامرانیاں مسلسل اور مستقبل میں بھی جاری رہیں تو یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ امریکی معاشرے کو بالآخر مسلمان تسخیر کر لیں گے اور ان اہلِ تسخر میں واضح اکثریت جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی ہوگی۔

30 اپریل

پنجۂ یہود میں ہے.........

نیو یارک ٹائمز میں اس حالیہ معاہدہ کی تفصیلات شائع ہوئی ہیں، جو برلن میں

Marfat.com

وسطی یورپ، پولینڈ، یہودی مفادات کے نمائندہ اسرائیل کا ہن اور جرمنی کی حکومت کے درمیان عمل میں آیا ہے۔ اپنی نوعیت کے اس عجیب وغریب معاہدہ میں جرمنی کی حکومت کو 5 بلین ڈالر ان یہودیوں کو ادا کرنے پڑیں گے، جن سے دوسری عالمی جنگ کے دوران نازی کیمپوں میں بیگار لی گئی تھی۔ اس واقعہ پر نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ بیت چکا ہے، جن لوگوں نے نازی کیمپس میں مشقت کاٹی تھی، ان کی بڑی اکثریت عدم کو سدھار چکی ہے، جو باقی بچے ہیں وہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں مگر چونکہ یہودی ہیں، سو منظم، یک آواز اور معاملہ شناس۔ یہودی حقوق و مفادات کی عالمی تنظیمیں یہودیوں کے حقوق منوانے اور تسلیم کروانے میں اس قدر فعال ہیں کہ مشکل کو آسان اور ناممکن کو ممکن کرتی رہتی ہیں۔ ان تنظیموں کا نیٹ ورک اس قدر متحرک ہے کہ یہ تنظیمیں دنیا بھر کے انٹیلی جینس اداروں پر بھاری ہیں۔

دوسری عالمی جنگ میں جرمنوں کے ہاتھوں مارے گئے یہودیوں کے کئی طرح کے ہرجانے اور طرح طرح کے ازالے جرمنی سے کرائے جا چکے ہیں لیکن جرمنی کی بخشی ٹلنے میں نہیں آتی۔ مختلف معاہدوں میں اب تک 50 بلین ڈالر جرمنی کی حکومتیں یہودیوں کو ادا کر چکی ہیں لیکن یہودی کلیم ختم ہونے میں نہیں آتے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جو مطالبہ شروع میں بے جان اور رد کر دیئے جانے والا لگتا ہے، سال دو سال میں اسی مطالبہ کی مالی قدر اور ازالہ کے طریقِ کار پر مذاکرات ہو رہے ہوتے ہیں۔

5 بلین ڈالر کے موجودہ معاہدہ پر دستخط ہونے کے ساتھ ہی ایک اور کلیم داخلِ دفتر کیا جا رہا ہے، تازہ ترین مطالبہ یہ ہے کہ جرمنی میں دوسری جنگ کے دوران یہودیوں کے گھروں سے جو قیمتی نوادرات اور پینٹنگز، جرمن سپاہیوں اور گسٹاپو نے لوٹ لی تھیں، جرمنی کی حکومت ان کا معاوضہ قدر بمطابق رائج الوقت ادا کرے۔

Marfat.com

امریکی یہودی وکلاء کا ایک گروہ اسی کام کے لئے مخصوص اور گڑے مردے اکھاڑنے پر ہی مامور ہے۔

2 مئی

ذرا زیادہ ہی دیر آمد

امریکہ اور ویت نام کی جنگ ہوئے ربع صدی گزر چکی ہے لیکن اس عرصہ میں دونوں ملکوں کے درمیان کھنچاؤ اور تناؤ والی صورتِ حال برقرار رہی ہے۔ ان پچھلے 25 سالوں میں ویت نام کا لفظ اور حوالہ موجودہ امریکی نسل کے لئے ایک میدانِ جنگ، ہزیمت، رائیگاں لہو کی علامت، خوف اور سوالیہ نشان بنا رہا ہے۔ حفظِ ماتقدم کے سارے حیلے اور حفاظتی اقدامات کی ساری احتیاطوں کے بیک وقت استعمال سے امریکی معاشرہ پر ویت نام کے حوالہ سے ایک ایسی paranoiac دھند چھائی رہی ہے کہ جس کے آر دیکھو یا پار، وہی ہیولہ نظر آتا ہے، جسے خود ہی تراشا اور ایستادہ کیا گیا ہو۔

پچھلے دنوں ویت نام میں فتح کی سلور جوبلی تقریبات کے بعد سے دونوں ملکوں کے درمیان بالآخر برف پگھلنی شروع ہو چکی ہے اور پہلی بار ویت نام کو محض ایک قتل گاہ کی بجائے ایک قوم اور ملک کی حیثیت سے دیکھا جا رہا ہے۔ دونوں ملکوں کی ایئر لائنز ایک دوسری طرف آ جا سکیں گی، فضائی رابطہ، سیاحت اور ٹریڈ اُستوار کرنے پر بات چیت ہو رہی ہے اور طلباء و دانشوروں کا تبادلہ عمل میں لایا جائے گا۔ ان معاہدوں کو امریکی رجحان و رویّہ میں تبدیلی سے منسوب کیا جا رہا ہے، جو بہت آہستگی سے پچیس سالوں میں عمل میں آئی ہے۔

پینٹاگون میں ایڈمرل ڈینس بلیئر نے ایک بریفنگ میں ان تبدیلیوں کو امریکی سوچ میں تبدیلی کا رجحان، قرار دیا ہے۔ قیاس اغلب ہے کہ اگر حقائق سمجھنے اور ماننے کا یہ رجحان برقرار رہا تو اس سے عرب ممالک اور پاکستان کو فائدہ پہنچ سکتا

Marfat.com

ہے۔

3 مئی

اے ہمتِ مردانہ

قیامِ پاکستان کو بیسویں صدی کا معجزہ کہا جائے تو سوویٹ روس کے خاتمہ کو بیسویں صدی کی انہونی کہا جاسکتا ہے۔ پچھلے پورے عشرے میں اس انہونی پر امریکہ میں جس قدر لکھا اور کہا گیا ہے، اتنی جانکاری اور کالے کاغذ تو سوویٹ روس میں بھی نہیں کیے گئے۔ طرح طرح کے تجزیوں، ہرطرح کے قیافوں اور سبھی طرح کے امکانات پر ہرزاویہ سے مضمون باندھے گئے ہیں مگر اس انہونی پر امریکی تحیر کم ہونے میں ہی نہیں آتا۔ اصل اور اندر والی بات کی کھوج ہنوز جاری ہے حالانکہ اندر والی بات روس سے کہیں پہلے امریکہ کو معلوم ہی تھی۔ اندر والی بات کی کھوج میں نت نئی قیافہ شناسیوں اور دلچسپ خیال آرائیوں کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا جارہا ہے۔

انحطاطِ روس کی اَن گنت وجوہات ہیں۔ جبر، معاشی، استحصال، غیرفطری نظام، کرپشن، معاشی ناآسودگی اور لامذہبیت جزوی طور پر ان تمام عوامل نے تقسیمِ روس کو ممکن اور آسان بنایا، یہاں تک تو سب متفق ہیں، وجوہات انحطاطِ روس پر سب کا ایکا اور ایک جیسی رائے ہے لیکن یہ ہوا کیسے؟ جنگلی ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر کس نے باندھی؟ اس زنجیر باندھنے پر اختلاف اور مختلف آراء ہیں۔ اس بارے میں کوئی دور کی کوڑی لاتا ہے اور کوئی بہت دور کی سیپی، روزانہ مضمون، تجزیے اور قیافے شائع ہوتے ہیں لیکن اختلاف اپنی جگہ قائم ہے۔ ہمارے نزدیک زنجیر باندھنے اور نکیل ڈالنے کا سہرا (اگر نکیل ڈالنے پر سہرا باندھا جاسکتا ہو) ریاست لیتھوینیا کے سرباندھا جانا چاہیے۔

لیتھوینیا، سابق سوویٹ روس یونین کی ایک چھوٹی سی ری پبلک جو روس کے

Marfat.com

شمال مغرب میں پولینڈ کی سرحد کے قریب واقع ہے، 25 ہزار مربع میل اور 36 لاکھ نفوس کی اس چھوٹی سی ریاست نے اپنی حقِ خودارادی کی راہ اور حصول آزادی کے لئے جرأت، ثابت قدمی، دانشمندی اور استقلال کا ایسا مظاہرہ کیا جو بالآخر سویٹ یونین کے انحطاط پر منتج ہوا۔ لیتھوینیا نے 1918 میں روس سے آزادی حاصل کر کے اپنی خودمختار ریاست قائم کر لی تھی لیکن یہ آزادی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اور 1939 میں روسی دوبارہ لیتھوینیا پر قابض ہو گئے، روس لیتھوینیا پر قابض تو ہو گئے مگر لیتھوینیا کی علیحدگی اور آزادی کے لئے قائم ہو جانے والی زیرِ زمین تنظیموں پر کبھی قابو نہ پایا جا سکا۔ خصوصاً برادرز فارسٹ نامی مزاحمتی تحریک نے نامساعد حالات میں بھی لیتھوینیا کے لئے آزادی کی تحریک زندہ رکھی۔ ایک طرف رُوسی حکام سائبیریا کے برف زار کو لیتھوینیا کے حریت پسندوں کے لہو سے لہوزار بنا رہے تھے تو دوسری طرف حریت پسند، شدّت پسندوں میں بدلتے جا رہے تھے۔ کے جی بی کی پوری کوشش کے باوجود لیتھوینیا کی زیر زمین مزاحمت کو ختم نہ کیا جا سکا بالآخر یہی ثابت قدم مزاحمت روس کو 15 ٹکڑوں میں تقسیم کر دینے کا باعث بنی۔

روسی وحدت پر پہلا شگاف اس وقت پڑا، جب لیتھوینیا کی قیادت نے 1987 کے اواخر میں حصولِ آزادی کو مسلح مزاحمت کی بجائے قانونی اور سیاسی طور پر حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔

لیتھوینیا کی قیادت قریب نصف صدی سے جاری بے نتیجہ مزاحمت سے یہ سبق سیکھ چکی تھی کہ روس سے آزادی حاصل کرنا اور وہ بھی میدانِ جنگ میں، کم از کم لیتھوینیا جیسی چھوٹی ریاست کے لئے ممکن نہیں ہے۔ لیتھوینیا کے اس سیدھے سادے فیصلہ کے مضمرات 1988 میں تو نظر نہیں آتے تھے لیکن دوسال کے اندر، اندر لیتھوینیا کی اس نئی سٹریٹجی نے روس کے لئے سیاسی اور قانونی مشکلات پیدا کر دیں۔ لیتھوینیا کی قیادت نے انتہائی دانشمندی سے ایک نیا موقف متعارف کرایا کہ ''لیتھوینیا کے لئے آزادی حاصل کرنے کی بجائے لیتھوینیا کی آزادی بحال کی

Marfat.com

جائے گی،، اس موقف کی بنیاد لیتھوینیا کی اس وقتی خود مختاری پر رکھی گئی، جو اسے 1918 تک حاصل رہی تھی۔ اس نئے موقف کے تحت لیتھوینیا کی پارلیمنٹ نے لیتھوینیا کا 1938 والا متروک و معطل آئین بحال کر کے اسے روسی آئین کی جگہ نافذ کرنے کا اعلان کر دیا۔ لیتھوینیا کی اس جرات و جسارت پر ابھی روسی ردعمل سامنے آیا بھی نہیں تھا کہ لیتھوینیا کی پارلیمنٹ اندرخانہ بحالی آزادی کے اقدامات میں مصروف ہوگئی۔ لیتھوینیا کے ان انقلابی اقدامات سے روس کی دوسری ریاستوں بیلارس، اسٹونیا اور لیٹویا وغیرہ میں علیحدگی کی تحریکوں نے زور پکڑ لیا اور لیتھوینیا کے جراتمندانہ اقدامات نے پورے روس میں جمہوریت پسند، کمیونزم بیزار اور علیحدگی پسندوں میں ایک ولولہ تازہ اور آزادی کی روح پھونک دی۔

شدید روسی ردعمل کی توقع اور دباؤ میں لیتھوینیا کی پارلیمنٹ کو بہت کم وقت میں بہت بڑا فیصلہ کرنا تھا یعنی روس سے علیحدگی اور مکمل آزادی۔ 11 مارچ 1990 کی رات دو بجے تک پارلیمنٹ میں یہ بحث مباحثہ جاری رہا کہ 12 یا 13 مارچ تک جو روسی قہر ٹوٹنے والا ہے، اس سے مدافعت کی کیا صورت ہو؟ کسی نتیجہ پر پہنچے بغیر صبح سویرے تک کے لئے اجلاس منسوخ ہوگیا۔ 11 مارچ کی صبح سویرے اجلاس جب دوبارہ شروع ہوا تو روس کی تقسیم پر مہر لگ چکی تھی۔ دوسرے سیشن کے شروع ہوتے ہی وٹائس لینڈ برجس کو ایوان کا نیا چیئرمین منتخب کیا گیا اور لینڈ برجس نے بلا توقف اعلانِ آزادی کے لئے ہاں یا نہ میں رائے شماری کا حکم جاری کر دیا۔ اگلے دس منٹوں میں رائے شماری مکمل ہوئی اور نصف صدی کا سفر ایک ہی صبح میں طے ہوگیا۔

رائے شماری میں تمام کے تمام 124 ممبروں نے اعلانِ آزادی کے حق میں ووٹ دے کر چند ہی منٹوں میں روس جیسی جابر اور سپر پاور مملکت پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا۔ لیتھوینیا کے اس اعلانِ آزادی سے روسی ریاستوں میں علیحدگی اور آزادی کی ایک نہ تھمنے والی ایسی لہر چلی کہ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بھر کو لرزہ براندام رکھنے والا ملک

Marfat.com

خود ہی ریزہ ریزہ ہو کر رہ گیا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ روس پر کاری وار اور گہرا گھاؤ لیتھوینیا کے ہاتھوں ہی لگا۔

7 مئی

سوال موصل الی المطلوب

خاتونِ اوّل ہیلری کلنٹن نے جب سے سینٹ کیلئے انتخاب لڑنے کا اعلان کیا ہے، وہ مسلسل میڈیا کے نرغہ میں ہیں، ایک ہی طرح کے سوال طرح طرح سے پوچھے جا رہے ہیں اور وہ ہر طرح سے ان ایک ہی طرح کے سوالوں کا جواب دے چکی ہیں، بجز سیدھے جواب کے۔ خاتونِ اول ہر بار میڈیا کا نرغہ توڑنے میں کامیاب رہی ہیں بلکہ اب تو اس میدان میں وہ خاصی ماہر ہوتی جا رہی ہیں۔ پچھلے دنوں نیویارک میں ڈبلیو جی آر، ریڈیو کو انٹرویو دیتے ہوئے صورتِ حال خاصی تلخ ہوگئی، لیکن اس کے باوجود بھی انٹرویو کے دوران ہیلری کلنٹن نے ہاں یا نہ کئے بغیر سیاستدانوں والا مخصوص امریکی ٹمپو برقرار رکھا۔ ریڈیو میزبان ٹام بارلے اور ہیلری کلنٹن کے درمیان سوال جواب کی نوعیت سوال از آسمان، جواب از ریسماں ہونے کے باوجود سب اچھا اور حسبِ معمول ہے۔

ٹام بارلے: گو کہ یہ سوال پوچھنے پر آپ مجھ سے نفرت کریں گی لیکن یہ بتایئے کہ کیا آپ نے غیر مردوں سے ناجائز تعلقات استوار کر کے صدر بل کلنٹن سے کبھی بے وفائی کی ہے۔ خصوصاً وائٹ ہاؤس کے سابق ڈپٹی کونسل ونس فوسٹر سے آپ کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟

ہیلری کلنٹن: میں تم سے یہ سوال پوچھنے پر نفرت نہیں کروں گی لیکن میرے خیال میں اس طرح کے سوالات حدود سے باہر ہیں۔

ٹام بارلے: نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔

ہیلری کلنٹن: کسی نہ کسی مرحلہ پر یہ کہنا ہی پڑے گا کہ اس طرح کے سوالات اور

Marfat.com

قیافے اس بات پر سے توجہ ہٹا دیتے ہیں کہ ہم مل کر کیا کام کر سکتے ہیں؟

ٹام بارلے: کیا آپ نے کبھی کوکین یا دوسری منشیات استعمال کی ہیں؟

ہیلری کلنٹن: ٹام! تم نے آج صبح ناشتہ میں کیا کھالیا ہے، میرا خیال ہے کہ ہمیں مغربی نیویارک میں نئی ملازمتوں کے موقع فراہم کرنے کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ میں 25 سال سے بل کلنٹن کے ہمراہ ہوں، ہماری شادی کو 25 برس ہو چکے ہیں، ہمارے خاندان میں ایک دوسرے سے محبت کی جاتی ہے اور میرا ارادہ ہے کہ اپنی بقیہ زندگی بھی بل کے ساتھ ہی گزاروں گی۔

جب سے یہ انٹرویو آن ائیر ہوا ہے، ہیلری کلنٹن کے جوابات میں بین السطور یہ ڈھونڈا جا رہا ہے کہ شاید ان کے کسی لفظ کو ہاں یا نہ سے تشبیہ دی جا سکے، لیکن ہمارے خیال میں ایسا مشکل ہی لگتا ہے کیونکہ سوال جس قدر سیدھے رخ اور دوٹوک ہیں، جواب بھی اسی قدر سادہ اور مختصر ہیں، یہ الگ بات کہ جواب کا سوال سے کوئی تعلق ہرگز نظر نہیں آتا ہے۔ ڈیموکریٹ حلقے ہیلری کلنٹن کے ان جوابات کو بھی ان کی ذہانت اور معاملات سے نبٹنے کی صلاحیت قرار دے رہے ہیں جبکہ کہیں کہیں ٹام بارلے کی بھی واہ واہ ہو رہی ہے کہ بالآخر اس نے وہ سوالات پوچھ ہی لیے، جو ہر امریکی ہیلری کلنٹن سے پوچھنا چاہتا ہے۔

سوال آسماں، جواب از ریسماں کا ایک اور واقعہ بھی خاصا مشہور ہو چکا ہے۔ واشنگٹن ڈی سی میں یہ سوال جواب ایک صحافی اور ایک سابق وزیراعظم کے درمیان اس طرح ریکارڈ کیے گئے ہیں۔

صحافی: اس بات میں کتنی صداقت ہے کہ سرے کاؤنٹی برطانیہ میں آپ ایک قیمتی جائیداد کی مالکہ ہیں؟

سابق وزیراعظم: ہم نے ملک کی بڑی خدمت کی ہے، ہم یہاں جمہوریت لائے اور عوام کے ووٹوں سے منتخب ہوئے تھے لیکن یہ ہماری حکومت اور عوام کے خلاف سازش ہے۔

Marfat.com

صحافی : برطانیہ کی حکومت نے جو دستاویزات حکومتِ پاکستان کے حوالے کی ہیں اگر ان میں اس جائیداد سے متعلق کچھ نہیں ہے تو پھر آپ کی طرف سے برطانوی حکومت سے یہ درخواست کیوں کی گئی کہ یہ دستاویزات حکومت پاکستان کے حوالے نہ کی جائیں؟

سابق وزیراعظم: ہمارے ہاں عوامی حکومت پر دباؤ ڈالا جاتا ہے لیکن ہم ادھر سے بھی جمہوریت کی بحالی کے لئے کافی کام کر رہے ہیں اور عوام کے خلاف سازشوں کا مقابلہ کریں گے۔

صحافی: کیا آپ کے پاکستان واپس نہ جانے کو یہ سمجھا جائے کہ آپ قانون سے بچنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

سابق وزیراعظم: پاکستان کی خارجہ پالیسی، کشمیر پالیسی اور مذہبی بنیاد پرستی کے خلاف ہمارے موقف کو سراہا جاتا ہے اور ہمیں دنیا بھر میں اس کا کریڈٹ مل رہا ہے لیکن ہمارے ہاں جمہوریت اور جمہوری اداروں کو کبھی مستحکم ہونے کا موقع نہیں دیا جاتا۔

9 مئی

جیفرسن کی بائبل

تھامس جیفرسن کی مرتب شدہ بائبل ایک بار پھر تنقید وتبصرہ کی زد میں ہے اور اس کی مخالفت وموافقت میں دلائل کا زور بندھا ہوا ہے۔ کولمبیا یونیورسٹی کے امریکی مذہبی تاریخ کے پروفیسر رینڈل بالمر نے جیفرسن کی بائبل کو ایک مخصوص عہد، طبقہ اور اس عہد کی روحانی ضرورت قرار دیا ہے لیکن ہمارے خیال میں یہ بات اس سے کہیں آگے تک ہے۔

تھامس جیفرسن کی بائبل پہلے پہل 1956 میں منظر عام پر آئی۔ اس سے پہلے امریکی حکومت نے اسے خفیہ ہی رکھا۔ 1904 میں امریکی حکومت کے پریس

Marfat.com

نے اسے شائع کیا لیکن اس کی تمام کاپیاں سینٹ انتظامیہ کی نگرانی میں رہیں۔ نئے منتخب ہونے والے سینیٹرز اور کانگریس کے نمائندوں کو ان کی حلف برداری کے بعد اس بائبل کا ایک نسخہ راز داری سے پیش کیا جاتا اور یہ راز داری 1956 تک قائم رہی۔ 1956 میں جیفرسن بائبل کا ایک نسخہ سینیٹر فرنیک چرچ کے صاحبزادے چرچ جونیئر کے ہاتھ لگ گیا، یوں جیفرسن کی بائبل پہلی بار حکومتی راز داری کے حصار سے نکل کر تنقید و تبصرہ کی دنیا میں پہنچی۔

اعلانِ آزادی کے خالق اور امریکہ کے تیسرے صدر تھامس جیفرسن، (1743-1826) جنہیں امریکہ کا سب سے بڑا پولیٹیکل فلاسفر تسلیم کیا جاتا ہے، امریکی صدارت کے بعد انہوں نے عمر عزیز کے باقی سال بائبل کے مطالعہ اور تحقیق میں صرف کیے۔ تھامس جیفرسن نے یونانی، لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں بائبل کے تراجم کا مطالعہ و موازنہ کیا۔ اس کے بعد تھامس جیفرسن نے ایک ایسی بائبل مرتب کرنے کی سعی کی، جو ان کے نزدیک اصل بائبل جیسی تھی۔ تھامس جیفرسن نے اپنی علمیت، عقیدہ، رجحان اور خیالات کے مطابق بائبل کے مختلف نسخوں سے اپنی پسند کے مواد پر مبنی بائبل ترتیب دی۔ 46 صفحات پر مبنی یہ بائبل بعد میں جیفرسن کی بائبل کے نام سے مشہور ہوئی لیکن امریکی حکومت نے مذہبی حلقوں اور عیسائی اداروں کی تنقید کے ڈر سے اس بائبل کو قریب ایک سو تیس سال تک خفیہ ہی رکھا۔

جیفرسن نے اپنی مرتب کردہ بائبل میں ایسے کسی حوالہ کو شامل نہیں کیا ہے، جس میں حضرت عیسیٰ کو خدا کا کہا گیا ہو یا حضرت عیسیٰ کا خدا سے کوئی غیر معمولی رشتہ ناطہ ہو۔ اسی طرح کسی مافوق الفطرت واقعہ یا شخصیت کو بھی اس بائبل میں جگہ نہیں دی گئی۔ معجزاتی واقعات، مابعد الطبیعات اور پُراسراریت کو بھی جیفرسن کی بائبل میں جگہ نہ مل سکی۔ جیفرسن نے اپنی بائبل کے لئے بائبل سے ایسے احکامات اور ضابطوں کا انتخاب کیا، جن کا تعلق بہترین انسانی اخلاقیات، قربانی اور حاجتمندوں کی حاجت روائی سے ہے۔

Marfat.com

جیفرسن کی اس روشن خیالی، حقیقت پسندی، انسان دوستی اور ذہنی ترقی پسندی کے بارے میں سکالرز کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ تھامس جیفرسن کے خیالات اور تحریریں قرآنِ پاک سے متاثر تھیں۔ جیفرسن کی تخلیقی صلاحیت، اور تحریری قوت کی اساس کو کلامِ الٰہی سے اخذ کردہ کہا جاتا ہے، ویسے بھی جیفرسن نے اپنی بائبل کے لئے بائبل کے جن حصوں اور ضابطوں کا انتخاب کیا ہے، ان پر قرآن کی گہری چھاپ ہے۔

کچھ ناکامیوں پر ہاتھ ملنے کی بجائے آنکھیں بھی ملنی چاہئیں، جو خود کو قرآن کا وارث اور امین کہتے ہیں، وہ قرآن سے فال نکالنے اور نام رکھنے، اس کی خطاطی، بیبیوں کی روانگی کے وقت انہیں قرآن کے نیچے سے نکالتے، رنگ برنگے ریشمی غلاف سینے، شیشے کاٹنے اور عدالتوں میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر جھوٹی گواہی دینے کے سوا قرآن سے کچھ زیادہ مستفید نہ ہو سکے۔ اب چونکہ قرآن پر کوئی کاپی رائٹ تو ہے نہیں، نہ ہی اس سے استفادہ میں غفلت، بدنیتی اور ذاتی مفادات کے سوا کوئی رکاوٹ حائل ہے، سو جو بھی اس پر دردمندی سے غور کرتے ہیں اور اخلاص سے عمل کرتے ہیں، وہی مستفید بھی ہو سکتے ہیں۔

16 مئی

سینیٹر کرنل جان گلین جونیئر

نیشنل ہیلتھ انسٹیٹیوٹ میں 77 سالہ جان گلین نے اپنے حالیہ خلائی مشن کی کامیابی کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا ہے کہ ناسا کو مزید سینئر سٹیزن خلا میں بھیجنے چاہئیں تاکہ یہ تاثر ختم کیا جا سکے کہ عمر یافتہ حضرات خلاء میں پرواز کے قابل نہیں ہیں۔

پچھلے سال نومبر میں جان گلین کو جب خلاء میں بھیجا گیا تو وہ خلاء میں بھیجے جانے والے سب سے زیادہ عمر یافتہ فرد تھے۔ انہوں نے کششِ ثقل کی عدم موجودگی میں 9 دن خلا میں گزار کر مستقبل میں خلائی سفر کے دروازے پر زیادہ

Marfat.com

کے افراد کے لئے کھول دیئے ہیں۔ ناسا کے ترجمان نے کہا ہے کہ جان گلین نے خلائی سفر کا دباؤ اور سفر کے جسمانی اثرات کا انتہائی کامیابی سے سامنا کیا ہے۔ دورانِ سفر اور خلا میں ان کے دل کی رفتار، کیفیت اور دورانِ خون سب کچھ نارمل رہا ہے بلکہ جان گلین کی جسمانی حالت اور دماغی کیفیت اپنے دوسرے خلائی ہمسفروں سے قدرے بہتر ہی رہی ہے، جن کی عمریں جان گلین کی عمر کا آدھا بھی نہیں تھیں۔

جان گلین اس خلائی سفر سے پہلے 1962 میں زمین کے گرد خلائی مدار میں پرواز کا تاریخی کارنامہ انجام دے چکے ہیں۔ جان گلین دوسری جنگِ عظیم اور کوریا کی جنگ میں چھ دفعہ فلائنگ کراس اور ایک بار ائیر میڈل کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔ امریکن میرین کور میں شاندار خدمات کے بعد سیاست میں بھی ان کا ستارہ خوب چمکا، وہ پانچ بار سینیٹر منتخب ہوئے۔ ربع صدی سینٹ میں گزار کر وہ ابھی حال ہی میں سینٹ سے ریٹائر ہوئے ہیں۔

جان گلین کو امریکہ میں LIVING LEGEND کا اعزاز حاصل ہے۔ ان سے قبل یہ اعزاز امریکی صدر جنرل آئزن ہاور کو حاصل رہا ہے۔

17 مئی

بجلی کی کرسی یا لیتھل انجکشن

سپریم کورٹ نے سزائے موت بذریعہ بجلی کی کرسی پر عمل درآمد روکتے ہوئے الباما میں قتل کے جرم میں سزائے موت کے منتظر رابرٹ ٹریور کی اپیل سماعت کے لئے منظور کر لی ہے۔ رابرٹ ٹریور نے اپیل میں بجلی کی کرسی سے موت کی سزا کو امریکی آئین کی خلاف ورزی قرار دیا ہے۔ رابرٹ ٹریور کے وکلاء نے بجلی کے جھٹکوں سے مارنے کے عمل کو ظالمانہ، تکلیف دہ، غیر انسانی اور غیر آئینی قرار دیا ہے گو کہ سپریم کورٹ نے اپیل کی سماعت کی منظوری کی وجوہات نہیں بتائی ہیں، لیکن موت پر عمل درآمد کروانے کے احکامات پر یہ قیاس آرائی کی جا رہی ہے کہ سپریم

Marfat.com

کورٹ سزائے موت پانے والوں کے آئینی حقوق کے تناظر میں بجلی کی کرسی کی بجائے لیتھل انجکشن سے مارنے کے حق میں فیصلہ کر سکتی ہے۔

سپریم کورٹ میں رابرٹ ٹریور کی اپیل کی منظوری سے، سزائے موت سرے سے منسوخ کر دینے کی حامی تنظیموں کے وکلاء حرکت میں آ گئے ہیں، ان وکلاء نے اپنے اس دیرینہ مطالبہ کو دہرایا ہے کہ سزائے موت پر عمل درآمد کے تمام ذرائع کا ازسرِ نو جائزہ لیا جائے اور ہر طریق کی آئینیت کو پرکھا جائے، ان کے مطابق طریقہ خواہ کوئی بھی ہو، آئین سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

18 مئی

جہاد اندر جہاد

مشی گن یونیورسٹی میں افغان طلباء تنظیموں کے زیرِ اہتمام افغان کانفرنس اختتام کو پہنچ گئی ہے، اس کانفرنس میں افغانستان میں جہادِ افغانستان کے اثرات، مختلف جہادی تنظیموں کے حوالے، امریکی و پاکستانی حکومت کا کردار، مستقبل کے خدشات، طالبان حکومت کے مسائل اور افغانستان کے موجودہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل پر خاصے دانشورانہ مقالے پڑھے گئے ہیں لیکن اس ساری عرق ریزی میں پاکستانی معاشرہ و معیشت پر افغانی خون خرابہ کے اثرات کا حوالہ مفقود رہا۔ منطقی طور پر اس حوالہ کو مفقود ہونا بھی چاہیے تھا چونکہ آج تک ہم نے خود بھی یہ تجزیہ نہیں کیا ہے کہ خرابی افغانستان سے ہم پر کیا گزری، حکومت کا نقطہ نظر، پالیسی اور تجزیہ ہے، سیاسی رہنماؤں کی آراء ہیں، مذہبی جماعتوں کے نظریات ہیں، دانشوروں کی دانشوری اور کالم نگاروں کے کالے کاغذ ہیں مگر ان ساری کارگزاریوں میں پاکستانی عوام کا نقطہ نظر اور ہمارے معاشرہ پر افغانی ابتلا کے اصل، حقیقی اور ناقابلِ تردید اثرات کا معمولی سا حوالہ بھی نہیں ہے۔ اس سچ کو ماننے، کہنے، لکھنے اور چھپانے میں بلا کا ایکا اور شدید رازداری قائم کی گئی اور اسے نبھانے پر مصافحہ کیا

Marfat.com

گیا اور ہر دو کی الگ الگ قیمت وصول کی گئی، چپ رہنے اور مسکراتے رہنے کی علیحدہ اور مصافحہ کی علیحدہ۔

جس کی جو بھی مجبوریاں ہوں لیکن مجبوریوں سے قطع نظر سچ یہ ہے کہ جب سارا افغانستان جل رہا تھا اور افغانی ایسی ابتلا میں گھرے تھے کہ بچے بھوک سے بلکتے تھے، بوڑھوں، بیماروں اور زخمیوں کو علاج معالجہ میسر نہیں تھا اور حاملہ عورتیں بچہ جننے کے لئے محفوظ مقام ڈھونڈتی تھیں۔ایک آگ تھی، جو دن رات برستی تھی، ایک قہر تھا کہ جس کا زور کسی بھی دعائے حاجات سے ٹوٹنے میں نہیں آتا تھا لیکن ابتلا، آزمائش اور اوسان خطا ان لمحوں میں بھی افغانی امیر المومنین کے امیدواروں نے ایک ایسی سبیل نکال لی کہ آگ، ابتلا اور آزمائش کا یہ عہدِ خون آشام نہ صرف ان لوگوں کے اوپر اوپر سے گزر گیا بلکہ فائدہ، مراعات، مال اسباب، ڈالرز، خدام، ارشادات، لونڈیاں، تشہیر، مخبری، آسائشیں، انٹرویوز اور ضیافتوں کے در وا ہو گئے۔ اللہ کی راہ میں جہاد اور جان دینے سے بھاگے ہوئے ساڑھے چھ چھ فٹ کے نورانی مگر افغانی رہنما اپنی تین تین زنانیوں، پندرہ پندرہ بچوں اور مال اسباب سے لدے ٹرکوں سمیت جب پاکستانی سرحد میں داخل ہوتے تو جہاد فی سبیل اللہ سے بھاگے ہوئے ان افغانی رہنماؤں کو سب سے پہلے ہار پہنائے جاتے۔ پھر ٹھنڈا ٹھار شربت اور الائچیوں والا سعودی قہوہ پلایا جاتا۔ان کی بلائیں لینے اور عشائیہ کھلانے کے بعد انہیں اسلام آباد کی طرف روانہ کر دیا جاتا۔ جہاں پاکستانی امیر المومنینی کی ریہرسل میں مبتلا امیر ان کے لئے چشم براہ ہوتے۔

اپنی جس بھی سیاسی حکمتِ عملی کے تحت جنرل ضیاء الحق نے ان افغانی لیڈروں کو افغانستان کا امیر المومنین لگوانے کا لارا لگائے رکھا، وہ اپنی جگہ مگر اس سے پاکستانی معاشرہ کو ایسا ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے کہ اس کی تلافی کرتے کرتے ہم لیر و لیر ہو چکے ہیں مگر اس بدعملی کا کفارہ ادا ہونے میں ہی نہیں آتا ہے۔ میدانِ جہاد سے مفرور جن افغانی لیڈروں کو اسلام آباد اور پشاور میں بڑی بڑی رہائش گاہیں عطا

Marfat.com

کی گئیں، یہ لوگ تو اپنی زمین اور اپنے ہی لوگوں سے مخلص نہیں تھے۔ سو بھلا ہم سے کیا ہو سکتے تھے، ایک طرف تو کیمپوں میں افغانی بچے سردی اور بھوک سے بلک رہے تھے اور دوسری طرف یہ افغانی رہنما اور علماء بادا موں والا قورمہ اور کشمش ملے پلاؤ سے نبرد آزما تھے، دنبوں کی پوری پوری روسٹ رانیں بڑی بڑی قابوں میں سجا کر لائی جاتیں، جو پلک جھپکتے میں خالی ہو جاتیں۔ نعمتِ انواع واقسام وافر سے شکم سیری کے بعد نرم نرم قالینوں پر، گرز مونڈ ہے پر اٹھائے ہوئے تصویری پہلوانوں والی علامتی بہادری کے حامل یہ کاغذی جہاد یئے لمبی تان کے سوتے اور گھوڑے گدھے بیچ کر خوب سوتے۔ چاروں طرف چتر زبانوں اور منہ زبانی فتوحات کا ایسا زور بندھا اور افراط لگی تھی کہ ایک ہی رات میں افغانستان کو کئی بار آزاد اور دشمنوں سے واگزار کرالیا جاتا، جس رات کے پہلے پہر سے تو آزاد افغانستان میں کھلی ڈلی مخلوط اسلامی حکومت کا قیام عمل میں لایا جاتا تو اسی رات کے آخری پہر بنیاد پرستوں کے زیرِ اہتمام سانس کھینچ اور خواتین الرجک حکومت قائم کر دی جاتی مگر صبح ہونے سے پہلے ہی کچھ رہنما اکھڑ جاتے اور کچھ منکر ہو جاتے۔ یوں ادھر تو یہ کاروبار خوب چلا اور چمکا مگر اصل میدانِ جنگ میں افغانی جوان اور جانبازوں نے پامردی اور استقلال سے شجاعت کی جو لازوال داستان رقم کی، وہ افغانی متحارب لیڈروں کے مفادات تلے دب کر رہ گئی۔ اس طرح کی بدعملی سے جو تم بیزار افغانی لیڈر اور افغانی کیمپوں کی کسمپرسی تو نمایاں ہو کر چہار سو پھیل گئی مگر شجاع اور نوجوان افغان لہو کی قربانی کو ان مذکورہ لیڈروں کی طرف سے بھی خراج اور تحسین کا ایک کلمہ تک میسر نہ آسکا، کسی اور کو تو غرض ہی کیا تھی۔ ان افغان لیڈروں کے نقطہ نظر سے تو مرنے والے کسی نہ کسی متحارب و مخالف گروپ کے لوگ ہی ہوتے تھے۔ افغانی قیادت کی اسی کوتاہ قامتی اور بلند دستاری سے فرعون کے گھر موسیٰ پیدا ہو کر رہا۔۔۔ طالبان کو خواہ بنیاد پرست کہا جائے یا تنگ نظر مگر وہ اس نوجوان افغان لہو کی یافت، حوالہ اور امانت ہیں کہ جس لہو کی خوشبو سے ایک عالم پر غشی چھا رہی ہے

Marfat.com

اور ایک عالم بیدار ہو رہا ہے۔

افغان مزاحمت کے ان منافع بھرے دنوں میں کچھ لوگ اور ادارے جہاد افغانستان کے لئے چیک کاٹتے اور کچھ وصول کرتے، سارا دن کاروبار کی گھما گھمی میں گزر جاتا اور رات مخبری، مول تول، مذاکرات، مراقبہ، قیافہ شناسی، مناجاتوں اور پیش بندیوں میں، اپنی پیش بندیوں میں خواہ نادانستہ اور غیر مرئی ہی کیوں نہ ہوں مگر وہ پیش بندیاں بھی شامل تھیں، جن سے ہمارا خوش بخت معاشرہ بھی لخت لخت ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ربع صدی گزر چکی ہے اور افغانیوں کی دوسری نسل اس ابتلا سے گزر رہی ہے مگر یہ جہاد ہے کہ تھمنے ہی میں نہیں آتا ہے، اگر یہ جہاد ہی ہے تو اسے تھم جانا چاہیے اور اگر گروہی مفادات ہیں تو ہمیں اس میں فریق ہی نہیں بننا چاہیے تھا۔

افغانی رہنماؤں کے گلے میں ہار ڈالنے اور افغانی کیمپوں میں شربت انار کی سبیلیں لگانے کی سیاسی و سماجی افادیت جو بھی ہو مگر ہمیں اس غیر ضروری افغان مہمانداری و شربت داری سے بہت نقصان پہنچا۔ گو کہ ان افغان مہاجروں کو دکھا دکھا کر امریکہ، اقوام متحدہ، غیر ملکی اداروں اور ممالک سے خوب مال بٹورا گیا، جہاں کچھ لوگ ڈالرڈالر ہو گئے، وہیں عوام چھینٹوں چھینٹ بھی ہوئے مگر عوام کے اعضاء اعضاء اور بوٹی بوٹی ہونے کا قلق اور حساب رکھتا ہی کون ہے، 1979 میں کشمیری بازار میں پہلے بم دھماکہ میں ہی تیرہ بے گناہ لوگ جان بحق ہوئے۔

بیرونی امداد اور قرضوں سے ہمیشہ مستفید ہونے والے روایتی مال کھینچو گروپ کے سوا بھی اس جہاد کے بطن سے مزید مال بٹورو پیدا ہوئے، اس جہاد کی مارا ماری میں عوام تو ہر طرح مارے گئے مگر خواص طرح طرح سے فائدہ میں رہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان کے طول و عرض میں پیپسی اور کوکا کولا کے پلانٹ، ماربل تراشنے کے آرے، جعلی کرنسی کے چھاپہ خانے، ہیروئن کو مصفاً کرنے کے پلانٹ، موبائیل فون، ناجائز اسلحہ کے اڈے اور مرسیڈیز اور والوو ساختہ 18 وہیلر ٹرک رواں دواں

Marfat.com

ہو گئے۔ لوٹ مار کی کثیر نقدی کو کھپانے کے لئے جس طرح کے صنعتوں میں سرمایہ کاری کی گئی، وہ پاکستانی معاشرہ اور معیشیت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یوں بھی چوری چکاری اور بٹورے ہوئے ڈالرز کسی معیشیت کو بھلا کیا سہارا دے سکتے تھے، البتہ اس جہاد کی لاٹری سے بگاڑ کی جو صورتیں وابستہ تھیں، وہ پوری ہوکر رہیں، صورتِ حال پر مال مفت دلِ بے رحم والے محاورہ کی بجائے مال حرام اور دلِ بے رحم والی کیفیت کا گمان زیادہ گزرتا تھا، اس نوع کی سرمایہ کاری سے جرائم وابستہ فوائد ہی کشید کیے جاسکتے تھے اور معاشرہ پر منفی اثرات ہی مرتب ہوسکتے تھے، ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دو کا اطلاق بہر حال ہو کے رہا۔

ہمارے معاشرہ اور معیشت کو موبائل فون سے صرف اسی قدر فائدہ پہنچ سکا کہ اغواء برائے تاوان کے مجرم زیادہ منظم ہوگئے اور بڑے شہروں میں کسبیوں کا نیٹ ورک مزید فعال ہوگیا۔ اغوا برائے تاوان کے مجرم دور دراز کے علاقوں، جنگلوں اور پناہ گاہوں سے بھی قبائلی سرداروں، منتخب نمائندوں، پولیس حکام اور حکومتی قائدین سے ہدایات لینے اور مسلسل رابطہ رکھنے میں کامیاب ہوتے گئے، دوسرا طبقہ جسے موبائیل فون سے سب سے زیادہ فائدہ ہوا، وہ سیاسی سوداگروں، مخبروں اور منتخب نمائندوں کا تھا، خصوصاً خدشہ تحریکِ عدمِ اعتماد کے رن اور وفاداریوں کی خرید وفروخت میں لمحہ بہ لمحہ چڑھتی اترتی قیمتوں اور نمائندوں کے تازہ بتازہ بھاؤ کی بروقت اطلاعات سے ہارس ٹریڈنگ کے کاروبار کو چار چاند لگ گئے۔

جہادِ افغانستان کی برکات سے مستفید ہونے والوں میں صرف روایتی چاق و چوبند ہی چوکنے نہیں تھے بلکہ ان میں کچھ نوزائیدہ پیداواریئے بھی شامل ہوگئے۔ ان نوزائیدہ میں کوئی خاموش مجاہد تھا، کوئی بلند بانگ غازی اور کوئی راہِ حق کا شہید، افغانستان کی گروہی خانہ جنگی بنام جہاد فی سبیل اللہ کے کارزار سے دور ہونے کے باوجود بھی ہمارے ہاں مجاہدوں، نمازیوں اور جہادیوں کی ہر دو طرح کی لاٹری لگ گئی، براستہ جہاد ادھر بھی محفوظ و معتبر اور بذریعہ وصولی اخراجات برائے جہاد ادھر

Marfat.com

بھی مامون و مستفید، گو کہ عاقبت و آخرت کے سنوار اور درجات میں جس قدر بھی بلندی آئی ہو، اس کا تو فوت ہوئے بناء پتہ نہیں چلتا ہے مگر بنک بیلنس میں تیزی کا رجحان زندگی ہی میں سر چڑھ کے بولتا ہے، بالکل ہی خاموش مجاہد کے قابلِ احترام صاحبزادوں کو محض قابلِ گیس پیپسی پلانٹ ہی سے کروڑوں روزانہ کے مل جاتے ہیں۔

جہادِ افغانستان کا ثمرہ ذومعنی اور ہمہ اطراف ثابت ہوا، اس میں عاقبت کے ساتھ ساتھ کئی کئی نسلیں تک سنور گئیں، اللہ تعالی نے ہر دو سمتوں میں مومنین کی موجیں لگا دیں اور پو بارہ کر دیئے، ایک ایک مجاہد اور شہید کے خانوادے کو اسی اسی کروڑ کے قرضے عطا ہوئے، جنہیں اسی کروڑ کا قرضہ عطا ہوا، مالِ غنیمت میں ان کی اصل یافت کتنی ہوگی؟ اس کا اندازہ عطا کردہ قرضہ کے حجم سے بھی ہو سکتا ہے، اسی کروڑ کا قرض لینے والوں کی مالی حیثیت اسی کروڑ ضرب پانچ گنا سے کم کیسے ہو سکتی ہے، ورنہ قرض کیسے مل سکتا تھا؟

افغانیوں پر بھی نہ جانے کیا افتاد پڑی کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ افواج فتحیاب سے امواجِ پناہ گزینوں میں بدل کر رہ گئے۔ جن افغانیوں کے جلو میں کبھی کامرانی، سرخ روئی اور فتح مندی ساتھ ساتھ آتی تھی، اب وہی افغانی افلاس، ہزیمت، غریب الوطنی ، بچے اور بکریاں اٹھائے خیمہ پناہ اور سرگرداں نظر آتے ہیں۔ لاچارگی اور شامِ غریباں کی ایسی طویل شام افغانیوں پر پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔

24 مئی

بلنیر زکلب

فوربس بزنس میگزین نے سن 2000 کے امیر ترین افراد کی فہرست شائع کر دی ہے۔ اس سال بلنیر زکلب کی تعداد میں مزید پانچ بلنیر ز کا اضافہ ہوا ہے اور اس کلب کے ممبروں کی تعداد 482 ہوگئی ہے۔ جن نئے پانچ افراد کا اضافہ کیا گیا ہے،

Marfat.com

وہ سب کے سب امریکی شہری ہیں، اس سے عالمی اقتصاد پر امریکی گرفت کے رجحان کو بھی دیکھا جاسکتا ہے، گوکہ پچھلے دنوں بل گیٹس کے اثاثوں میں قریب ایک تہائی کی کمی آئی ہے لیکن اس کے باوجود وہ دنیا بھر کے امیر ترین افراد میں سرِفہرست ہیں۔ پندرہ امیر ترین افراد میں سے دس کا تعلق امریکہ سے ہے یعنی دو تہائی امیر ترین افراد امریکی شہری ہیں، عالمی وسائل میں بھی امریکی ملکیت کا حصہ اسی قدر ہے۔

مالیاتی تحقیق کے ادارے اگلے دس برسوں میں امیر ترین افراد کی فہرست میں مزید امریکیوں کے شامل ہو جانے کا تخمینہ لگا رہے ہیں اور ان میں اکثریت انفارمیشن، اور سپیس ٹیکنالوجی کی صنعت سے وابستہ افراد کی ہوگی۔ سرِفہرست ان پندرہ امیر ترین افراد کی قومیت اور اثاثہ درج ذیل ہے۔

1۔ بل گیٹس (امریکہ) 60 بلین ڈالر۔ مائیکروسافٹ

2۔ لارنس ایلیسن (امریکہ) 47 بلین ڈالر۔ آراکل ORACLE کارپوریشن

3۔ فہد بن عبدالعزیز (سعودی عرب) 30 بلین ڈالر

4۔ پال ایلن (امریکہ) 28 بلین ڈالر۔ مائیکروسافٹ

5 وارن بف (امریکہ) 28 بلین ڈالر

6۔ شیخ زید بن السلطان النہیان (متحدہ عرب امارات) 23 بلین ڈالر

7۔ گورڈن مور (امریکہ) 21 بلین ڈالر

8۔ شہزادہ الولید بن طلال (سعودی عرب) 20 بلین ڈالر

9۔ البرخٹ ہاس (جرمنی) 20 بلین ڈالر

10۔ ایلس والٹن (امریکہ) 20 بلین ڈالر۔ وال مارٹ

11۔ بلین والٹن (امریکہ) 20 بلین ڈالر۔ وال مارٹ

12۔ جم والٹن (امریکہ) 20 بلین ڈالر۔ وال مارٹ

13۔ جان والٹن (امریکہ) 20 بلین ڈالر۔ وال مارٹ

Marfat.com

14 رابسن والٹن (امریکہ) 20 بلین ڈالر۔ وال مارٹ

15۔ ماسایوتی سن (جاپان) 19 بلین ڈالر

اس فہرست کے علاوہ بھی کئی امیر افراد ہیں، جو یہاں شامل نہیں کیے گئے ہیں، ان میں عراق کے صدر صدام حسین ہیں، جن کی دولت کا تخمینہ 7 بلین ڈالر ہے، کویت کے امیر جابر الاحمد الصباح ہیں جو 18 بلین ڈالر کے مالک ہیں، برونائی کے سلطان کے پاس 16 بلین ڈالر ہیں جبکہ برطانیہ کی ملکہ الزبتھ کے پاس نقدی تو قریب آدھا بلین ڈالر کی ہے لیکن نوادرات، ہیرے، موتی، جواہرات اور لوٹ مار کے دوسرے سامان سمیت 16 بلین ڈالر کے اثاثہ جات ہیں۔

16 جون

کیا اسیری ہے، کیا رہائی ہے؟

امریکی محکمہ انصاف کے مقرر کردہ تفتیش کونسلر رابرٹ رے نے بالآخر ہیلری کلنٹن اور وائٹ ہاؤس سٹاف کو "ٹریول آفس"، کیس میں جھوٹی گواہی اور انصاف کے حصول میں رکاوٹ بننے کے الزامات سے بری کر دیا ہے۔ صدر بل کلنٹن کے آغازِ صدارت میں شروع ہونے والا یہ کیس ان کی رخصتی کے قریب ختم ہوا ہے، یوں صدر کلنٹن نے جتنا عرصہ وائٹ ہاؤس میں گزارا، ٹریول آفس کیس نے انہیں سکھ کا سانس نہ لینے دیا، ہمہ وقت یہ تلوار ان کے خلاف میان سے باہر ہی رہی۔ رابرٹ رے نے صدر کلنٹن، ہیلری کلنٹن اور وائٹ ہاؤس سٹاف کے خلاف بیشتر مقدمات عدمِ شہادت کی بنا پر ختم کرتے ہوئے صرف ایک فیصلہ کو موخر رکھا ہے، رابرٹ رے کے مطابق ابھی یہ فیصلہ نہیں کیا گیا ہے کہ کیا مونیکا لیونسکی کیس میں صدر بل کلنٹن پر جھوٹی گواہی اور حصولِ انصاف کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے الزام میں مقدمہ کیا جائے یا نہیں، یہ فیصلہ وائٹ ہاؤس سے صدر کی روانگی سے عین پہلے کیا جائے گا۔ غالباً رابرٹ رے یہ سوچ رہے ہیں کہ صدر کو حاصل قانونی مراعات

Marfat.com

کے بغیر صدر بل کلنٹن پر نرغہ باندھنا آسان ہوگا لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہی لگتی ہے کیونکہ صدر کلنٹن اس سے کہیں بڑے معرکے سر کر چکے ہیں، جھوٹی گواہی کا مقدمہ تو صدر کلنٹن سے چھیڑ خانی کے مترادف ہوگا، شاید اسی لیے صدر کلنٹن نے بھی اپنے خنجر بکف مستقبل پر کسی بے اطمینانی کا اظہار نہیں کیا ہے۔

دفاع اور بچ نکلنے کا وصف اور مزاحمتی اقتدار کا جو حوصلہ صدر بل کلنٹن میں پایا جاتا ہے، اس حوصلہ کی وجہ سے صدر بل کلنٹن ہمیں امریکہ سے زیادہ پاکستان کے سربراہ لگتے ہیں، یلغار، دفاع مزاحمت اور مینڈیٹ میں صدر بل کلنٹن ہمارے میاں صاحب اور محترمہ سے اگر دو ہاتھ آگے نہیں تو ہم پلہ ضرور ہیں، صدر بل کلنٹن اپنے افعال، اعمال، نیت اور آئی چلائی میں ہمارے ہی حکمران لگتے ہیں۔ کیا عجب کہ ہمارے حکمرانوں کی طرح وہ قسمت کے بھی ایسے ہی دھنی ہوں کہ اس آخری آزمائش سے بھی سرخ رو گزر جائیں جو قصرِ صدارت سے روانگی پر ان کی منتظر ہوسکتی ہے۔

وائٹ ھاؤس سے رہائی کے بعد صدر بل کلنٹن کے دل میں جس اسیری کا دھڑکا لگا ہوا ہے۔ اس سے جانبر ہونے میں ہیلری کلنٹن کا سینیٹر منتخب ہو جانا بھی مددگار ہوسکتا ہے۔

17 جون

اقرار بنا آزار

عین اس وقت کہ جب نائب صدر الگور اپنی انتخابی مہم کے عروج پر ہیں، ان کے خلاف 1996 کی صدارتی مہم میں غیر قانونی طور پر فنڈز اکٹھا کرنے کی تفتیش کے لئے آزادانہ وخود مختار کونسلر کی تقرری کی سفارش کر دی گئی ہے۔ فیڈرل جسٹس ڈیپارٹمنٹ کی خصوصی ٹاسک فورس کے سربراہ نے مذکورہ کونسلر کی تقرری کے لئے اٹارنی جنرل جینٹ رینو سے باضابطہ سفارش کر دی ہے۔ اس سے پہلے جینٹ رینو اسی طرح کی تفتیش کے لئے تین سفارشات نظر انداز کر چکی ہیں مگر اس بات انتخابی

Marfat.com

سال ہونے کی وجہ سے ان پر دباؤ زیادہ ہے۔ تفتیش کے نتیجہ میں جو بھی ہو، مگر نائب صدر الگور کی صدارتی مہم کے لئے یہ ایک زبردست دھچکہ ہے۔

جب سے نائب صدر الگور نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ انہوں نے اپنے دفتر سے انتخابی مہم کے لئے فنڈز اکٹھا کرنے کے لئے فون کئے تھے، ان کے خلاف اس غیر قانونی کام پر طوفان کھڑا ہو گیا ہے، قانون کے مطابق کسی سرکاری عمارت اور سرکاری وسائل کو سیاسی فنڈز اکٹھا کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ بادِ مخالف میں تندی اس وقت آئی، جب انہوں نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی کہ کسی سرکاری ادارے یا قانونی حکام نے انہیں ایسا کرنے سے منع نہیں کیا تھا، ایک طرف تو قانونی اتھارٹی کا نام لے کر انہوں نے جینٹ رینو کو عجیب مخمصہ میں مبتلا کر دیا ہے کہ اٹارنی جنرل کو نہ چاہتے ہوئے بھی اب قانونی اتھارٹی کی لاج نبھانی ہی ہوگی اور دوسری طرف صدر بل کلنٹن انہیں کن انکھیوں سے گھور رہے ہیں کہ غیروں والی اس گفتگو کی ضرورت ہی کیا تھی۔

ہمارے خیال میں اگر نائب صدر الگور کھل کر صدر بل کلنٹن کو بھی اس کارِ خیر میں ملوث کر لیں تو وہ صاف بچ سکتے ہیں چونکہ صدر بل کلنٹن کو الزامات اور سیکنڈلز سے بچ نکلنے کا تجربہ بھی ہے اور انہیں بادِ مخالف میں پرواز کا ہنر بھی آتا ہے، ایسے آڑے وقت اور جان کنی کے عالم میں نائب صدر کے لئے صدر ہی اکسیر ثابت ہو سکتے ہیں۔

چار بہ مقابلہ پانچ

ریاست ٹیکساس کے آئینی سربراہ ہونے کے ناطہ سے گیری گراہم کی رحم کی اپیل مسترد کرتے ہوئے جارج بش نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ انصاف کے تقاضے پورے ہوئے ہیں جبکہ گیری گراہم کے آخری الفاظ یہ تھے ''وہ مجھے آج رات قتل کر رہے ہیں۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں،،۔ گیری گراہم نے

Marfat.com

سزائے موت سے قبل احتجاجاً نہ صرف آخری کھانا کھانے سے انکار کر دیا بلکہ اس نے پھانسی گھر جاتے ہوئے شدید مزاحمت جاری رکھی۔ جارج بش جو سزائے موت کے حامی ہیں۔ ان کے عہد گورنری میں اب تک 135 افراد کو موت کی سزا دی جا چکی ہے۔ اوسطاً ایک ہفتہ میں ایک پھانسی ہو رہی ہے اور یہ اوسط کسی بھی دوسری ریاست سے زیادہ ہے۔ توقع کی جا رہی ہے کہ گیری گراہم کے آخری الفاظ سزائے موت کی مخالف تنظیموں کو جارج بش کے خلاف متحرک و متحد کر سکتے ہیں، صدارتی مہم کے عین عروج پر ایسی کوئی مخالفت ان کے چناؤ پر اثر انداز ہو سکتی ہے، خصوصاً جبکہ ڈیموکریٹ ایسا موقع ڈھونڈ رہے ہیں، جو جارج بش کو حاصل ہونے والے مومینٹم کو توڑ سکے۔ مشہور ڈیموکریٹ سیاستدان جیسی جیکسن نے موت کی سزا پر عمل درآمد سے ایک رات قبل گیری گراہم سے ملاقات کے بعد کہا ہے کہ انہیں یقین ہے کہ گیری گراہم کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے۔

گیری گراہم کی موت پر ریاست ٹیکساس میں 57 فیصد لوگوں کی رائے میں ریاست کی انتظامیہ نے ایک بے گناہ شخص کو مار دیا ہے۔ سزائے موت کی مخالف تنظیمیں انسانی حقوق کے حوالہ سے عدالتی نظام کو اس بنیاد پر چیلنج کرتی رہتی ہیں کہ جب تک عدالتی نظام اور حصولِ انصاف کا طریقِ کار اغلاط سے سو فیصد مبرّا نہ ہو، سزائے موت کیسے دی جا سکتی ہے، جبکہ فرینزک سائنس اور ڈی این اے ٹیسٹ سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ سزائے موت کے منتظر مجرموں کی ایک تہائی تعداد بے گناہی کی سزا کاٹ رہی ہے۔

سزائے موت کی تنسیخ اور غیر تنسیخ قریب نصف صدی سے امریکہ کا ایسا سیاسی سوال اور معاشرتی اکھاڑہ بن چکا ہے کہ جہاں ہر طرح کے سیاستدان اور طرح طرح کے پہلوان زور لگاتے ہیں، اکھاڑ پچھاڑ کرتے ہیں مگر مقتولوں کے آئینی حقوق سے مار کھا جاتے ہیں۔ ہارورڈ لاء سکول کے اونس ڈنکن کہتے ہیں کہ سزائے موت کی تنسیخ عدالتی سے زیادہ آئینی مسئلہ ہے اور امریکی آئین میں ترمیم کے بغیر

Marfat.com

ایسا ہونا ناممکن ہے اور امریکی آئین میں ترمیم لانا، جوئے شیر لانے سے کم ہرگز نہیں ہے اور ترمیم بھی ایسی کہ جس پر امریکی قوم واضح طور پر دو دھڑوں میں منقسم ہو۔

23 جون

حیاتِ انسانی کی پُر اسرار زبان

26 جون سن دو ہزار کی تاریخ اور دن آنے والی کئی صدیوں میں سائنس کی سب سے بڑی دریافت کے حوالہ سے انسانی تاریخ میں یاد رکھا جائے گا۔ وائٹ ہاؤس میں ایک خصوصی تقریب میں صدر بل کلنٹن نے یہ اعلان کر کے میڈیکل سائنس کی دنیا کو ایک نئے دور میں داخل کر دیا ہے کہ ماہرین نے بالآخر حیاتِ انسانی کا ڈی این اے چارٹ تعمیر کرلیا ہے اور انسانی زندگی کی تخلیق، نمو اور تسلسل کے ہدایت نامہ کو پڑھ لیا گیا ہے۔ صدر بل کلنٹن نے اس عظیم الشان سائنسی پیش رفت کے بارے میں کہا ہے،، آج ہم نے وہ زبان پڑھ لی ہے، جس میں خدا نے انسانی حیات کو تخلیق کیا ہے،، انہوں نے اس ڈی این اے چارٹ کو گلیلیو کے نظامِ شمسی کے چارٹ سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ سائنسی پیش رفت بھی مستقبل میں انسانی حیات پر گہرے اثرات ڈالے گی۔

تقریب میں موجود سائنسدانوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس ڈی این اے چارٹنگ کو میڈیکل سائنس میں اب تک کی سب سے بڑی پیش رفت قرار دیا ہے۔ اس سے مستقبل میں مختلف بیماریوں کی جینز کی نشاندہی اور ان کے تدارک کے لئے ادویات تیار کی جاسکیں گی۔

ڈی این اے چارٹنگ درحقیقت وہ خفیہ کوڈ پڑھ لینے کے مترادف ہے کہ جس میں وہ تمام ہدایات واحکامات موجود ہیں، جو انسانی زندگی کی تشکیل و ترتیب سے متعلق ہیں۔ اس ڈی این اے چارٹ کو حیاتِ انسانی کا ایسا پرچہ استعمال کیا جاسکتا

Marfat.com

ہے، جو مصنوعات کے ساتھ ان کی ساخت، طریقہ استعمال اور احتیاطی تدابیر کے بارے میں دیا جاتا ہے، جیسے کار کا انسٹرکشن مینول کہ کار کے انجن کا سائز کیا ہے؟ ساخت کیسی ہے اور وزن کتنا ہے؟ کیسا پٹرول استعمال کیا جائے؟ بیٹری کیسی ہو؟ ٹائر میں ہوا کا دباؤ کتنا ہونا چاہیے اور اس کا ٹائی راڈ کب اور کیسے کھلے گا؟ فرق صرف اس قدر ہے کہ حیاتِ انسانی کا یہ پرچہ استعمال قدرت نے ایک ایسی خفیہ، پیچیدہ اور تفصیلی زبان میں لکھا ہے کہ صرف ایک فردِ واحد کا پرچہ استعمال دو ہزار صفحات کی 130 جلدوں پر مشتمل ہے یعنی تقریباً ڈھائی لاکھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اگر ان صفحات کو پڑھا جائے تو نو سال کا عرصہ درکار ہو، وہ بھی بنا رکے اور بغیر توقف کے یعنی مسلسل پڑھے جانے کی صورت میں۔ لیکن کمپیوٹرز نے عرصہ مختصر اور مشکل آسان کر دی ہے اور اسے پڑھ لیا گیا ہے اور انسانی ڈی این اے کو ترتیب دے دی گئی ہے۔

ہر انسانی جینٹک کوڈ جو فنگر پرنٹ کی طرح ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے تین ارب بنیادی کیمیائی جوڑوں پر مشتمل ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے ہر شے کو جوڑے کی صورت میں ہے۔ یہ ڈی این اے کیا ہے اور اس کی ترتیب کیسے دی گئی ہے تو غیر سائنسی آسان اصطلاح میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈی این اے انسانی زندگی کی عمارت کا ایسا بلیو پرنٹ ہے، جس میں اس عمارت کی تعمیر کے بارے میں ہدایات، نقشہ اور ترتیب موجود ہے، مرکزی خلیہ کے اندر کیمیائی مادہ (Deoxyribo Nucleic Acid) میں حیاتیاتی ہدایت نامہ اور پرچہ استعمال موجود ہے اور یہی کیمیائی مادہ ڈی این اے کہلاتا ہے۔ اس ہدایت نامہ میں وہ تمام اطلاعات موجود ہیں، جو انسانی جسم میں مطلوبہ پروٹین کے بننے کے عمل کو ممکن بناتی ہیں، اب جبکہ انسانی جسم کی عمارت مختلف پروٹینز کے توازن پر کھڑی ہے اور پروٹینز کے بننے کا عمل مرکزی خلیہ سے جاری ہونے والی اطلاعات (سگنلز) کے تابع ہے کہ جسم میں کس طرح کے پروٹینز کی ضرورت ہے تو یہ ساری سائنسی پیش رفت

Marfat.com

بالآخر مرکزی خلیہ سے جاری ہونے والی ان اطلاعات (سگنلز) کو کنٹرول کرنے پر منتج ہوگی، جو انسانی جسم میں مختلف پروٹینز بنانے کا سگنل دیتی ہیں۔ ڈی این اے چارٹنگ کی بدولت مرکزی خلیہ سے جاری ہونے والے سگنلز میں ایسا ردوبدل کیا جاسکے گا، جو کم وبیش 5 ہزار بیماریوں کے خلاف موثر پروٹینز بننے کے عمل کو ممکن بنا سکے گا۔

27 جون

سیاسی ستارہ شناس

امریکہ کے صدارتی انتخابات کے پراسس میں سب سے زیادہ سنسنی خیز اور انتظار کن لمحہ صدارتی امیدواروں کا اپنے لیے نائب صدر کی نامزدگی ہے، جو کہ آج کل زوروں پر ہے، کسی بھی لمحہ دونوں امیدوار اپنے لئے نائب صدر کا اعلان کر سکتے ہیں۔ نائب صدر کے لئے نامزد ہونے والے امیدوار کا اعلان ہونے تک اسے انتہائی رازداری میں رکھا جاتا ہے، دونوں طرف کے امیدوار خاصی چھان پھٹک اور مول تول کے بعد اپنے صدارتی ٹکٹ پر اپنا نائب نامزد کرتے ہیں۔ جب تک نائب صدر کی نامزدگی کا اعلان نہ ہو جائے، خوش فہم اور گمان بھرے صدارتی امیدواروں کے گرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ امریکی صدارت تک پہنچنے کے لئے نائب صدارت کو آسان ترین راستہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اب تک امریکہ کے 14 صدور براستہ نائب صدارت، وائٹ ہاؤس تک پہنچ چکے ہیں۔ سو نائب صدر کی نامزدگی حاصل کرنے کے لئے شوق، تشکر، جانثاری اور وعدہ وعید کی دنیا ہی دوسری ہے۔ ممکنہ امیدوار صدارتی امیدواروں کے چھال مارنے کے حکم پر صرف پوچھتے ہیں کہ کتنی اونچی؟

جس امریکی صدارت کے لئے اوسطاً 45 ملین ووٹوں کی ضرورت ہوتی ہے اگر وہاں نائب صدارت صرف ایک ووٹ (صدارتی امیدوار) سے مل جائے تو

Marfat.com

چھال جیسی بھی ہو، مار لینے میں مضائقہ اور عار نہیں سمجھا جاتا۔ نائب صدر الگور اور گورنر جارج بش بھی آجکل اسی مشکل سے دو چار ہیں، دونوں امیدواروں کو اپنے لئے نائب صدر کی نامزدگی کا مرحلہ درپیش ہے اور حسبِ معمول قیاس آرائی اور ستارہ شناسی زوروں پر ہے۔ اندازہ لگایا جارہا ہے کہ نائب صدر الگور جن ڈیمو کریٹس کو نائب صدارت کے لئے نامزد کر سکتے ہیں، ان میں ایوانِ نمائندگان کے اقلیتی رہنما رچرڈ گف ہارٹ، سینیٹر ڈک ڈربن، سینیٹر باب گراہم اور سابق سیکریٹری خزانہ رابرٹ روبن سرِ فہرست ہیں، جبکہ گورنر جارج بش کے ری پبلکن حلقوں میں گورنر ٹام رج، فرینک کیٹنگ، سینیٹر جان میکین اور نیو جرسی کی خاتون گورنر کرسٹین وائٹ مین شامل ہیں، لیکن قرائین کہتے ہیں کہ جن کو نامزد کیا جاتا ہے، وہ ان ممکنہ امیدواروں میں شامل ہی نہیں ہیں۔

صدارتی مہم کے تجزیہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ جس کا نام بھی نائب صدر کے ممکنہ امیدواروں میں شامل ہوگیا، سمجھو کہ وہی رہ گیا، صدارتی انتخابات کا دو سوسالہ تجربہ بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ صدارتی امیدوار، نائب صدر کی نامزدگی کو آخری لمحہ تک صیغہ راز میں رکھ کر عوام، میڈیا، اور ستارہ شناسوں کا تجسس بڑھاتے رہتے ہیں اور سنسنی خیزی میں اضافہ کرنے کے لئے ایسے امیدوار کا نام پیش کردیتے ہیں، جو ستارہ شناسوں کے وہم اور قیافہ گزاروں کے گمان، دونوں سے ماسوا ہوتا ہے۔ سو ہمیں یہی امید ہے کہ اس بار بھی جن حضرات کو نائب صدر کی نامزدگی کے لئے شبہ سے دیکھا جارہا ہے، ان میں وہ دُرِ ناسفتہ شامل ہی نہیں ہے۔

7 جولائی

رونالڈ ریگن

رونالڈ ریگن سابق صدر امریکہ کی وائٹ ہاؤس سے رخصتی کو قریباً گیارہ سال ہو چکے ہیں، یہ تمام عرصہ سابق صدر پر ان کے عہدِ صدارت سے بھی کہیں کڑا گزرا

Marfat.com

ہے اور وہ مسلسل ایک ایسی بیماری کی زد میں ہیں کہ جس کا نہ کوئی علاج ہے، نہ افاقہ کا امکان، 1990 کے بعد سے سابق صدر کو عوام یا سرکاری تقریبات میں نہیں دیکھا گیا، انہوں نے یہ صبر آزما عرصہ بڑے وقار سے الگ تھلگ گزارا ہے۔

نوے سالہ سابق صدر الزائمر کے مرض کا شکار ہیں، یہ بیماری یادداشت کو شدید متاثر کر دیتی ہے اور دماغ جسمانی افعال کو کنٹرول کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے مثلاً دماغ جسم کو یہ بتانا چھوڑ دیتا ہے کہ کھڑا کیسے ہونا ہے؟ چلنا کیسے ہے؟ کھانا کیسے ہے اور سانس کیسے لینا ہے اور کب لینا ہے؟ غالباً اسے اس بیماری کا آخری مرحلہ کہا جا سکتا ہے اور رونالڈ ریگن اس آخری مرحلے تک آ پہنچے ہیں۔

رونالڈ ریگن کے اس بیماری میں مبتلا ہونے سے الزائمر کے مرض کو بڑی شہرت ملی اور اس پر خاص توجہ دی جا رہی ہے۔ وائٹ ہاؤس کی طرف سے پچاس ملین ڈالر اس مرض پر مزید تحقیق اور روک تھام کے لئے دیئے جا رہے ہیں۔ اس وقت چالیس لاکھ امریکی اس بیماری سے متاثر ہیں اور سن 2050 تک متاثرین کی تعداد ڈیڑھ کروڑ تک پہنچ چکی ہوگی۔ ماہرین کہتے ہیں کہ یہ قضیہ جسمانی عمر کی طوالت سے پیدا ہو رہا ہے کیونکہ میڈیکل سائنس نے جسمانی عمر کو تو بڑھا دیا ہے مگر دماغی افعال وعمر اس جسمانی طوالت کا ساتھ دینے سے تا حال انکاری ہیں۔

اسی انکار کی کئی قسموں میں سے ایک الزائمر بھی ہے، خود فراموشی و یادداشت متاثر کر دینے والی لا علاج بیماری ہے۔

17 جولائی

ایک اور مضبوط کرسی

ایسوسی ایٹڈ پریس کے حوالہ سے شکاگو، ٹریبیون میں انڈونیشیا کے صدر عبدالرحمن واحد کے بارے میں ایک تفصیلی رپورٹ شائع ہوئی ہے، انڈونیشیا، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ہونے اور نصف صدی میں پہلی بار جمہوریت کے

Marfat.com

تجربہ کے حوالہ سے آج کل امریکی میڈیا کا موضوع خاص ہے۔

ایک آنکھ کی بینائی سے محروم، 60 سالہ صدر عبدالرحمٰن واحد بیک وقت ایک ایسی چومکھی لڑ رہے ہیں کہ جہاں ہر محاذ پر فتح یابی سے زیادہ ان کی پسپائی کے امکانات موجود ہیں۔ صدر محترم کا سانس پھول چکا ہے اور اکھڑا ہی چاہتا ہے، ملک کی معاشی حالت گرتی جا رہی ہے، آئی ایم ایف حسبِ دستور مورچہ لگائے بیٹھی ہے، پارلیمنٹ میں صدر کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں، مواخذہ کی تحریک زور پکڑ رہی ہے، ان سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ مستعفی ہو جائیں ورنہ کر دیئے جائیں گے لیکن صدر کہہ رہے ہیں کہ ''آئین کے مطابق نہ مجھے معزول کیا جا سکتا ہے، نہ ہی مجھے میرے منصب سے ہٹایا جا سکتا ہے، میرے خلاف کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا، میں اپنی 5 سالہ مدت پوری کروں گا، جو 2004 تک ہے''

صدر عبدالرحمٰن واحد اپنے بیان و کلام اور خوش فہمی اقتدار میں ہمیں اپنے حکمرانوں جیسے ہی لگتے ہیں، ان کے مسائل اور ان مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت بھی ہمارے جیسی ہی لگتی ہے، اس مشترکہ قدر کے ناطہ سے انہیں ہماری تاریخ سے کچھ سیکھنا بھی چاہئے تھا کہ بظاہر بڑی مضبوط نظر آنے والی کرسی عوامی یلغار کے سامنے کسی قدر کمزور ثابت ہو سکتی ہے۔ انڈونیشیا کا موجودہ بحران جیسا کہ امریکی میڈیا کو نظر آ رہا ہے اس سے کہیں زیادہ گھمبیر اور الجھا ہوا ہے اور اس الجھاوے کی جڑ آئی ایم ایف کے گھیراؤ کے علاوہ اس طریقہ انتخاب سے پیوستہ ہے، جس نے عبدالرحمٰن واحد کو منصبِ صدارت پر سرفراز کر رکھا ہے۔ حقیقتاً ان کا صدارت پر فائز ہونا، رائے دہندگان کی مرضی سے زیادہ ان کی گٹھ جوڑ میں مہارت اور داؤ پیچ کی صلاحیت سے وابستہ ہے۔ صدر عبدالرحمٰن واحد کو 12 اکتوبر 1999 کے عام انتخابات میں صرف 12 فیصد ووٹ مل سکے جبکہ ان کی حریف انڈونیشا ڈیموکریٹک پارٹی کی میگاوتی سوئیکارنو پتری کو 34 فیصد ووٹ حاصل ہوئے لیکن پیپلز اسمبلی میں جو کہ صدر کا انتخاب کرتی ہے، وہاں عبدالرحمٰن واحد نے ہر طرح کی سیاسی جماعتوں

Marfat.com

سے مل کر مخلوط حکومت کے لئے اپنے 12 فیصد کو 53 فیصد میں بدل دیا اور سات سو ممبروں کے ایوان میں 373 ووٹوں کی اکثریت حاصل کر کے صدر انڈونیشیا منتخب ہو گئے جبکہ میگاوتی 34 فیصد ووٹ حاصل کرنے کے باوجود پیپلز اسمبلی میں صرف 313 ووٹ حاصل کرسکیں۔ ایسے غیر فطری اقتدار اور نام نہاد اکثریت کی بنیاد پر جس طرح کی حکومت وجود میں آسکتی ہے، صدر عبدالرحمٰن واحد اسی کے مابعد نتائج کی زد میں ہیں۔

انڈونیشیا کی پیپلز اسمبلی بھی اپنی نوعیت کا عجیب وغریب ایوان نمائندگان ہے کہ جس کے سات سو ممبروں میں دو تہائی تو براہِ راست منتخب ہو کر آتے ہیں لیکن ان براہِ راست 462 منتخب نمائندوں کے ساتھ ساتھ 238 نامزد حضرات بھی صدر کو چننے کے عمل میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس طرح دو تہائی منتخب عوامی نمائندے صدر کے چناؤ کے لئے نامزد اقلیت کے دستِ تعاون کے بغیر بے دست و پا ہو جاتے ہیں۔ صدر عبدالرحمٰن واحد اسی طریقِ انتخاب کی مثالی یافت ہیں، سو عین ممکن ہے کہ ان کی کرسی اس قدر مضبوط نہ ہو، جتنی وہ سمجھ رہے ہیں۔

20 جولائی

کیٹ سٹیونز سے یوسف اسلام تک

نیویارک ٹائمز نیوز سروس کے حوالہ سے یوسف اسلام کے بارے میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے، جس میں یوسف اسلام نے اپنے اس تلخ تجربہ کی تفصیلات پر روشنی ڈالی ہے، جو انہیں 12 جولائی کو اسرائیل میں پیش آیا۔ 15 سالہ یوسف اسلام کہتے ہیں کہ ایک ڈاکومینٹری کی فلمبندی کے سلسلے میں جو کہ ان کی گلوکاری اور موسیقی کی دنیا سے تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بارے میں بنائی جارہی ہے، اس ڈاکومینٹری کا کچھ حصہ مسجدِ اقصیٰ میں فلمایا جانا تھا، اس سلسلہ میں جب وہ ڈاکومینٹری بنانے والی کمپنی کے سٹاف کے ساتھ یروشلم جانے کے لئے جرمنی سے

Marfat.com

تل ابیب پہنچے تو تل ابیب کے بن گوریان ائیر پورٹ پر پہنچتے ہی انہیں حراست میں لے لیا گیا اور تفتیش شروع کر دی گئی۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ فلسطین کے حماس گروپ کو مالی امداد فراہم کرتے ہیں اور ان کی یروشلم میں آمد کسی خفیہ مقاصد کے لئے ہے۔ تفتیش کے تکلیف دہ مراحل کے بعد انہیں ائیر پورٹ سے ہی جرمنی واپس بھیج دیا گیا۔ اس سے پہلے بھی 1990 میں جب وہ اپنے بیٹے کے ہمراہ یروشلم میں کسی فیسٹیول میں شریک ہونے کے لئے گئے تھے، تب بھی انہیں یروشلم میں داخل نہیں ہونے دیا گیا تھا۔

یوسف اسلام اس کی بارہا تردید کر چکے ہیں کہ ان کا حماس یا کسی بھی دہشت پسند گروپ سے کوئی تعلق نہیں ہے، نہ ہی انہوں نے کسی ایسے گروپ کی کبھی مالی امداد کی ہے لیکن اس کے باوجود اسرائیل حکومت نے یوسف اسلام پر مسجدِ اقصیٰ جانے کی پابندی عائد کر دی ہے۔ یوسف اسلام کہتے ہیں کہ ان کی کردار کشی کی کوششیں ہوتی رہتی ہیں اور انہیں کسی نہ کسی طرح متنازعہ واقعات میں ملوث کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بقول ان کے کہ وہ کوئی اسلامی سکالر، عالمِ دین یا روحانی پیشوا نہیں ہیں کہ وہ ہر سوال کا اسلامی نقطہ نظر سے جواب دے سکیں، لیکن اس کے باوجود ان سے ایسے سوالات پوچھے جاتے ہیں جس سے اختلاف کا پہلو نکل سکے اور کسی نہ کسی طرح ان کی زندگی پر سیاہ سایہ مسلط کر دیا جائے۔

یوسف اسلام کون ہیں؟

موجودہ یوسف اسلام 1970 کے عشرہ کے مشہور، کامیاب اور دولت مند برطانوی پاپ سنگر کیٹ سٹیونز ہیں۔ یوسف اسلام 21 جولائی 1948 کو لنڈن میں پیدا ہوئے، ان کے والد نسلاً یونانی اور والدہ سویڈش ہیں۔ پیدائش پر یوسف اسلام کا نام سٹیونز ڈیمیٹرے جیارجس رکھا گیا۔ 17 سال کی عمر ہی میں جب یوسف اسلام یورپ اور امریکہ میں پاپ سٹار کی حیثیت سے مشہور ہوئے اور ان کے گائے ہوئے گانوں کے لاکھوں البم فروخت ہونے لگے تو انہوں نے اپنا نام کیٹ سٹیونز

Marfat.com

رکھ لیا۔ 1970 سے 1976 تک کا عرصہ کیٹ سٹیونز کے لئے مقبولیت، کامیابی اور عروج کا دور تھا۔ اس عرصہ میں جس قدر ناموری ان کے حصہ میں آئی، کوئی دوسرا یورپی یا امریکی گلوکاران کے قریب بھی نہ پہنچ سکا۔

لیکن اس کامیابی، دولت اور شہرت کے پسِ پردہ کیٹ سٹیونز زندگی کی بے مقصدیت اور اپنی ذات کے خالی پن سے نبرد آزما تھے۔ اندر خانہ وہ راہِ حق کی جس کھوج میں تھے، اس کامیابی، شہرت اور دولت میں اس کا سراغ تک نہیں ملتا تھا، اسی دوران ان کے بھائی نے یروشلم سے واپسی پر قرآن شریف کا ایک نسخہ انہیں مطالعہ کے لئے دیا، قرآن شریف کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ کیٹ سٹیونز کی حالت بدلنے لگی اور انہیں اپنے سوالوں کا جواب ملتا گیا۔ اس دوران وہ اپنے تغیر، تشویش اور یقین و بے یقینی کے درمیان سفر کو بڑی سادگی اور صداقت سے بیان کرتے ہوئے۔ ان واقعات و مشاہدات کا خصوصی حوالہ دیتے ہیں، جو انہیں اسلام سے اس قدر قریب لے آئے کہ وہ کیٹ سٹیونز سے یوسف اسلام کے منصب پر فائز ہوگئے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن چلتے ہوئے اچانک بارش آگئی اور انہوں نے بارش سے بچنے کے لئے بھاگنا شروع کر دیا تو ان پر منکشف ہوا کہ ان کا جسم انہیں بتا رہا ہے کہ میں بھیگ رہا ہوں، مجھے بارش سے بچاؤ، جس پر انہیں وہ مشہور کہاوت یاد آگئی کہ انسانی جسم گدھے کی مانند ہے، اگر اس کی تربیت نہ کی جائے تو گدھا آپ کو ہنکا کر اُدھر لے جائے گا، جہاں وہ جانا چاہتا ہے۔ انہیں اسلام میں نظامِ صلوٰۃ، نفس کے بے قابو گدھے کو قابو میں رکھنے کا بہترین ذریعہ نظر آیا۔

اندھیرے سے روشنی کی طرف اس سفر میں وہ اپنی ہدایت کا سرچشمہ کلامِ الٰہی کو قرار دیتے ہیں، اسی کے مطالعہ اور فہم سے ان پر اس صداقت کا انکشاف ہوا کہ دوسرے مذاہب کے برعکس اسلام میں اللہ اور اس کے بندہ کے درمیان کچھ بھی حائل نہیں ہے اور انسان بذریعہ نماز اللہ تعالی سے رابطہ قائم کرسکتا ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلام ہی نجات کا واحد راستہ ہے اور پیروی

Marfat.com

رسول ﷺ ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل قریب ڈیڑھ سال انہوں نے یکسوئی سے قرآن کا مطالعہ کیا۔ جب وہ سورہ الشعراء کی ان آیات پر پہنچے تو ان کی کیفیت بدل چکی تھی اور عظیم تغیر رونما ہو چکا تھا: هل انبئكم على من تنزل الشيطن تنزل على كل افاك اثيم يلقون السمع واكثر هم كذبون والشعراء يتبعهم الغاون الم ترا نهم في كل واد يهيمون وانهم يقولون مالا يفعلون الاالذين امنو وعملو الصلحت وذكروالله كثيرا وانتصروامن بعد ماظلمو وسيعلم الذين ظلموآ اى منقلب ينقلبون۔

ترجمہ: (اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) کیا میں تم کو بتلاؤں کس پر شیاطین اترا کرتے ہیں (سنو) ایسے اشخاص پر اترا کرتے ہیں جو (پہلے سے) دروغ گفتار، بڑے بدکردار ہوں۔ اور جو (شیاطین کی خبریں سننے کے لئے) کان لگا دیتے ہیں اور وہ بکثرت جھوٹ بولتے ہیں اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں (اے مخاطب) کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ (خیالی مضامین) کے ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں، جو کرتے نہیں ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے (اس کا) بدلہ لیا اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے، گا جنہوں نے (حقوق اللہ وغیرہ میں) ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔ (سورہ الشعراء) نتیجتاً کیٹ سٹیونز حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور یوسف اسلام ان کا اسلامی نام رکھا گیا۔ 1977 میں مشرف بہ اسلام ہوتے ہی انہوں نے اپنے آلاتِ موسیقی، گولڈن البم اور اثاثہ جات نیلام کر کے اللہ کی راہ میں خیرات کر دیئے اور اس دن سے آج تک وہ مسلمانوں کی بہبود خیراتی اداروں اور مسلمان بچوں کی مذہبی تعلیم و تربیت میں مصروف ہیں۔ برطانیہ میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے دو ادارے فاؤنٹین آف لائٹ اور اسلامک سکول ٹرسٹ جو یوسف اسلام کی ذاتی نگرانی میں چل رہے ہیں،

Marfat.com

مستقبل میں، برطانیہ میں فکری انقلاب کا چشمہ ثابت ہو سکتے ہیں۔
اسلامک سکول ٹرسٹ کے زیرِ انتظام شمال مغربی لنڈن میں 10 مئی کو برطانیہ کے پرنس چارلس نے جس اسلامی سکول کا افتتاح کیا ہے۔ یہ برطانیہ میں پہلا اسلامی سکول ہے، جو ریاستی اخراجات سے قائم ہوا اور اس کے اخراجات ریاستی خزانہ سے ادا ہوں گے، برطانیہ میں مسلمانوں کے لئے یہ بڑی کامیابی ہے جس میں مستقبل کے بہت سارے امکانات پوشیدہ ہیں اور اس کامیابی کا سہرا یوسف اسلام کے سر ہے کہ جن کی مسلسل کوشش سے برطانوی حکومت کو یہ ماننا پڑا کہ برطانوی قومیت رکھنے والے وہ بچے، جو مسلمان ہیں، ان کے لئے جداگانہ تعلیم، نصاب اور سکول رائج کیا جائے اور ایسا نہ کرنا ان کی مذہبی آزادی اور حیثیت کو نہ ماننے کے مترادف ہے۔
یوسف اسلام پر مسجدِ اقصیٰ کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ مسلمان خواہ کہیں کے بھی ہوں اگر اسرائیلی حکومت کی مرضی نہ ہو تو وہ مسجدِ اقصیٰ کے نزدیک بھی نہیں پھٹک سکتے۔ مسجدِ اقصیٰ کے دروازہ پر درشت لہجہ اور بداطوار یہودی فوجی متعین ہیں، شام قحبہ خانوں اور رات ناچ گھروں میں گزارنے والے بدخو یہودی فوجی کسی بھی مسلمان کو مسجد میں داخل ہونے سے روکنے پر قادر ہیں۔ خصوصاً ان فلسطینی مسلمانوں کے داخلہ کی سخت ممانعت و مخالفت ہے جو مسجدِ اقصیٰ کے قرب وجوار میں رہائش پذیر ہیں اور جو اسی کے مناروں اور گنبد کے سائے میں جوان ہوئے ہیں۔ ہر اذان پر یہ مسلمان جس حسرت، یاس اور آزردگی سے مسجد اقصیٰ کی طرف اور پھر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ اس میں ساری دنیا کے لئے ایک عبرت، تازیانہ اور گواہی پوشیدہ ہے۔۔۔۔۔۔ مسجدِ اقصیٰ سے مسلمانوں کی بے دخلی اور اس پر یہودیوں کے تسلط سے عبرت، اسے کھو دینے پر مسلمانوں کو تازیانہ اور مسجدِ اقصیٰ پر مسلمانوں کے تصرف اور حق پر سورۂ بنی اسرائیل کی گواہی۔ ارشاد ربانی ہے۔
سبحٰن الذین اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد

Marfat.com

الاقصا الذین بر کنا حولہ لنریہ من ایتنا انہ ھو السمیع البصیرہ. ترجمہ: وہ (پاک ذات) ہے جو اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو شب کے وقت مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد (یعنی ملک شام میں) ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں، لے گیا تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات (قدرت) دکھلا دیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں۔ (سورہ بنی اسرائیل)

سورہ بنی اسرائیل ناتواں اور کسمپرس مسلمانوں کے حق میں گواہی دے، مسجدِ اقصیٰ پر ہمارے حق اور تصرف پر اللہ کی رضا ثابت کر۔ اس بیت اللہ کے تحفظ اور دفاع میں بہہ جانے والے ہمارے لہو پر گواہ ہو اور اس کی وراثت ہم پر بحال کر دے، وقت آ گیا ہے کہ خود کو مسجدِ اقصیٰ کی بحالی وراثت کے لئے اللہ کی میثاق اور نبی کی دستاویز ثابت کر دے۔

سورہ بنی اسرائیل اپنے بیان و کلام اور اسرار و اعجاز کو ظاہر کر، کہ خاک اقصیٰ سے ہماری نسبت کی شہادت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ، عمرؓ ابن خطاب کے آنسو، امیر معاویہ کا تدبر، صلاح الدین یوسف ابن ایوب کی شجاعت اور حکیم الامت محمد اقبال کا نالہ شب گیر اور آزردگی پوشیدہ ہے۔ ہمارے حق میں ہمارے اسلاف کے اس اثاثہ پر اپنی تصدیق کو اجال، سرچڑھ کے بول اور گواہی دے۔

سورہ بنی اسرائیل اپنی حتمی صداقت کو آشکارا کر اور ان کروڑوں مسلمانوں کا مان رکھ کہ جن کے ترکش میں تیری گواہی، مقدمہ اقصیٰ میں سب سے محترم موثر اور بے پناہ ہے۔ ناقابلِ تردید حوالہ اور دوٹوک شہادت ہے۔

سورہ بنی اسرائیل ناتواں مسلمانوں کے حق میں اپنے تخلیق کار کی منشاء اور صاحب مُنزل کی رضا ثابت کر دے۔ اپنے کمزور و منتشر ورثاء کے حق میں پانسہ پلٹ کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تیرا صدق، سحر، اعجاز، نوید اور گواہی ثابت و تمام ہو۔

سورہ بنی اسرائیل اپنے ریشمی غلافوں اور مخملی جزدانوں سے برآمد ہو، خطا کار

Marfat.com

ہونے کے باوجود اپنے نیازمندوں کا مان نبھا، ان کی لاج رکھ کہ محض قاری ہی سہی تیرے خوش الحان تو ہیں، بے عملے ہی سہی تیرے حفاظ تو ہیں، بے توقیر ہوں گے مگر تجھ پر جانثار، تیرے وارث اور لفظ لفظ چومنے والے تو ہیں۔

حق داروں کی حق تلفی میں حائل ہو، ان کے حق پر گواہ ہو اور سچ کو الم نشرح کر دے۔

21 جولائی

میں اُڑی اُڑی جاؤں........

جب سے ہیلری کلنٹن نے نیویارک کی سینیٹر کے لئے اپنی انتخابی مہم شروع کی ہے، وہ مسلسل حالتِ دفاع میں ہیں، یوں تو وہ یہ کام پچھلے پورے عشرے سے ہی کر رہی ہیں مگر اس بار سرگرانی ہمیشہ سے سوا ہے اب تازہ بتازہ قضیہ یہ ہے کہ جیری ھائمر کی نئی کتاب جو صدر بل کلنٹن اور ہیلری کلنٹن کے باہمی تعلقات، ان کی سیاسی زندگی اور شادی کی پیچیدگی کے موضوع پر ابھی حال ہی میں شائع ہوئی ہے، اس میں ہیلری کلنٹن پر الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے ربع صدی پہلے، 1974 میں جب بل کلنٹن کانگریس کی نشست کے لئے انتخاب ہار گئے تھے تو اس موقع پر انہوں نے بل کلنٹن کی انتخابی مہم کے انچارج پال فرے کو نہ صرف یہودی ہونے کا طعنہ دیا تھا، بلکہ اسے گالیاں بھی دی تھیں، گو کہ ہیلری کلنٹن نے اس کی تردید کر دی ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کا کوئی واقعہ سرے سے ہوا ہی نہیں تھا لیکن ان کے مخالف کیمپ میں اس کتاب اور اس واقعہ کا چرچا بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

ہیلری کلنٹن ہمیشہ دفاعی صورتِ حال سے دوچار رہی ہیں۔ پہلے تو ہیلری کلنٹن کو صدر بل کلنٹن کا دفاع درپیش رہا، اب وہ دباؤ کم ہوا تو براہِ راست وہ خود اس دباؤ میں آ گئی ہیں۔ ابھی ایک الزام کی گرد بیٹھی بھی نہیں ہے کہ دوسرا سامنے آ جاتا ہے۔ تجزیہ نگار کہتے ہیں کہ وہ جس پامردی سے ان حالات کا مقابلہ کر رہی

Marfat.com

ہیں اسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ بالآخر وہ فتح مند رہیں گی، ہیلری کلنٹن نے صدر بل کلنٹن کے بحران میں جس ثابت قدمی کا ثبوت دیا ہے، اس سے امریکی رائے عامہ میں ان کے حق میں ہمدردی اور مثبت اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

رائے عامہ پر مثبت اثرات کا یہی گمان ہیلری کلنٹن کو بے چین کیے رکھتا ہے، اسے کیش کرانے کے شوق میں ان کے پاؤں زمین پر نہیں لگتے ہیں وہ کبھی سینٹ کا انتخاب لڑتی ہیں، کبھی صدارت کا، وہ جب اس میدان میں خاصی آگے نکل جاتی ہیں تو اگر ان کا اپنا نہیں تو صدر بل کلنٹن کا کوئی نہ کوئی کارنامہ انہیں پھر کھینچ کر واپس لے آتا ہے۔ لگتا ہے کہ ہیلری کلنٹن نے اگلے 5 سال کا سیاسی کشٹ پچھلے 5 ماہ میں ہی کاٹ لیا ہے۔

سن ٹائمز میں چھپنے والی سٹیو لیوبٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق ری پبلکن پارٹی نیو یارک کے چیئرمین ولیم پاورز نے ہیلری کلنٹن کا جو فضیلت نامہ بیان کیا ہے اور اسے لاکھوں کی تعداد میں بانٹا گیا ہے، ولیم پاورز نے اس میں ہیلری کلنٹن کے خصائل بیان کرتے ہوئے انہیں ریاکار، خودسر، ملمع ساز، سرد مہر سازشی، اور فریب کار قرار دیا ہے۔ لگتا ہے کہ ہیلری کلنٹن کے اگلے دو، چار ماہ اچھے لگ جائیں گے۔ ولیم پاورز نے انہیں ایسی مصروفیت اور ایسا موضوع دے دیا ہے، جو ہیلری کے لئے نیا نہیں ہے۔ صفائی پیش کرنے اور نیک نیتی ثابت کرنے میں ہیلری اپنے سب حریفوں پر بھاری ہیں۔

24 جولائی

تیرا ہاتھ ہو، جو میرے ہاتھ میں

گورنر جارج بش نے بالآخر سسپنس، قیافہ اور افواہوں کا زور توڑتے ہوئے اپنے ٹکٹ پر نائب صدر کے لئے ڈک چینی کو نامزد کر دیا ہے۔ ڈک چینی ان پانچ امیدواروں میں تو شامل نہیں تھے، جنہیں ری پبلکن حلقہ کی حمایت حاصل تھی لیکن

Marfat.com

پچھلے دو ہفتوں سے سابق صدر جارج بش نے اپنے صاحبزادوں کے لئے نائب صدر کی تلاش میں اندر خانہ جو بیٹھک بٹھا رکھی تھی، اس میں ڈک چینی سرِ فہرست تھے۔ یوں تو گورنر جارج بش حتی الامکان اپنے آپ کو اپنے والدِ بزرگوار سابق صدر جارج بش کے اثرات سے آزاد ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ان کا سایہ بھی اپنی صدارتی مہم پر نہیں پڑنے دے رہے لیکن ڈک چینی کی نامزدگی سے فریبِ نظر کا یہ پردہ چاک ہو گیا ہے۔ ایک عام تاثر یہ ہے کہ شکست خوردہ سابق صدر اور ان کی دستِ راست ڈک چینی گورنر جارج بش کی صدارتی مہم کے لئے فائدہ سے زیادہ خسارہ کا باعث ہوں گے۔

59 سالہ ڈک چینی سابق صدر بش کے عہدِ صدارت میں ان کے سیکرٹری دفاع اور دستِ راست رہ چکے ہیں۔ انہیں انتظامیہ کا وسیع تجربہ ہے اور وہ کئی امریکی صدور کے ساتھ کام کر چکے ہیں۔ ڈک چینی سابق صدر جیرالڈ فورڈ کے چیف آف سٹاف اور ری پبلکن پارٹی کی پالیسی کمیٹی کے چیئرمین رہ چکے ہیں۔ ڈک چینی نے دس سال تک کانگریس میں (1978-1987) ری پبلکن پارٹی کے لئے کئی عہدوں پر کام کیا ہے۔ ڈیموکریٹس کا اس نامزدگی پر پہلا تبصرہ یہ ہے کہ ڈک چینی کی نامزدگی میں ان کے پاور بروکرز سے پرانے تعلقات کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔ جو انتظامیہ، پینٹاگون، کانگریس میڈیا اور واشنگٹن ڈی سی میں چھپے بیٹھے ہیں۔

ڈک چینی کی اصل وجہ شہرت سابق صدر جارج بش کے زمانہ میں پانامہ میں امریکی فوجی مہم جوئی اور خلیج کو جنگ میں عراق کی تباہی کے حوالہ سے ہے، سابق صدر جارج بش ان دونوں غلطیوں کا کفارہ 1992 کے صدارتی انتخاب میں ہزیمت اٹھا کر ادا کر چکے ہیں لیکن ڈک چینی پر یہ قرض ابھی تک واجب ہے۔

جس فیصلہ پر حریف خوش ہوں، اس میں غلطی کا امکان بہر حال ہو سکتا ہے، ڈک چینی کی نائب صدارت کے لئے نامزدگی پر ڈیموکریٹ حلقوں میں اطمینان اور مسرت کی لہر دوڑ گئی ہے۔ نائب صدر الگور نے بلا توقف اس نامزدگی کو "اولڈ گارڈ"،

Marfat.com

کی واپسی اور ''آئیل ڈریم ٹیم،، قرار دیا ہے کیونکہ ڈک چینی 1995 سے ہیلی برٹن آئیل کمپنی کے بورڈ کے چیئرمین اور چیف ایگزیکٹو ہیں اور بش خاندان کی خوش قسمتی بھی تیل کے کاروبار سے وابستہ ہے۔ ڈک چینی انتہائی رجعت پسند مشہور ہیں اور کانگریس میں اپنی دس سالہ خدمات کے دوران مساوی حقوق کی آئینی ترمیم کی مخالفت کرتے رہے ہیں، وہ خواتین کو اسقاطِ حمل کے حقوق دیے جانے کے بھی سخت مخالفت ہیں۔ یوں زیر سقیم الحال حمل وساقط حماًل پسند بیبیوں کے ووٹ بھی جارج بش کے خلاف جا سکتے ہیں۔

جیسے ہمارے ہاں آرمی چیفس کو بطور صدر مملکت تقریب حلف برداری کے خواب نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں، اسی طرح امریکی نائب صدور بھی وائٹ ہاؤس کی ان خالی دیواروں کو حسرت سے دیکھتے ہیں کہ جو ابھی تک کسی صدر کی تصویر سے خالی ہیں اور وہاں اپنی تصویر کو آویزاں دیکھتے ہیں لیکن ڈک چینی کے ان خوابوں کی راہ میں سب سے پہلے ان کا اپنا دل ہی حائل ہو جائے گا۔ انہیں دو دفعہ دل کا شدید دورہ پڑ چکا ہے اور وائٹ ہاؤس میں جس طرح کی سخت دلی درکار ہے، اس کے پیشِ نظر، امریکی عوام بھی ڈک چینی اور ان کے خوابوں کے درمیان دیوار بن سکتے ہیں۔

26 جولائی

بے نظیر بھٹو بمقابلہ بنیاد پرستی

اسلامی بنیاد پرستی کے مضمون کو سن دو ہزار کا پسندیدہ امریکی موضوع قرار دیا جا سکتا ہے۔ امریکہ میڈیا کے ہر میڈیم سے رسالہ ہو کہ ریڈیو، اخبار ہو کہ ٹی وی۔۔۔۔اسلامی بنیاد پرستی اور پرستوں کے خلاف کچھ نہ کچھ کہا جاتا رہا ہے۔ امریکہ کے ساتھ ساتھ یورپ حتیٰ کہ اسلامی ممالک کا میڈیا بھی اس موضوع پر دل آزاری میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ حقیقتاً اسلامی بنیاد پرستی ہے کیا؟ یہ کس صورت میں موجود ہے

Marfat.com

اور اس گرما گرم موضوع کا ماخذ کیا اور کون ہیں، یہ کس کے لئے وسیلہ راحت جاں یا کس کے لئے ڈراؤنا خواب اور وجہ جاں آزار ہے؟

1970 کے وسط عشرہ میں یورپی میڈیا میں مسلمانوں کے خلاف ایک نئی اصطلاح اختراع کی گئی۔ لبنان میں اسرائیل فلسطین تنازعہ کے نتیجے میں مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت کو بنیاد پرستوں کے نئے نام سے پکارا جانے لگا، جو دیکھنے میں سادہ، سنجیدہ، باریش، کم گو اور کم تعداد تھے، وسائل اور تعداد میں کم ہونے کے باوجود اپنے موقف پر ثابت قدم، جرات منداور جاں نثار، شرع آثار اور شریعت آمادہ ان مسلمانوں کو بنیاد پرست کہنے کا شروع میں تو کسی نے نوٹس نہیں لیا لیکن عالمی سطح پر اوپر نیچے دو ایسے واقعات رونما ہوئے کہ ایک خاص فکر اور مخصوص طرز رکھنے والے مسلمانوں کو کھلم کھلا بنیاد پرست کہا جانے لگا۔

ایران کے رضا شاہ پہلوی کے خلاف جب مزاحمت منظم ہونے لگی اور پیرس میں آیت اللہ خمینی پر عالمی میڈیا کی نظریں مرکوز ہوئیں تو عالمی میڈیا کی نظریں اس فکر اور طرز کے مسلمانوں سے آشنا نہیں تھیں۔ آیت اللہ خمینی کے اردگرد نظر آنے والے باریش، سنجیدہ، کم گو اور سادہ لوگ اپنے لوگوں سے ملتے جلتے تھے، جنہیں لبنان میں پہلے پہل بنیاد پرست کہا گیا تھا۔ سو، اس مماثلت پر ان لوگوں کو بھی اسلامی بنیاد پرست کہا جانے لگا جبکہ بنیاد پرست ہونا مسلمانوں کے لئے کوئی طعنہ یا عار تھا ہی نہیں کیونکہ بنیاد کی طرف مراجعت لازمی، فطری اور منطقی عمل ہے۔ اپنی جہالت کے زور، اسلام سے بے خبری اور تعصب کے بہاؤ میں یورپی میڈیا مسلمانوں کی جس فکر اور طرز پر انہیں معتوب ٹھہرانے پر تلا ہوا تھا، وہی تو اسلام کی اساس اور اصل ہے، اس بارے میں طرح طرح سے حکم موجود ہے کہ جس طرح بھی سمجھا جا سکے۔ سورہ حمہ السجدہ میں ارشاد ربانی ہے۔ **ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین**۔ ترجمہ۔ ''اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہوسکتا ہے جو خدا کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے اور

Marfat.com

کہے کہ میں مسلمان ہوں''۔ (سورہ حمہ السجدہ)

وامر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی مااصابک ان ذلک من عزم الامور. ترجمہ۔ نیکی کا حکم دیا کرو اور بری باتوں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو، اس پر صبر کرنا، بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں (سورہ لقمان)

ولتکن منکم امتہ یدعون الی الخمیر ویامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر واولیک ھم المفلحون.

ترجمہ۔ ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے، نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔ (سورہ آلِ عمران)

الذین ان مکنھم فی الارض اقامو الصلواہ واتو الذکوہ وامرو بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبتہ الامور ۔ترجمہ۔ وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں تو نماز پڑھیں اور زکوۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے'' (سورہ الحج)

1970 کے آخری عشرہ تک بنیاد پرست اصطلاح کا نہ کوئی واضح مفہوم تھا، نہ کوئی خاص ہدف لیکن جب مصر میں انور السادات قتل ہوئے تو یکا یک یورپ اور امریکی میڈیا میں ان کے قاتلوں کو انتہا پسند اور بنیاد پرست کہا جانے لگا۔ اس نئی اصطلاح کو منفی اور ناپسندیدہ طور پر مشتہر کرنے میں مصر کے صدر حسنی مبارک نے کلیدی کردار ادا کیا، وہ انور السادات کے قاتلوں کو بنیاد پرست قرار دینے اور دلوانے پر مصر رہے۔ حسنی مبارک مارکہ حکمرانوں کی شبانہ روز کوششوں سے یہ اصطلاح اپنے وسیع تر مفہوم میں ان مسلمانوں کے لئے استعمال کی جانے لگی، جو اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے اسلامی نظام کے حق میں مخلصانہ رائے رکھتے تھے،

Marfat.com

مسلمانوں کی یہ جماعت شرع و شریعت سے خوفزدہ تھی، نہ اقتدار و طاقت سے مرعوب۔ باریش اور سادہ کپڑے پہننے والی اس جماعت کا نظریہ، ترجیحات اور دائرۂ عمل عین منطقی، مذہبی اور دوٹوک تھا۔

صدر انور السادات کے قتل کی وجوہات جو بھی ہوں لیکن انہوں نے امریکہ کے دباؤ اور ماڈرن ازم کے لبھاؤ میں اسرائیل سے گلے مل کر ان کروڑوں عربوں کے موقف کو جھٹلا دیا، جو اہلِ عرب فلسطین کے بارے میں متفقہ طور پر ربع صدی سے اپنائے ہوئے تھے۔ صدر انور السادات کے اس فعل پر برہمی کے علاوہ ان سے یہ مطالبہ بھی کیا جا رہا تھا کہ وہ مصر میں گلی گلی قائم قحبہ خانوں، رنڈی بازی اور ناچ گھروں کو بند کرائیں۔ اگر اسلامی نقطہ نظر اور ایمانداری سے دیکھا جائے تو یہ مطالبہ ناجائز ہرگز نہیں تھا۔ جن قباحتوں کی اجازت ہی نہیں ہے، ان کی مذمت اور مزاحمت کرنے والوں کو بنیاد پرست کہا جائے کہ انتہا پسند لیکن ان جماعتوں اور افراد کے حق میں ارشادِ ربانی کی تائید موجود ہے۔ اور تائید بھی مکرر، حتمی، کھلی اور دوٹوک۔

عالمی سطح پر اسی دوران دوسرا اہم واقعہ ایران میں آیت اللہ خمینی کے انقلاب کے پس منظر میں ایران ۔۔۔۔ امریکہ تنازعہ تھا، خصوصاً جب چار سو، سے زیادہ امریکیوں کو ایران میں یرغمال بنایا گیا اور امریکہ کو ''شیطانِ بزرگ،، قرار دیا گیا تو یورپ میں اختراع کی گئی اسلامی بنیاد پرست اور انتہا پسند اصطلاح امریکی میڈیا میں بھی تواتر سے استعمال ہونے لگی۔ امریکہ نے ایسے مسلمان دیکھے ہی نہیں تھے، نہ امریکی حکومت کو ایسے مسلمانوں کا تجربہ تھا۔ اس سے پہلے امریکہ کا تجربہ صرف مے خوار، مخولیئے، غیرت کش اور مفاد پرست مسلمان حکمرانوں سے لین دین اور فراہمی تحفظ تک ہی محدود تھا لیکن جب امریکہ کا واسطہ آیت اللہ خمینی سے پڑا تو ایک طرف تو امریکی حکومت کے دانتوں تک میں پسینہ آ گیا اور صدر جمی کارٹر کے آنسو نکل پڑے اور دوسری طرف امریکہ کو ایسی فکر اور طرز کے مسلمانوں کا سامنا تھا کہ جن کے مفادات محدود، موقف سادہ، غیر لچکدار اور شخصیت بارعب اور محترم تھی۔ زندگی

Marfat.com

کے قرض کو اتار دینے میں بلا تامل اور جان کو رہن رکھ کر، مذاکرات کرنے والوں کی مذاکراتی مزاحمت بڑی توانا ہوتی ہے۔ امریکی حکومت، عوام، منصوبہ سازوں، میڈیا اور مذاکراتی ایٹموں کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ ان باریش، سادہ منش، سیدھا رخ اور دو ٹوک موقف رکھنے والے مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی بیوپارانہ قوتِ استدلال اور سودے بازی کی مہارت کس قدر بے وزن اور ناپائیدار ہے، ان بہ طرز دگر مسلمانوں کو امریکی اور یورپی میڈیا نے بنیاد پرست قرار دینے کے ساتھ ساتھ بنیاد پرستی کی تعریف و توجیح بھی گھڑ لی اور اسے ایک مخصوص منفی و ناپسندیدہ استعارہ کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔

اسلامی بنیاد پرستی کی اس تعریف کے مطابق بلا امتیاز، رنگ و نسل و علاقہ، وہ تمام مسلمان مذہبی جماعتیں بنیاد پرست اور انتہا پسند قرار پائیں، جو اپنے اپنے ملکوں اور معاشروں میں اسلامی نظام کے قیام اور اللہ کی حاکمیت کی حامی تھیں اور اس راہ میں مزاحم قوتوں سے برسرِ پیکار ہونے پر آمادہ تھیں۔ یہ مزاحم قوتیں امریکہ یا یورپ کی حکومتیں اور افواج نہیں تھیں بلکہ ان متعلقہ ممالک میں امریکی حمایت یافتہ نام نہاد اسلامی حکومتیں اور حکمران ہی تھے۔ منطقی طور پر ان مذہبی جماعتوں کا بالواسطہ ٹکراؤ، بالآخر امریکی مفادات سے ٹکر ہونا ہی ہونا تھا۔ چونکہ امریکی خارجہ پالیسی کے دانشور یہ کبھی نہ جان سکے کہ مسلمان ملکوں کے یہ حکمران، جو ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر مامور ہیں، اپنے عوام میں کسی قدر غیر مقبول بلکہ ناپسندیدہ اور اپنی زمین پر کتنا بھاری بوجھ ہیں، امریکی حکومتوں نے قصداً یا لاعلمی میں بہرحال ملکوں ملکوں اسلام کے حق میں پھیلتی ہوئی اس توانا آواز کو دبانے کی کوشش میں امریکی مفادات کے علمبردار، اپنے ہی پلانٹ کردہ ان ٹاؤٹ نما حکمرانوں کی حمایت جاری رکھی۔ امریکی حکومتیں ان ٹاؤٹ حکمرانوں کی حمایت میں تو کامیاب رہیں مگر وہاں کے عوام امریکہ کے مخالف ہوتے گئے۔

اسلام سے اخلاص رکھنے والے اور اسلام کی طرف مراجعت پر باآوازِ بلند

Marfat.com

پکارنے والے، ان لوگوں پر بنیاد پرستی اور انتہا پسندی کی گہری چھاپ امریکی یا یورپی میڈیا اور حکومتوں سے زیادہ ان مسلمان حکمرانوں اور حکومتوں کی طرف سے لگائی گئی، جو اسلام کی طرف مراجعت کی اس توانا اور دوٹوک آواز سے لرزیدہ تھے۔ 1990 تک تو درمیانے خاں اور سیکولر جھونک کے مارے حکمران کمیونزم کا ہوا دکھا کر امریکی اور یورپی حکومتوں کی حمایت حاصل کرتے رہے، اپنی بقاء اور اقتدار کے حق میں ان حکمرانوں کا سب سے موثر ہتھیار یہی تھا کہ اگر ہم گئے تو کمیونسٹ آئے، یہ ہم ہی ہیں کہ جو کمیونزم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، لہٰذا ہماری حمایت بھی کرو، مال بھی لگاؤ، ہمارے لوٹے گئے مال پر آنکھیں اور زبان بند رکھو اور ہمیں تحفظ بھی دو اور عوام کی گردنوں پر مسلط بھی رکھو۔ امریکہ اور یورپ اپنی کمیونزم مخالف پالیسی کی وجہ سے ان ٹاؤٹ حکمرانوں کی حمایت کرتے رہے کہ یہ ان کی مجبوری تھی لیکن 1990 میں جب کمیونزم اپنی موت آپ مر گیا تو ان مسلمان مشابہہ حکمرانوں کو فوری طور پر ایک اور ایسے ہوّا کی ضرورت تھی، جو کمیونزم کی جگہ لے سکے، انہیں یہ ہوّا تراشنے اور ڈھونڈنے میں زیادہ مشکل اور دیر نہیں لگی بلکہ امریکی و یورپی میڈیا میں تو یہ موجود ہی تھا۔۔۔۔ بنیاد پرست اور انتہا پسند مسلمان۔

امام آیت اللہ خمینی کے ہاتھوں ہزیمت زدہ امریکہ کے زخم ہرے اور لوہا گرم ہی تھا کہ یہ کہا جانے لگا کہ ہمیں بچاؤ، ہماری حفاظت کرو، ہمیں تحفظ دو کہ ہم گئے تو بنیاد پرست آئے کہ آئے، مسلمان حکمرانوں کی اس دعوت پر امریکی و یورپی حکومتوں نے مسلمان بنیاد پرستوں کے خلاف مورچہ بند ہونے میں دیر نہ لگائی۔ شرع آثار، شریعت پسند اور اسلام کی طرف مراجعت آمادہ مسلمانوں کے خلاف امریکی مورچہ بندی کی فرمائش اور تعاون، جو مصر کے صدر حسنی مبارک سے شروع ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ پاکستان کی محترمہ بے نظیر بھٹو تک پھیل گیا۔ اس کارِ بد میں ہر وہ درمیانے ٹائپ کا مسلمان حکمران ملوث رہا ہے، جو اپنے ہی لوگوں، رائے دہندگان اور مسلمانوں کی اصل کے خلاف اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے امریکی

Marfat.com

حمایت کا طلب گار ہے اور دست دراز رہا ہے۔

اب اگر محترمہ بے نظیر بھٹو کے اقتدار میں آتے ہی بیبیاں بیباک، ناچنے والیاں بے لگام، ناچ بے قابو اور دوپٹہ شانہ سے کم پر آ جاتا ہے تو اس میں بنیاد پرستوں کو اس قدر گردن زدنی ٹھہرانے کی کوئی اصل اور اصولی وجہ تو نظر نہیں آتی ہے کہ محترمہ اپنے ماہانہ دورۂ امریکہ میں امریکی حکومت کو یہی باور کراتی رہیں کہ مجھے تیسری دفعہ بھی اقتدار میں لاؤ، میرا پھر سے بول بالا کراؤ اور جلد کراؤ کہ میں ہی تو ہوں، جو جنوبی ایشیا میں بنیاد پرستوں اور درمیانوں کے درمیان حائل ہو سکتی ہوں، میں ہی تو ہوں جو شرع و شریعت کے حامیوں اور مخلوط میل جول کے پروانوں کے درمیان رکاوٹ بن سکتی ہوں۔ عین ممکن ہے کہ بے نظیر بھٹو، اپنے امریکی ترلوں کے ساتھ ساتھ ہماری اس اصل اور اساس کی نفی بھی کر رہی ہوں، جو ہمارے وجود اور قیام کا سب سے بھاری پتھر تھا، یعنی پاکستان میں اسلامی معاشرہ کا قیام، اسلام کے سماجی عدل کا نظام، اللہ کی حاکمیت اور لا الہ الا اللہ کی سرفرازی۔

یہ عالمِ اسلام کی عموماً اور پاکستان کی خصوصاً بدقسمتی ہے کہ ہمیں اس تھالی میں چھید ڈالنے والے حکمران اور اسی چادر کو تار تار کر دینے والے بہروپئے میسر ہیں کہ جس سے ہماری ستر پوشی اور نجات وابستہ ہے۔

بنیاد پرستی تو دوسرے مذاہب کی بھی خوب چل رہی ہے اور اسلامی بنیاد پرستی سے کہیں زیادہ چل رہی ہے، ہندو بنیاد پرستی بھی ہے، یہودی بنیاد پرستی بھی ہے، عیسائی بنیاد پرستی بھی ہے، لیکن جگ ہنسائی اور بدنامی ہمارے ہی حصہ میں آئی، توجیح اس کی جیسے بھی کر لی جائے لیکن جس اسلام کو انور السادات، حسنی مبارک، سوہارتو، سعودی فرمانروا شاہ حسن و حسین، حافظ الاسد، جنرل ایوب خان، نواز شریف اور بے نظیر بھٹو جیسے حکمران مل جائیں، وہاں شرع آثار، شریعت آمادہ مسلمانوں پر زمین کا تنگ ہو جانا عین منطقی ہوتا ہے۔

آیت الکرسی میں وسع کرسیہ السموت والارض کا جو قرآنی مفہوم

Marfat.com

ہے، وہی اٹل، اوّل واحسن ہے یعنی اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اس میں اللہ کی کرسی کو امریکی کرسی کے مترادف سمجھنا اور اسے امریکی کرسی سے بدلنا کسی طور بھی مناسب نہیں ہے۔ آیت الکرسی پڑھتے ہوئے امریکی حاکمیت کی بجائے اللہ کی حاکمیت پر یقین رکھنا ہی واجب اور مستحسن ہے۔

2 اگست

ری پبلکن کنونشن

صدارتی امیدوار جارج بش نے نائب صدر الگور کو صدر بل کلنٹن کا چربہ، کلون اور پرچھائیں قرار دیتے ہوئے ری پبلکن پارٹی کی طرف سے صدارتی امیدوار کے طور پر باضابطہ نامزدگی قبول کرلی ہے۔ یکم اگست سے جاری چار، روزہ نیشنل ری پبلکن کنونشن منعقدہ فلاڈیلفیا میں جارج بش نے 1600 سے زیادہ ڈیلی گیٹس کی حمایت حاصل کر کے اپنی واضح برتری ثابت کردی ہے جبکہ ان کے قریبی حریف جان میکین کو صرف 252 ڈیلی گیٹس کی حمایت حاصل ہوسکی۔

امریکی سیاست میں پارٹی کنونشنز کی سیاسی افادیت جو بھی ہو مگر یہ کنونشن جس شہر میں بھی منعقد ہوتے ہیں، وہاں پر مقامی معیشت و سیاست کے لئے بہت منافع بخش ثابت ہوتے ہیں۔ اس ری پبلکن کنونشن سے فلاڈیلفیا کی معیشت میں پچھلے ایک ہفتہ میں 500 ملین ڈالر کا اضافہ بزنس ریکارڈ کیا گیا ہے۔ سیاسی مبصرین پارٹی کنونشنز کو اب پارٹی کا ٹی وی شو کے نام سے پکارنے لگے ہیں، جس میں گلیمر، چکا چوند، نعرہ بازی اور دکھاوے کا عنصر بڑھتا جارہا ہے، پارٹی کنونشنز کے اخراجات بھی ناقابلِ یقین حد تک زیادہ ہوچکے ہیں۔ فلاڈیلفیا میں اس کنونشن پر ری پبلکن پارٹی کے 63 ملین ڈالر خرچ ہوئے۔

ری پبلکن کنونشن میں جنرل کولن پاول کی آمد اور ان کی تقریر کو خاص اہمیت دی جارہی ہے، میڈیا میں کہا جارہا ہے کہ کنونشن میں کولن پاول کا آنا ایسے ہی تھا کہ

Marfat.com

جیسے کسی سابق صدر کا آنا۔ جنرل کولن پاول کے علاوہ ری پبلکن پارٹی نے کنونشن میں تقریر کے لئے جن لوگوں کو مدعو کیا ان میں لارا بش (جارج بش کی اہلیہ) سینیٹر جان میکین (حریفِ اوّل) الزبتھ ڈول، باب ڈول، جنرل نارمن شوارزکوف (عراق پر فوج کشی کے امریکی ہیرو) نینسی ریگن، سابق صدر جیرالڈ فورڈ، نامزد نائب صدر رچرڈ، ڈک چینی اور گورنر جارج بش شامل تھے۔

سابق صدر بش اور ان کی اہلیہ باربرا بش بھی کنونشن میں تو موجود رہے مگر انہیں اجاگر نہیں ہونے دیا گیا۔ سابق صدر اور جارج بش کا والد ہونے کے باوجود، ان کی شکست خوردگی انہیں پنپنے نہیں دے رہی ہے۔ جس طرح گورنر جارج اپنے والد محترم کے سایہ سے بھی بدک رہے ہیں کہ وہ شکست کی علامت ہیں۔ بالکل اسی طرح نائب صدر الگور کو بھی صدر بل کلنٹن، کے سایہ سے بھی بچنے کا چیلنج درپیش ہے کہ صدر بل کلنٹن بے راہروی کا استعارہ ہیں، الگور کے شانہ بشانہ صدر کلنٹن کی موجودگی رائے دہندگان پر منفی اثرات ڈال سکتی ہے۔ کنونشن میں گورنر جارج بش کی صدارتی نامزدگی قبول کرنے کی تقریر سے ایسا تاثر ملتا ہے کہ وہ اب ڈیموکریٹ قیادت اور نائب صدر الگور کی کھل کر مخالفت کریں گے۔

5 اگست

مردِ آئین سے مردِ بیمار تک

امریکی میڈیا میں اس خبر پر خاص دلچسپی ظاہر کی جارہی ہے کہ انڈونیشیا کے سابق صدر سوہارتو پر بدعنوانی کے الزام میں مقدمہ درج کرلیا گیا ہے اور تفتیش شروع ہونے والی ہے۔ ٹائم میگزین سے لے کر تمام اہم اخبارات نے اس خبر پر تفصیلی رپورٹس شائع کی ہیں اور مظاہرین کی ایسی تصاویر بھی شائع کی گئی ہیں، جن میں وہ سابق صدر سوہارتو کو پھانسی دینے کا مطالبہ کررہے ہیں۔

مئی 1998 میں پرتشدد عوامی مظاہروں کے دباؤ میں صدر سوہارتو کے مستعفی ہونے کے فوراً بعد اس طرح کے مقدمہ کی امید کی جارہی تھی۔ چار اگست سن

Marfat.com

کو مقدمہ تو بالآخر قائم کر دیا گیا ہے لیکن سابق مردِ آہن صدر سوہارتو کے 2000
وکیل محمد اسیغف کے اس بیان پر ہماری طرح لاکھوں افسردہ ہو گئے ہیں کہ ''جو شخص
اتنا بیمار ہو کہ اپنے خیالات کا اظہار بھی نہ کر سکے، اس پر مقدمہ کیسے چلایا جا سکتا
ہے،، سابق صدر بیمار تو ہوں گے لیکن ہمیں امید ہے کہ وہ شیر بنیں گے، اپنے مردِ
آہن ہونے کی لاج نبھائیں گے اور بدعنوانی کے مقدمہ کا دلیرانہ سامنا کر کے اپنی
بے گناہی ثابت کر دیں گے۔ یوں بھی یہ مقدمہ ان کے خیالات پر نہیں ہے کہ جس
پر معذوری اظہار کا کمبل ڈال دیا جائے، صدر سوہارتو پر ریاستی خزانہ سے 570 ملین
ڈالر خورد برد کرنے کا الزام ہے۔

انڈونیشیا کے اٹارنی جنرل درِعثمان نے کہا ہے کہ اس الزام کو سچ ثابت کرنے
کے لئے صدر سوہارتو کے خلاف سو سے زیادہ گواہ پیش کئے جائیں گے، جن میں
سابق صدر کے تین بچے بھی شامل ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بچے ہی اپنے والد کو پھنسوا
دیں، ہمیں بھی خدشہ ہے کہ انشاءاللہ یہ بچے ضرور ایسے ہی ہوں گے کہ جیسا کہ ان
سے امید کی جا رہی ہے، لگتا ہے کہ مالِ غنیمت میں ان بچوں کو برابر کا حصہ نہیں ملا،
ورنہ ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ سابق صدر کے بچے اپنے حکمران والد کا قبر تک دفاع
کرتے ہیں۔

صدر سوہارتو 32 سال تک انڈونیشیا کے مختارِ کل رہے ہیں۔ انہوں نے
خاصے سرد، گرم دن دیکھے ہیں اور ہمیشہ بہادری کا ثبوت دیا ہے، اہلِ انڈونیشیا کو
توقع ہے کہ انشاءاللہ وہ یہ مقدمہ بھی کاٹ لیں گے اور اپنی بیماری کو اپنی نیکی نیتی اور
570 ملین ڈالر کی خورد برد کے الزام کے درمیان حائل نہیں ہونے دیں
گے۔ انڈونیشیا کے موجودہ صدر عبدالرحمٰن واحد نے یہ توقع بھی ظاہر کی ہے کہ عین
ممکن ہے کہ صدر سوہارتو، قوم کا لوٹا ہوا مال واپس کر دیں، اس صورت میں انہیں کچھ
نہیں کہا جائے گا اور وہ انہیں معاف کر دیں گے۔ اسلامی ملکوں میں اس رسمِ بد سے،
کہ بدعنوان حکمرانوں اور حکام سے لوٹ کا کچھ حصہ واپس لے کر انہیں چھوڑ دیا

Marfat.com

جائے، اس سے یہ تاثر ابھر رہا ہے کہ جیسے نئے آنے والے، جانے والے کو اس امید پر چھوڑ رہے ہوں کہ آج ہم نے تمھیں چھوڑا، تا کہ کل ہمیں بھی چھوڑا جا سکے، ہم نے تم پر آنکھیں بند رکھیں، کل کو تم بھی ایسے ہی کرنا، ہم نے تم سے اپنوں والا سلوک کیا، تا کہ ہم سے بھی یہی سلوک روا رکھا جا سکے۔

7 اگست

جرأتمندانہ کہ نیازمندانہ

نائب صدر الگور نے بالآخر اپنے ٹکٹ پر نائب صدر کے لئے سینیٹر لی برمین کو نامزد کر دیا ہے۔ 58 سالہ سینیٹر لی برمین نسلاً یہودی، عقیدتاً کٹر یہودی اور اصولاً اول تا آخر پکے یہودی ہیں یعنی یہودی، یہودی، صرف یہودی۔ یوں تو نائب صدر الگور کا یہ فیصلہ تاریخی اور جرأتمندانہ سمجھا جا رہا ہے مگر اس میں جرأتمندی سے زیادہ نیاز مندی کے عنصر کا گمان گزرتا ہے۔ نائب صدر الگور پر یہودی اثرات اور دباؤ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ نائب صدر الگور نے سینیٹر لی برمین کو نائب صدر کے لئے نامزد کر کے امریکی صدارتی انتخابات میں سب سے موثر اور فیصلہ کن عنصر کو اپنا ہمنوا بنا لیا ہے۔ اگر نائب صدر الگور صدارتی انتخاب میں کامیاب ہو گئے تو امریکی تاریخ میں پہلی بار یہودی، امریکی صدارت سے صرف ایک قدم، ایک سانس اور ایک ہچکی دور رہ جائیں گے۔ صدر امریکہ کو، کوئی بھی ناگہانی صورتِ حال پیش آ جائے تو نائب صدر، صدارت پر فائز ہو جاتا ہے، یوں نائب صدر کی صدارت میں صرف ایک سانس کا فاصلہ حائل ہے۔ نائب صدارت پر، براجمان فرد کے حمایتی اگر تحمل مزاج اور صبر آزما نہ ہوں تو اس ایک قدم کی حدِ فاضل کو آٹھ سال کی بجائے ذرا پہلے ہی سر کر کے اس رسمی فصیل میں شگاف ڈال سکتے ہیں، جو نائب صدر سے مشروط ہے۔

نائب صدر الگور نے سینیٹر لی برمین کو نامزد کر کے ایک طرف تو یہودی لابی کو

Marfat.com

تسخیر کرلیا ہے اور دوسری طرف اپنے آپ کو صدر بل کلنٹن کے سیکنڈل زدہ سایہ سے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ مونیکا لیونسکی سیکنڈل کے عروج میں یہ سینیٹر لی برمین ہی تھے، جنہوں نے ڈیموکریٹ حلقہ سے صدر بل کلنٹن کی بے راہروی پر مخالفت میں پہلی آواز اٹھائی تھی۔ سینیٹر لی برمین، صدر بل کلنٹن کے اندر خانہ نقاد کی حیثیت سے خاصی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ الگور نے بل کلنٹن کے مخالف اور نقاد کو اپنا نائب نامزد کر کے اپنے آپ کو واضح طور پر صدر بل کلنٹن سے علیحدہ کر لینے کا اشارہ دے دیا ہے۔ لگتا ہے کہ نائب صدر ذہنی طور پر اب اس سولو فلائیٹ کے لئے بالکل تیار ہیں، جس کا ارادہ وہ پورے ایک سال سے باندھے ہوئے تھے۔

سینیٹر لی برمین دس برس تک ریاست کنکٹی کٹ کے اٹارنی جنرل رہ چکے ہیں اور دس برس سے ہی امریکی سینٹ کے ممبر ہیں۔ انہیں ایک موثر سیاستدان، کٹر مذہبی یہودی سینیٹر اور کامیاب مصنف سمجھا جاتا ہے۔ لی برمین 5 کتابوں کے مصنف ہیں۔ نائب صدر الگور کے اس اقدام پر امریکی رائے دہندگان کا حقیقی ردِعمل تو صدارتی انتخاب کے نتائج سے ہی سامنے آئے گا کہ امریکی عوام نے یہودی نائب صدر کی نامزدگی کو کس حد تک تسلیم کیا ہے لیکن امریکی مسلمان اس فیصلہ سے دل برداشتہ اور ناامید ہوئے ہیں۔

8 اگست

عالمی ضمیر کا المیہ

عراق میں پچھلے دس سال سے اوسطاً چار سو قبریں روزانہ کھودی جاتی ہیں، جنہیں شام تک ان کے مکین میسر آ جاتے ہیں اور گورکن اگلے دن کی قبریں کھودنے کی مشقت میں لگ جاتے ہیں۔ پچھلے دس سالوں میں عراق میں کفن دفن، گریہ وزاری اور لحد سازی کی صنعت کا فروغ عالمی ضمیر کے لئے ایک سوال اور ایک المیہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ مگر عالمی ضمیر ہے کہ دل گیر ہونے کے باوجود لب بستہ

Marfat.com

اور آزاد ہونے کے باوجود زیر محاصرہ ہے۔

اقوام متحدہ کے انتہائی محتاط اندازہ کے مطابق جنگ خلیج کے نتیجہ میں جب سے عراق پر تجارتی، معاشی اور اقتصاد عالمی پابندیاں عائد کی گئی ہیں، اس دوران عراق میں دس لاکھ سے زیادہ افراد، دوائیوں، صحتِ عامہ اور بچوں کیلئے بیماریوں سے ابتدائی مدافعت کے ٹیکوں کے نہ ہونے سے جاں بحق ہو چکے ہیں۔ ان دس لاکھ مرنے والوں کی دو تہائی اکثریت بچوں پر مشتمل ہے۔

صدر صدام حسین بھی اپنی جگہ موجود ہیں، امریکہ و عالمی مفادات کے اپنے تقاضے ہیں، شیوخ بھی حسبِ معمول قیمتی پرفیومز لگائے لاس ویگاس اور پیرس کے کیسنیوز میں مصروفِ کار ہیں، انسانی حقوق کی تنظیموں کا اپنا ایجنڈا ہے اور اقوام متحدہ اپنا بویا کاٹتی ہے، مگر ان سب کارگزاریوں میں معصوم، بے گناہ اور کم عمری میں ہی مرجانے والے عراقی بچوں کی موت کا قرض عالمی ضمیر پر واجب الادا ہے، ادائیگی کی جو بھی صورت ہوگی، ناگہاں، بصورتِ مرگِ مفاجات، شدید اور حیران کن ہوگی۔ کچھ عجب نہیں کہ قرض کے ساتھ ساتھ سود کی ادائیگی بھی واجب ہو جائے۔

عالمی انسانی حقوق کے دونوں امریکی ٹھیکیدار صدارتی امیدواروں سے طرح طرح کے سوالات پوچھے جارہے ہیں مگر عراق پر پابندیوں کے خاتمہ سے متعلق سوال پوچھنا معیوب سمجھا جارہا ہے، نہ ہی امیدوار خود اس بارے میں لب کشا ہیں۔ نہ ہی امریکہ کی خارجہ پالیسی میں عراق سے متعلق تبدیلی کے حوالہ سے کوئی سوال اٹھایا جارہا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ اندرونِ خانہ اس مضمون پر سب کا ایکا ہے اور کیوں نہ ہو، ایک ری پبلکن صدر نے عراق پر پابندیاں عائد کرائی تھیں تو ڈیموکریٹ صدر نے ان کو جاری رکھا اور مستقل کر دیا۔ سو، گورنر جارج بش اور نائب صدر الگور دنیا بھر کے موضوعات پر لب کشا اور گفتگو آمادہ ہیں مگر انسانی ضمیر کی آنکھ حیرت سے کبھی بچوں کے لئے کھودی جانے والی چار سو قبور بلا ناغہ کی طرف دیکھتی ہے اور کبھی انسانی حقوق کے ان ٹھیکیداروں کی طرف۔

Marfat.com

بے حسی کے اس سناٹے میں احمد فراز کی آواز ارتعاش تو پیدا کرتی ہے مگر ان کا روئے سخن جیتے جی اپنی قبروں میں رہنے والوں کی طرف ہے جبکہ ضرورتِ سخن انسانی حقوق کے ٹھیکیداروں اور عالمی ضمیر سے ہے، احمد فراز کہتے ہیں:

محل سراؤں میں خوش مقدر شیوخ چپ، بادشاہ چپ ہیں
حرم کے سب پاسباں، عالم پناہ چپ ہیں
تمام اہل ریا کہ جن کے لبوں پر ہے لا الہ، چپ ہیں

9 اگست

نیشنل ڈیموکریٹک کنونشن

لاس اینجلس میں ڈیموکریٹک کنونشن نائب صدر الگور کی نامزدگی پر اختتام پذیر ہوگیا ہے۔ نائب صدر کو قریب نوے فیصد ڈیلی گیٹس نے ڈیموکریٹک پارٹی کا صدارتی امیدوار اور سینیٹر لی برمین کو نائب صدارت کا امیدوار نامزد کر دیا ہے۔ جیسا کہ ڈیموکریٹس کو امید تھی کہ کنونشن کے انعقاد سے نائب صدر الگور کی صدارتی مہم کو مہمیز ملے گی اور رائے عامہ ان کے حق میں استوار ہوگی لیکن کنونشن کے نتائج سے تا حال یہ امید بر نہیں آئی ہے۔ تازہ ترین سروے کے مطابق گورنر جارج بش کو ابھی تک نائب صدر الگور پر چار فیصد کی برتری حاصل ہے۔ گورنر جارج بش کو 46 فیصد رائے دہندگان کی حمایت کے مقابلہ میں نائب صدر الگور جارج بش کو 42 فیصد رائے دہندگان کی حمایت حاصل ہے۔ اس چار فیصد کے فرق کو کم کرنے کے لئے ڈیموکریٹ پارٹی اور الگور پورا زور لگا رہے ہیں لیکن یہ چار فیصد ہل کے نہیں دے رہے۔

نائب صدر الگور نے اپنے نائب کے لئے یہودی سینیٹر کا انتخاب کر کے اس فرق میں شگاف ڈالنے کے لئے جو، جواء کھیلا ہے۔ تا حال اس سے بازی پلٹنے کے آثار ہویدا نہیں ہیں۔ یوں تو ڈیموکریٹک کنونشن اس لحاظ سے ری پبلکن کنونشن سے

Marfat.com

بھاری رہا کہ اس میں قومی سطح کے کئی نامور سیاستدان اور رائے عامہ کو متاثر کرنے کے لئے ہر طرح کا تیر بہ ہدف موجود تھا مگر چار فیصد کے فرق کا کلہ بہرحال اپنی جگہ مضبوطی سے گڑا ہوا ہے۔

ڈیموکریٹک کنونشن میں سینیٹر ایڈورڈ کینڈی، جیسی جیکسن، سابق صدر جمی کارٹر، سینیٹر ٹائم ڈیشل، سینیٹر بل بریڈلی، کیرولین کینڈی (سابق مقتول صدر جان ایف کینیڈی کی صاحبزادی) صدر بل کلنٹن، ہیلری کلنٹن، سینیٹر لی برمین، ٹپر الگور (نائب صدر الگور کی اہلیہ) اور نائب صدر الگور سبھی نے خطابت کے جوہر دکھائے، امید دلائی اور اقرار باندھے مگر لگتا ہے کہ صدر بل کلنٹن کی تقریر کے یہ الفاظ، جن سے الگور بچنا چاہتے تھے کہ ''الگور کو میری پوری حمایت حاصل ہے اور وہ اکیسویں صدی میں میرے ویژن کو آگے بڑھائیں گے،، نائب صدر کے حق میں کچھ زیادہ جاں فزا ثابت نہیں ہو سکے۔ صدر بل کلنٹن کی کارکردگی کو تو امریکی عوام کی حمایت حاصل ہے لیکن ان کا ویژن سوالیہ اور کارکردگی کا طریقہ کار مشکوک سمجھا جاتا ہے۔ نائب صدر الگور جس قدر یہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ صدر بل کلنٹن کی چھتری سے نکل کر خود اپنے سائبان کی چھاؤں میں آجائیں اور عوام کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر دکھائیں۔ وہ مزید اسی قدر صدر بل کلنٹن کی میراث کے علمبردار کے طور پر ابھر رہے ہیں۔ اب تو صدر بل کلنٹن نے سرِ عام نائب صدر کو اپنی کامیابیوں میں شریک، کارکردگی میں شراکت دار، اپنی ویژن کا مستقبل اور اپنی میراث کا حقدار قرار دیا ہے، اتنا بہت کچھ قرار دیئے جانے کے باوجود نائب صدر الگور، صدر بل کلنٹن سے رسہ تڑانے پر تلے ہیں۔ چونکہ نائب صدر خوب جانتے ہیں کہ ویژن کی علمبرداری میں صدر بل کلنٹن کی بے راہروی کا ترکہ بھی شامل ہے۔

18 اگست

Marfat.com

میرا اک خواب ہے

ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ فاؤنڈیشن اور کئی دوسری سیاہ فام تنظیموں نے 28 اگست 1963 کے دن ہونے والے ''مارچ آن واشنگٹن،، کی یاد میں امریکہ بھر میں تقریبات منعقد کی ہیں اور اخبارات نے خصوصی مضامین شائع کئے ہیں۔ 28 اگست 1963 کو سول رائٹس کے لئے ہونے والے اس مظاہرہ کو امریکی تاریخ میں اہم اور سیاہ فام امریکیوں کی تاریخ میں اہم ترین مقام حاصل ہے۔ امریکہ میں سیاہ فاموں کے لئے مساوی حقوق کے سب سے بڑے علمبردار ڈاکٹر کنگ کی قیادت میں ڈھائی لاکھ افراد کے انتہائی پرامن اور منظم مظاہرہ کا نقطہ عروج اور مارچ آن واشنگٹن کی اصل یافت ڈاکٹر کنگ کی اس تقریر کو قرار دیا جاتا ہے، جو انہوں نے اس مظاہرہ میں کی۔ اقوامِ عالم کی تاریخ میں جن خطابات کو کلاسیکی، انقلابی اور سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے، ڈاکٹر کنگ کی یہ تقریر اپنی خطابات میں شامل ہے۔

ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ نے اس تقریر میں سیاہ فاموں پر مظالم کی تاریخ کو جس دردمندی سے بیان کیا، سیاہ فاموں کے لئے مساوی حقوق حاصل کرنے کے لئے پُرامن جدوجہد جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کیا اور یکساں حقوق کے حصول کو جس الہامی وجد اور شاعرانہ انداز میں اپنا خواب قرار دیا، اس طرزِ اظہار کی نُدرت، بیان کی سادگی اور دردمندی نے سننے والوں کے ساتھ ساتھ امریکی عوام، سیاست، حکومت، مقننہ اور تاریخ پر گہرا اثر ڈالا۔ ڈاکٹر کنگ کی اس تقریر نے امریکی صدر جان کینیڈی سے لے کر عام آدمی تک ہر ایک کو متاثر و متوجہ کیا، نتیجتاً امریکی کانگریس میں مشہور زمانہ سول رائٹس ایکٹ بل 1969 اور سول رائٹس بل 1965 منظور ہوئے۔ اس نئی قانون سازی کے تحت سیاہ فام امریکیوں کو مساوی روزگار کے مواقع، یکساں تعلیمی مواقع اور رائے دہندگی کو یقینی بنانے کے لئے قوانین کا اجراء کیا گیا اور نسلی امتیاز کے خلاف موثر قانون سازی عمل میں آئی، جس سے کم از کم قانونی

Marfat.com

سطح پر، تو سیاہ فاموں کے مطالبات پورے ہو گئے۔

ساؤدرن کرسچین لیڈرشپ کانفرنس کے صدر اور سیاہ فام امریکیوں کے رہنما کی حیثیت سے مارٹن لوتھر کنگ نے اپنی اس تاریخی تقریر کا آغاز امریکہ کے عظیم صدر ابراہام لنکن کے، 1863 کے اس صدارتی فرمان کے حوالہ سے کیا، جس کی رو سے امریکہ میں سیاہ فاموں کی غلامی ختم کر کے انہیں آزاد شہری قرار دے دیا گیا تھا۔ پھر انہوں نے اس کاغذی آزادی کے پچھلے سو سال میں سیاہ فاموں کی حالتِ زار بیان کی کہ ہم سو سال سے آزاد ہونے کے باوجود بھی آزاد نہیں ہیں۔ وہ اپنے ہی وطن میں الگ تھلگ اور جلاوطنوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں اور وہ ہر طرح کے نسلی امتیاز کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

آج کل کے انسانی حقوق کے عالمی چیمپئن امریکہ میں 1960 کی دہائی تک انسانی حقوق کی آبرو یہ تھی کہ سیاہ فام بچوں کے سکول الگ، ہسپتال الگ، ملازمتوں کے دروازہ بند اور تعلیمی مواقع ناپید۔ سیاہ فاموں کے ووٹوں کا اندراج کیا جاتا، نہ بطور رائے دہندگان ان کی رجسٹریشن کی جاتی۔ سفید فام جب بھی چاہتے اور جہاں بھی چاہتے ''کالوں کا داخلہ منع اور نیگروز ممنوعہ ہیں،، کا بورڈ لگا دیتے۔ بسوں اور ٹرینوں میں جگہ خالی پڑی ہوتی مگر سیاہ فام کھڑے ہو کر سفر کرتے کیونکہ ان کے بیٹھنے کی نشستیں مخصوص ہوتیں لیکن سفید فام کے لئے سیاہ فاموں کو اپنی نشست بھی چھوڑ کر کھڑا ہونا پڑتا کہ یہی اندھیر نگری مروّج تھی۔ 1863 میں صدر ابراہام لنکن کے جاری کردہ وفاقی اور صدارتی فرمان کی رو سے تو سیاہ فام آزاد اور مساوی شہری قرار دیئے گئے تھے لیکن اس کا عملی اطلاق مکر، فریب اور حیلہ بہانہ سے متاخر کیا جاتا رہا۔ سفید فام مفادات، اکثریت کا غلبہ اور ہر ریاست میں ریاستی قانون سازی اس راہ میں مزاحم رہی۔

ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ نے اپنی اس تقریر میں امریکہ کے تاریخی حقائق، سیاہ فاموں کے خلاف نسلی امتیاز سے پیدا ہونے والے مصائب اور آزادی امریکہ میں

Marfat.com

کالوں کی قربانیوں کا ذکر ایسی دلسوزی و آزردگی سے کیا کہ جس نے امریکی تاریخ کا دھارا پلٹ دیا۔ امریکی آئین میں مہیا کردہ آزادی، انصاف اور انسانی حقوق کے حوالہ سے انہوں نے کہا کہ ہم واشنگٹن میں اپنے اس چیک کو کیش کرانے آئے ہیں، جو امریکی نسلوں کو، اس کا آئین بنانے والوں نے دستخط کر کے دے رکھا ہے کہ عندالطلب آزادی اور انصاف مہیا کیا جائے گا لیکن اس چیک کو کیش کرنے سے انکار پر امریکہ نادہندہ ہو چکا ہے لیکن ہم یہ ماننے پر تیار نہیں ہیں کہ امریکہ میں انصاف اور آزادی کا خزانہ خالی ہو چکا ہے۔ تاریخی حقائق کے پُر اثر بیان اور طنز و کنایہ سے یکا یک ان کی تقریر شاعرانہ ذکاوت اور تخلیق و تخیل کی آورد کے زیر اثر آ گئی اور لہجہ دل گیر ہو گیا، جب انہوں نے یہ کہا کہ میرا اک خواب ہے کہ ایک دن یہ قوم ضرور اٹھ کھڑی ہو گئی اور اپنے عقیدہ کے حقیقی مطالب پر غور کرے گی کہ تمام انسان برابر پیدا کیے گئے ہیں تو ان کے ساتھ ساتھ ڈھائی لاکھ سامعین بھی ''میرا اک خواب ہے،، با آواز بلند دہرانے لگے۔ اس کے بعد ڈاکٹر کنگ رکے نہیں، انہوں نے سیاہ فاموں کی محرومی اور دردِ دل کو فصاحت و بلاغت، شاعرانہ ذکاوت اور تخلیق و تخیل کی ایسی اوج اور لہر میں سمو دیا کہ جن لہروں کے سامنے کبھی بند نہیں باندھا جا سکا۔ وہ سامعین اور امریکی عوام کو اپنے ساتھ بہا کے لے گئے کہ:

میرا اک خواب ہے کہ ایک دن جارجیا کے سرخ پہاڑوں پر سابق غلاموں اور سابق آقاؤں کے بیٹے بھائی چارہ کی میز پر اکٹھے بیٹھے ہوں گے۔

میرا اک خواب ہے کہ ایک دن ریاست مس سی پی جو ناانصافی اور محرومی کی آگ سے مصائب زدہ ہے، انصاف اور آزادی کے نخلستان میں بدل جائے گی۔

میرا اک خواب ہے کہ ایک دن میرے چاروں بچے ایک ایسی قوم میں رہ رہے ہوں گے کہ جہاں وہ اپنی کھال کے رنگ سے نہیں بلکہ اپنے کردار کے عناصر سے پہچانے جائیں گے۔

میرا اک خواب ہے کہ ایک دن ریاست الابامہ میں سیاہ فام بچے اور بچیاں سفید فام

Marfat.com

بچوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بہن بھائیوں کی طرح ساتھ ساتھ چل سکیں گی۔

امریکی سیاہ فاموں کے عظیم رہنما ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ 15 جنوری 1929 کو، اٹلانٹا، ریاست جارجیا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1955 میں بوسٹن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر کنگ کا گھریلو ماحول مذہبی اور ان کے والد اور دادا چرچ میں پادری کے فرائض انجام دیتے تھے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹر کنگ اپنے والد کے چرچ میں ان کے نائب مقرر ہوئے اور وہیں خدمات انجام دینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ساؤدرن کرسچین لیڈرشپ کانفرنس سے بھی وابستہ ہو گئے، جو سیاہ فام امریکیوں کے لئے سول رائٹس کی تحریک چلا رہی تھی۔ 1953 میں ڈاکٹر کنگ کی شادی عبیدہ اور برنس سکاٹ کی صاحبزادی کوریٹا کنگ سے انجام پائی اور ان کے چار بچے پیدا ہوئے۔

اپنی سیاسی زندگی کی ابتدا ہی میں ڈاکٹر کنگ، گاندھی جی کے نظریہ عدم تشدد اور پرُ امن جدوجہد سے شدید متاثر ہوئے اور انہوں نے سیاہ فاموں کے حقوق کی جنگ لڑنے کے لئے عدم تشدد کے ہتھیار کو ہی آزمانے کا فیصلہ کیا۔ 1959 میں فلسفہ عدم تشدد کو پوری طرح سمجھ لینے اور برصغیر میں اس کے اثرات کا جائزہ لینے کی غرض سے انہوں نے انڈیا کا دورہ بھی کیا۔ انڈیا میں گاندھی جی کے پیروکاروں سے طویل ملاقاتوں اور بحث مباحثہ کے بعد جب وہ واپس امریکہ لوٹے تو انہوں نے نظریہ عدم تشدد سے زیادہ پر امن جدوجہد کا پرچار جاری رکھا۔ حصولِ مقاصد سے اخلاص اور منافقانہ اطوار سے پاک ہونے کے سبب ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ نے فلسفہ عدم تشدد کا، گاندھی جی سے کہیں زیادہ بہتر اور موثر استعمال کیا۔ حقیقتاً انہوں نے سیاہ فاموں کے حقوق کی جنگ اپنی ہتھیاروں سے لڑی بھی اور جیتی بھی۔ مذہب سے قریب ہونے کے باوجود ڈاکٹر کنگ نے فلسفہ عدم تشدد کے زور پر خود کو نہ کبھی اوتار ثابت کرنے کی کوشش کی، نہ آشرم سجائے، نہ دھونی رمائی، نہ پاکھنڈ مچایا، نہ

Marfat.com

پینترے بدلے، ان کی کامیابی کا راز اس یک سطری صداقت میں چھپا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغام کو سادہ، جدوجہد کو مرکوز اور مقاصد کو مختصر رکھا۔

سیاہ فاموں کے لئے مساوی حقوق، انصاف اور آزادی کی جدوجہد کا یہ سفر ڈاکٹر کنگ کے لئے اس قدر آسان نہیں تھا، جتنا کہ آج کے امریکہ کے حوالہ سے نظر آ سکتا ہے۔ ڈاکٹر کنگ کو اس کامیابی کے سفر میں تیس بار گرفتار کیا گیا اور وہ کئی بار پابند سلاسل ہوئے لیکن ان کی ابتلا کو احترام میں بدلتے دیر نہ لگی۔ 1960 کے عشرہ میں وہ نہ صرف سیاہ فام امریکیوں کے سب سے بڑے رہنما تھے بلکہ سفید فام امریکیوں، یورپی اقوام اور دنیا بھر میں حریت پسند تحریکوں کے ہر دلعزیز رہنما بن کر ابھرے۔ ڈاکٹر کنگ پر، دشنام کی جگہ تحسین اور سنگ زنی کی جگہ قیادت کی بلند قامتی اور احترام نے لے لی۔ 1963 میں ٹائم میگزین نے انہیں ''مین آف دی ائیر،، قرار دیا اور 1964 میں انہیں امن کا نوبل پرائز دیا گیا۔ ڈاکٹر کنگ کو جب یہ نوبل پرائز دیا گیا تو وہ صرف 35 برس کے تھے۔ یوں وہ امن کا نوبل انعام حاصل کرنے والے سب سے کم عمر شخص تھے۔

1960 اور 1970 کے عشروں میں عالمی سطح کے جن رہنماؤں کو نظریہ عدم تشدد کی پیروی میں ''چلڈرن آف گاندھی،، کہا گیا، ان میں ڈاکٹر کنگ ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں حالانکہ ان کے مقابل رہنماؤں میں تبت کے دلائی لامہ، پولینڈ کے لیچ ولیسا، امریکہ کی سیاہ فام خاتون راہنما روزہ پارکس، لیری کریمز اور جنوبی افریقہ کے بزمن ٹوٹو اور نیلسن منڈیلا جیسی بلند قامت شخصیات شامل ہیں۔

ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ کا انجام بھی گاندھی جی جیسا ہی ہوا، نظریہ عدم تشدد کے دونوں پرچارک تشدد کا ہی شکار ہوگئے۔ 4 اپریل 1968 کو ریاست ٹینیسی میں ایک ہوٹل کی بالکونی میں کھڑے ہوئے ڈاکٹر کنگ کو ایک سفید فام امریکی جیمز ارل رے، نے گولی مار کر قتل کر دیا، یوں اپنی ایک تقریر سے امریکی تاریخ کا دھارا موڑ دینے والا انسانیت کا یہ عظیم رہنما اپنے خواب کی تعبیر دیکھے بنا ہی اس جہان فانی سے

Marfat.com

محض 39 برس کی عمر میں ہی رخصت ہو گیا لیکن ڈاکٹر کنگ کا یہ قول عالمی انسانی ضمیر اور انصاف کی راہنمائی کرتا رہے گا کہ ''ناانصافی کہیں بھی ہو، انصاف کے لئے ہر جگہ خطرہ ہے،،

29 اگست

قیادت کا امریکی بحران

یوں تو صدارتی امیدواروں پر کسی نہ کسی طرف سے تنقید کا دروا اور طنز کا تیر بہ ہدف رہتا ہے مگر گورنر جارج بش نے اپنے کسی نہ کسی عمل سے کچھ مہربانوں کو ذرا زیادہ ہی خوفزدہ کر دیا ہے، لوگوں کے دلوں میں جارج بش کی انتہا پسندی نے دہشت بٹھا دی ہے، ان معترضین کی نظر میں گورنر جارج بش اگر صدر امریکہ منتخب ہو گئے تو یہ امریکہ کا بہت بڑا المیہ ہوگا۔ منی سوٹا کے ڈیموکریٹ سینیٹر پال سنون نے امریکی رائے دہندگان کو خبردار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر جارج بش کو منتخب کیا گیا تو امریکہ پر بیسویں صدی کئی صدیوں پر پھیل جائے گی اور وہ ہمیں اکیسویں صدی میں نہیں جانے دیں گے۔ مشہور ایکٹر ایلک بالڈون کہہ رہے ہیں کہ اگر جارج بش صدر امریکہ منتخب ہوئے تو عین ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے ملک میں ہجرت کر لیں۔ ماحولیاتی تحفظ کی مشہور تنظیم سیارا کلب کی طرف سے بھی گورنر جارج بش کے خلاف اس طرح کا تاثر دیا جا رہا ہے کہ وہ پورے امریکہ کو ٹاکسک ڈمپ میں بدل دیں گے۔

ایلٹن جان ایڈز فاؤنڈیشن کے سربراہ دھائی دے رہے ہیں کہ گورنر جارج بش امریکہ کو پتھر کے زمانے میں واپس لے جائیں گے۔ نیشنل ابارشن رائٹس ایکشن لیگ کو گورنر جارج بش سے یہ خطرہ درپیش ہے کہ وہ امریکہ میں اسقاطِ حمل کو غیر قانونی قرار دے دیں گے۔ اسی تنقید کے پس منظر میں اسقاط کی رسیا ہوئی بیبیوں کو گورنر جارج بش کے خلاف اکسانا بھی ہوسکتا ہے اور اسقاط کے بغیر، بہ صورت

Marfat.com

دیگر طریقہ ہائے مروّجہ، اسقاط جیسے نتائج پیدا کرنے پر بیبیوں کو آمادہ کرنا بھی۔

مختلف اداروں اور افراد کو گورنر جارج بش سے جس طرح کے اندیشہ ہائے دور دراز لاحق ہیں، اس کے پیشِ نظر تو وہ واقعی امریکہ کے حق میں جنرل ضیاء الحق ثابت ہو سکتے ہیں مماثلت میں نیک نیتی شامل ہے، ورنہ کہاں حق کی روشنی اور کہاں جارج بش، لیکن دوسری طرف بھی کچھ خیر کی خبر نہیں ہے۔ خوانخواستہ اگر نائب صدر الگور منتخب ہو گئے تو اسقاط پرست حلقے اور اسقاط پسند بیبیوں کے نہال بلکہ نونہال ہونے کے ساتھ ساتھ یہودیوں کے بھی پو، بارہ ہو جائیں گے۔ مدتِ دراز سے وہ بھی وائٹ ہاؤس پر دانت گاڑے بیٹھے ہیں۔ شکاگو ٹریبیون کے مشہور کالم نگار سٹیو چیپ مین کہتے ہیں کہ گورنر جارج بش اس طرح کے شدید انتہا پسند نہیں ہیں جیسا کہ لوگوں کی رائے ہے۔ لیکن گورنر جارج بش، رونالڈ ریگن کی طرح مذہبی رجحان میں قدامت پسند ہونے کے باوجود فہیم، تحمل مزاج اور معاملہ شناس ہرگز نہیں ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ تنقید و تائید رسمی و روایتی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ امریکہ میں بھی اصل بات اردو محاورہ سے ملتی جلتی ہی ہے کہ بڑوں کے نہ ہونے نے جارج بش اور الگور کو بھی بڑا بنا دیا ہے اور خیر سے ان میں سے ایک نہ ایک نے صدر امریکہ بن جانا ہے مگر اس منصب کا حقدار کم از کم ان دونوں میں سے تو کوئی بھی نہیں لگتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ سابق صدر رونالڈ ریگن (1988-1980) کے بعد صدر اور صدارتی امیدوار اس منصب پر جچے ہی نہیں یا اس کے اہل ہی نہیں تھے۔ امریکہ میں صدارتی امیدواروں کی اہلیت و صلاحیت کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا زیادہ قرینِ قیاس لگتا ہے کہ امریکہ بھی پچھلے 12 برسوں سے قیادت کے شدید بحران میں مبتلا ہے۔

28 ستمبر

موسمِ اشک شوئی

گو کہ مونیکا لیونسکی سے چھیڑ خانی کے نتیجہ میں صدر بل کلنٹن امریکی عوام اور

Marfat.com

مونیکا لیونسکی، ہر دونوں سے اپنے اعمال پر معافی مانگ چکے ہیں لیکن ان کے ضمیر پر ابھی تک کوئی نہ کوئی دباؤ موجود ہے کہ امریکی حکومتوں کے ہاتھوں ماضی میں جو ناانصافی افراد اور اقوام کے ساتھ روا رکھی گئی۔ اب اس پر بھی معذرت اور اشک شوئی کی جا رہی ہے۔ صدر کلنٹن کے بعد معافی تلافی کے اس کارِ خیر میں اب حکومتی حکام بھی شامل ہو رہے ہیں۔ امریکی سیاہ فاموں سے معافی اور جاپانی امریکن شہریوں سے معافی کے بعد معذرت کا روئے سخن اب امریکن انڈینیز کی طرف ہے۔ امریکی انڈین جو بالعموم ریڈ انڈین کہلائے جاتے تھے، ان لوگوں کا معاملہ گھمبیر اور حساس ہے۔ محض معذرت سے کام چلنا مشکل لگتا ہے۔

8 ستمبر کو فیڈرل بیورو آف انڈین افیئرز کے سربراہ کیون گوور نے بیورو کی 175 ویں سالگرہ کے موقع پر منعقدہ تقریب میں بیورو کی طرف سے ان تمام ناانصافیوں، زیادتیوں اور غیر انسانی افعال پر ریڈ انڈینیز سے معافی مانگ لی ہے، جو بیورو نے ان پر روا رکھے۔ کیون گورو جو خود بھی انڈین امریکن ہیں، اپنی تقریر کے دوران یہ کہتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے اور سامعین کو بھی رلا دیا کہ اب اس فیڈرل ایجنسی کی پالیسی کے تحت ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ انڈین امریکنز، کے مذہب، عقیدہ، زبان اور ثقافت کو نابود کرنے کی کوشش کی جائے، ان کے بچوں پر ظالمانہ سلوک روا رکھا جائے اور انہیں اپنی میراث پر شرمندگی اور کمتری کے احساس میں مبتلا کیا جائے۔ انڈین امریکنز میں متعدی اور جان لیوا بیماریاں پھیلائی جائیں یا زہریلی شراب کے ذریعہ ان کے دماغ اور جسم کو مفلوج کرنے کی کوشش کی جائے، بچوں اور عورتوں کا قتلِ عام ہو یا ان پر اپنی زبان بولنے، سیکھنے اور رسوم کی ادائیگی پر پابندی عائد ہو۔ انہوں نے یقین دلایا کہ یہ سب کچھ اب دوبارہ کبھی نہیں دہرایا جائے گا۔ غربت، بیماری، ناکامی اور لاپروائی کا جو ثمرہ اس فیڈرل ایجنسی کے کارنامہ کے طور پر سامنے آیا ہے، ہم اس پر شرمندہ ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ ایجنسی مستقبل میں کوئی ایسا غیر انسانی و غیر اخلاقی کام ہرگز نہیں کرے گی، جو ماضی میں یہاں ہوتا

Marfat.com

رہا ہے۔

فیڈرل بیورو آف انڈین افیئر ز کے زیر اہتمام، ریڈ انڈینز کی نسل کشی، ان کے بچوں کی ہلاکت، خواتین کا قتل عام، زمینوں سے بے دخلی اور ان کی زبان، ثقافت، عقیدہ اور میراث کو مٹانے کی کوشش امریکہ میں انسانی حقوق، انسانیت، آئین، قانون، آزادی اور انصاف کے امریکی منہ پر ایسا بدنما طمانچہ ہے کہ جس کا نقش گہرا اور چھاپ انمٹ ہے۔ انسانی تاریخ میں ایسے بدترین ظلم کی قریب ترین مثال سقوطِ مسلم ہسپانیہ کے وقت مسلمانوں کی نسل کشی کے سوا شاید ہی کوئی اور ہو۔ چشمِ فلک نے آشوبِ محشر کے جس قدر آشوب دیکھے ہیں، ان میں یہ دونوں واقعات انشاء اللہ اسے ضرور یاد رہیں گے۔

تاریخ کے محتاط اندازہ اور بیان کے مطابق قریب بیس ہزار سال پہلے کچھ ایشیائی لوگ خلیج بیرنگ کے یخ بستہ پانیوں سے جو ایشیاء اور شمالی امریکہ کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے، موجودہ الاسکا کے راستہ شمالی امریکہ میں آ کر آباد ہو گئے۔ شمالی امریکہ کا اس وقت برف، کہر اور یخ بستگی کی زد میں ہونے کی وجہ سے باقی دنیا سے ان لوگوں کا رابطہ ٹوٹ گیا اور انسانی تاریخ کے کینوس سے یہ لوگ معدوم ہو گئے۔ 1492 کے آخر میں جب کرسٹوفر کولمبس ہندوستان پہنچنے کی بجائے غلطی سے شمالی امریکہ میں جزائر غرب الہند (موجودہ جزائر باھاماس اور سان سالو یڈور) جا پہنچا تو اس گمشدہ ایشائی نسل کا تعلق باقی دنیا سے استوار ہو گیا لیکن ان لوگوں کو اپنی یافت، دریافت اور اُستواری تعلق کی بہت بھاری قیمت دینا پڑی۔

نئی دنیا کی دریافت کے ثبوت میں کرسٹوفر کولمبس نے سپین کی ملکہ ازابیلا اور بادشاہ فرڈی نینڈ کے دربار میں نئی دنیا سے لائی ہوئی جو سوغاتیں پیش کیں، ان میں کپاس، سونا، تمباکو، پرندے اور پودوں کے علاوہ وہ نو ریڈ انڈین افراد بھی شامل تھے، جنہیں کولمبس عیسائی بنانے کی غرض سے اپنے ساتھ اغوا کر لایا تھا۔ زبردستی، لاچارگی، تضحیک، تحقیر اور جبر کا جو، در ریڈ انڈینز پر ملکہ ازابیلا کے دربار میں وا ہوا

Marfat.com

تھا، وہ چھ صدیوں پر پھیل گیا۔ ریڈ انڈینز پر ''مہذب،، دنیا کا دروازہ تو کھل گیا مگر ان پر آزادی اور انصاف کا در بند ہوگیا۔ غیر عیسائیوں کو عیسائی بنانے، نسل کشی اور جبر و بربریت کا جو تازہ بتازہ تجربہ ملکہ ازابیلا اور فرڈی نینڈ کو اسپین میں مسلمانوں کی ابتلا سے حاصل ہوا تھا، اسی کا اطلاق ان ریڈ انڈینز پر بھی کیا گیا۔ ملکہ ازابیلا اور فرڈی نینڈ کی گردن پر سپین کے مسلمانوں کے خون کے ساتھ ساتھ ریڈ انڈینز کا خون بھی ہے۔ جس امریکہ کی اساس، سرشت اور دریافت پر بدنامِ زمانہ مسلمان دشمن ملکہ ازابیلا کی مالی مہر ثبت تھی، اس امریکہ سے مسلم دنیا کو جس قدر فیض بھی پہنچ سکتا تھا، وہ تو پہنچ ہی رہا ہے مگر اس فائدہ میں مسلمانوں کی روایتی لاعلمی و خوش فہمی کے ساتھ ساتھ ملکہ، ازابیلا کی اسلام دشمنی کا زہر بھی شامل ہے۔

1620 کے بعد جب مہذب یورپی اقوام نئی دریافت شدہ دنیا امریکہ میں وارد ہوئیں تو اس وقت یہاں دو کروڑ ریڈ انڈینز موجود تھے، یہ دو کروڑ اپنی نسل کشی کے ہاتھوں اب صرف 24 لاکھ رہ گئے ہیں۔ عالمی آبادی کی شرح افزائش کے مروّج فارمولہ کے حساب سے جن دو کروڑ کو پچھلے چار سو سالوں میں آج اپنی آبادی کا قریب دس سے بارہ گنا ہونا تھا، آج وہی نسل اپنی چار سو سال پہلے والی آبادی کا صرف آٹھواں حصہ رہ گئی ہے۔ یہ کیسے ہوا؟ یہ ظلم، بربریت اور جبر کی ایسی دردناک داستان ہے، جو انسانی تاریخ میں ہمیشہ سیاہ حاشیہ میں سرخ لہو سے لکھی جاتی رہے گی۔

کبھی کبھار ظلم اور ناانصافی ناپنے کے لئے انسانی آبادیوں کے گھٹتے بڑھتے اعداد و شمار پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے۔

سولہویں صدی کے آخر میں جب یورپی ملکوں سے طرح طرح کے جرائم پیشہ اور ہر طرح کے مفاد پرست امریکہ میں آباد ہونا شروع ہوئے تو مقامی آبادی سے مفادات کی جنگ ہونا لازمی تھی، یہ ہوئی اور خوب ہوئی لیکن سادہ لوح ریڈ انڈین اس میں مار کھا گئے۔

Marfat.com

سفید فاموں نے ان کا شکار شروع کر دیا اور ریڈ انڈینز نے چھپنا اور بھاگنا۔ جو شکار ہونے سے بچ جاتے، انہیں زرعی فارمز پر غیر انسانی مشقت کاٹنے پر لگا دیا جاتا۔ سفید فاموں کی ہوس اور ہتھیائی ہوئی زمینوں کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ جب جبری مشقت کاٹنے والے ریڈ انڈین کم پڑنے لگے تو یہ کمی افریقہ سے اغوا کر کے لائے جانے والے سیاہ فاموں سے پوری کی جانے لگی۔

ریڈ انڈین قبائل نے شروع میں تو سفید فام مداخلت کاروں اور حملہ آوروں سے مفاہمت کا رویہ اپنایا لیکن آباد کاروں کے روز افزوں بڑھتے ہوئے مفادات کے سامنے ریڈ انڈینز کی مفاہمت پسندی زیادہ دیر نہ چل سکی اور وہ یورپ سے آئی افتاد کا سامنا نہ کر سکے۔ اس افتاد میں قابضین کی شاطرانہ چالوں، سازشوں، مکروفریب، غیر انسانی سلوک کے علاوہ بارود، چیچک، لالچ اور تحریص کے علاوہ بھی ایسی بیماریاں شامل تھیں، جن سے مدافعت کے جرثومے ریڈ انڈین خون میں شامل ہی نہیں تھے، سو ریڈ انڈین ہر طرح سے مارے گئے، کچھ بندوق و بارود سے، کچھ چیچک سے اور کچھ دوسری بیماریوں سے، جو بچ گئے، وہ زرعی فارمز پر ڈھیر کیے گئے۔

1781 میں جب برطانوی افواج نے امریکی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور امریکہ وجود میں آیا، آئین تشکیل پایا اور وفاقی حکومت قائم ہوئی تو نوزائیدہ امریکی حکومت کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ ریڈ انڈینز ہی تھے، جو اپنے اپنے علاقوں میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے۔ وفاقی حکومت نے ریڈ انڈینز قبائل سے کئی معاہدے کیے لیکن آباد کاران معاہدوں کو کبھی خاطر میں نہ لائے اور اپنی خواہش کے مطابق ریڈ انڈینز کو ان کی زمینوں اور علاقوں سے بے دخل کر کے ان کی زمینوں پر قابض ہوتے چلے گئے۔ 1824 میں وفاقی حکومت نے ریڈ انڈین مسئلہ سے نمٹنے کے لئے بیورو آف انڈین افیئرز قائم کر دیا، لیکن یہ ایجنسی ریڈ انڈین مسئلہ کو سلجھانے کی بجائے بذاتِ خود ایک مسئلہ اور فریق بن گئی۔ اس ایجنسی کی 175 سالہ تاریخ میں ریڈ انڈین لوگوں پر جس قدر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، اس

Marfat.com

سے ایک طرف تو امریکی آئین کے اجلے حروف دھندلا گئے اور دوسری طرف آئین سازوں کے امن، انصاف، آزادی اور انسانی حقوق کے وعدہ پر شگاف پڑ گیا۔

1830 میں کانگریس نے ریڈ انڈین آبادی کو امریکہ کے شمال مشرقی علاقوں سے جنوبی مغرب کے غیر آباد علاقوں میں منتقل کر دینے کا اختیار صدرِ امریکہ کو تفویض کر دیا، صدر صاحب نے اس غیر فطری و غیر اخلاقی اختیار کو استعمال کرنے میں آنکھ بھی نہیں جھپکی، دریائے مس سی پی کے اس پار جبری منتقلی آبادی کے دوران ریڈ انڈین اپنی تاریخ کے سب سے بڑے المیہ سے دوچار ہوئے۔ منتقلی آبادی کے دوران ہزاروں ریڈ انڈینیز سردی، بھوک، افلاس اور سفر کی صعوبتوں سے مارے گئے۔ جس راستہ پر یہ بدنصیب منتقلی آبادی عمل میں آئی، امریکی تاریخ میں یہ ''آنسوؤں کی شاہراہ،، سے منسوب ہے کہ اس راستہ کا چپہ چپہ بے گناہ ریڈ انڈین لہو سے آلودہ اور آنسوؤں سے نم ہے۔ اس راستہ کے انچ، انچ پر بھوک سے بلکتے بچوں کے آنسو بکھرے ہیں۔

1871 میں کانگریس نے ایک اور ایکٹ منظور کیا۔ اس ایکٹ کے تحت ریڈ انڈین قبائل کی خود مختارانہ حیثیت اور مقامی حکومت پر پابندی عائد کر دی گئی، اس سے ریڈ انڈینیز کی آخری امید بھی دم توڑ گئی۔ اس ایکٹ کے وجود میں آتے ہی ریڈ انڈینیز، جو امریکہ میں 140 ملین ایکڑ زمین پر قانونی ملکیت رکھتے تھے، یک لخت بے زمین و بے دخل ہو گئے۔

اب امریکہ میں 24 لاکھ ریڈ انڈینیز رہ گئے ہیں اور ان کی واضح اکثریت حکومتی پناہ گاہوں میں اپنی زمین، میراث اور آزادی کے چھن جانے کے المیہ پر لب بستہ، مدہوش اور بہ حالت نوحہ گر، زندگی کا کشٹ کاٹ رہی ہے۔

9 ستمبر

Marfat.com

وائٹ واٹر، کالی زمین

صدر بل کلنٹن کے حلق میں جو وائٹ واٹر سیکنڈل کا کانٹا چبھا ہوا تھا، وہ بالآخر نکل گیا ہے۔ استغاثہ کے کونسلر رابرٹ رے نے سرکاری طور پر وائٹ واٹر کیس میں شہادتوں کی عدمِ دستیابی کے سبب صدر بل کلنٹن کے خلاف اس کیس کو بھی داخلِ دفتر کر دیا ہے۔ مقدمہ کے ختم ہوتے ہی نیویارک سے سینٹ کی امیدوار ہیلری کلنٹن کے رویہ میں واضح تبدیلی محسوس کی جارہی ہے وہ مدافعت سے جارحیت کی طرف اور صدر افسردگی سے مسکراہٹ کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ مسلسل چھ سال تک چلنے والے وائٹ واٹر کے مقدمہ کو سیاسی اور پیچیدہ مقدمہ کہا جا رہا ہے، جس پر 52 ملین خرچ ہوئے لیکن اس میں سے صدر بل کلنٹن کے خلاف کچھ بھی برآمد نہ ہو سکا۔ گو کہ اس مقدمہ میں صدر کے قریبی 14 ساتھیوں کو سزائیں ہو چکی ہیں، جن میں صدر کے سابق بزنس پارٹنر جم میک ڈوگل، ان کی اہلیہ سوزن، ارکنساس کے گورنر جم ٹکر اور وفاقی ایسوسی ایٹ اٹارنی جنرل ویبسٹر ہبل شامل ہیں۔

وائٹ واٹر کا سیدھا سادا فوجداری مقدمہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی مقدمہ میں بدل گیا۔ خصوصاً جب صدر بل کلنٹن پر دوسرے مقدمات کا گھیرا تنگ ہونے لگا تو استغاثہ کا یہ یقین بھی پختہ ہوتا گیا کہ وائٹ واٹر کے خچر رفتار مقدمہ کو سرپٹ دوڑانے سے وائٹ ہاؤس پر قانونی دباؤ کا حصار باندھا جا سکتا ہے۔ مقدمہ کی اصل جان استغاثہ کی ذاتی دلچسپی کے سوا کچھ بھی نہیں تھی۔ اس پیچیدہ اور پراسرار مقدمہ کے داخلِ دفتر ہو جانے پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ 52 ملین ڈالر کے زرِ کثیر مصارف کے باوجود اس گوہرِ مقصود پر کمند نہ ڈالی جا سکی کہ جس پر کمان داروں نے نرغہ باندھا ہوا تھا۔

1982 میں جب بل کلنٹن ارکنساس کے گورنر تھے، تو ان کے قریبی دوست جم میک ڈوگل اور ان کی اہلیہ نے وائٹ واٹر کے نام سے منسوب، کچھ زمین اونے

Marfat.com

پونے خرید کر رہائشی عمارتیں بنانے کے لئے منافع پر فروخت کر دیں لیکن وائٹ واٹر کی سیم زدہ اور ناکارہ زمین پر رہائشی عمارات بنانے کی اجازت نہ مل سکی۔ یوں وائٹ واٹر کریک کی کالی زمین پر سفیدی پھیرنے میں ناکامی ہوگئی، متاثرین نے مقدموں کا سماں باندھ دیا لیکن اس وقت مقدمات میں کسی کو سزا نہیں دی جاسکی۔ کہا جاتا ہے کہ جم میک ڈوگل اور سوزن گورنر بل کلنٹن کے قریبی ہونے کی وجہ سے محفوظ رہے۔ اس مفروضہ پر یہ ساری عمارت کھڑی کی گئی اور اس توقع پر اس مقدمہ میں سرمایہ کاری کی جاتی رہی کہ چونکہ میک ڈوگل گورنر بل کلنٹن کے قریب تھے تو عین ممکن ہے کہ گورنر ان کو سزا سے بچانے کا باعث بنے ہوں اور یہ بھی کہ گورنر کلنٹن اور مسز کلنٹن، میک ڈوگل کا بزنس پارٹنر ہونے کی وجہ سے زمین کی غیر شفاف سودے بازی میں بھی ملوث ہوں۔ لیکن سوزن میک ڈوگل نے صدر کے خلاف گواہی دینے سے انکار کر کے استغاثہ کے غبارہ سے ہوا ہی نکال دی ہے۔

21 ستمبر

آئیل ٹیم ۔۔۔۔ بزنس ٹکٹ

نائب صدر الگور، گورنر جارج بش اور رچرڈ ڈک چینی کو آئیل ٹیم کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ان کے ری پبلکن ٹکٹ کو بزنس ٹکٹ قرار دے رہے ہیں چونکہ ان دونوں حضرات کا تعلق آئیل انڈسٹری اور پٹرولیم بزنس سے ہے۔ نائب صدر الگور کے خیال میں یہ دونوں حضرات امریکی عوام کے مفادات پر آئیل انڈسٹری کے مفادات کو ترجیح دیں گے جبکہ امریکی عوام یہ سوچ رہے ہیں کہ کہیں الگور ان کے مفادات پر یہودی مفادات کو مسلط نہ کر دیں۔ ماحولیاتی تحفظ کی تنظیمیں اپنے تحفظ میں سرگرم ہیں۔ وہ گورنر جارج بش کو خطرہ سمجھتی ہیں جبکہ آزادی وحقوق اسلحہ کی لابی جارج بش پر صدقے واری ہو رہی ہے۔ سود خور اور کریڈٹ کارڈ انڈسٹری نائب صدر کی حمایت میں سرگرم ہے اور ماہرینِ اسقاطِ حمل اپنے دل اور اپنے کلینک میں

Marfat.com

نائب صدر الگور کی تصویر آویزاں کیے ہوئے ہیں۔

اندرخانہ دو ہزار سے زائد گروپ اپنے اپنے مفادات کی جنگ صدارتی انتخاب کے میدان میں لڑ رہے ہیں۔ اس ساری انتخابی چیخ پکار میں عام امریکی رائے دہندہ ان طاقتور گروپس کے مفادات کی جنگ میں کہیں کھو چکا ہے اور حیرانی، مجبوری اور لاعلمی سے دوچار ہے کہ یہ امیدوار حضرات کس کے مفادات کی بات کر رہے ہیں، وہ کونسے امریکی عوام ہیں، جن سے یہ مخاطب ہیں۔ مثلاً پچھلے 3 ماہ میں امریکہ میں پٹرول کی قیمتوں میں 40 سے 45 فیصد اضافہ ہوا ہے لیکن ہر موضوع پر لب کشائی کے باوجود اس موضوع پر سکوت طاری ہے۔ سی بی ٹی پر مباحثہ جاری ہے، اسقاطِ حمل پر مذہبی اور اخلاقی روشنی ڈالی جا رہی ہے، ٹیکس کم کرنے اور بڑھانے پر مذاکرہ لگا ہوا ہے اور کم سن حاملہ بچیوں (12 تا 16 سال) کی بہبود اور مزید حاملہ نہ ہونے کے اقدامات پر تجاویز دی جا رہی ہیں لیکن جس مسئلہ سے کم و بیش ہر امریکی شہری دوچار ہے اور پٹرول پمپ پر آویزاں قیمتوں کو پڑھتے ہی بڑبڑانے لگتا ہے۔ اس پر سب چپ ہیں۔

تین ماہ کی چپ اور سوچ بچار کے بعد بالآخر نائب صدر الگور نے صدر بل کلنٹن سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ تیل کے محفوظ ذخائر (جو ایمرجنسی کے لئے محفوظ ہیں) سے 5 لاکھ بیرل تیل مارکیٹ کے لئے دے دیں تاکہ تیل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں پر کچھ تو قابو پایا جا سکے، نائب صدر کے اس بیان پر تنقید، تجزیہ، دُشنام، ابہام، مطلب، مفہوم، تشریح اور تبصرہ کا دروازہ کھل گیا ہے مگر تیل کی قیمتیں نائب صدر کا بیان آتے ہی مزید 3 فیصد تک زیادہ ہو گئی ہیں۔ نائب صدر پر دُشنام کا پہلا تیر حسب توقع ری پبلکن کی جانب سے ہی آیا ہے کہ نائب صدر قومی ذخائر اور اثاثوں کو سیاست سے آلودہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، کوئی کہہ رہا ہے کہ اپنے ہی صدر سے مطالبہ کر کے نائب صدر الگور، صدر بل کلنٹن سے اپنی علیحدگی اور تنازعہ کو واضح کرنا چاہتے ہیں اور گورنر جارج بش کہہ رہے ہیں کہ انتخابات سے فوری پہلے

Marfat.com

تیل کی قیمتیں کم کرنے کے لئے قومی ذخائر کو استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

عام امریکی صارف اس لذتِ تقریر پر حیران ولب بستہ ہے کہ ایک ہی رات میں آخر اس سے کیا غلطی سرزد ہوگئی ہے کہ دو ڈالر فی گیلن پر اٹکی ہوئی قیمت صبح ہوتے ہی دو ڈالر سے تجاوز کر چکی ہے۔

22 ستمبر

تعلیم کو ماہرینِ تعلیم سے بچائیے

سنٹر فار گلوبل ٹریڈ ڈیویلپمنٹ (سی جی ٹی ڈی) اکنامکس ریسرچ کا ایک مشہور اور با اعتماد ادارہ ہے اور ان ممالک کے بارے میں ریسرچ رپورٹس تیار کرتا ہے، جہاں امریکن کمپنیز سرمایہ کاری کا ڈول ڈال رہی ہوں۔ کسی بھی ملک میں سرمایہ کاری کا فیصلہ کرنے سے پہلے متعلقہ ملک کی سیاسی، معاشی، تعلیمی، سماجی اور ماحولیاتی حیثیت اور حقائق کے بارے میں سی جی ٹی ڈی سے رپورٹ تیار کرائی جاتی ہے اور اس رپورٹ کے مندرجات پر کمپنی اس ملک میں سرمایہ کاری کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ سی جی ٹی ڈی پاکستان کے بارے میں بھی کئی ایگزیکٹو پول ریسرچ رپورٹس مختلف سرمایہ کار اداروں کے لئے تیار کر چکا ہے۔ ان رپورٹس کو مستند مانا جاتا ہے اور سی جی ٹی ڈی کا اعتبار قائم ہے۔ ان رپورٹس کے مندرجات کو جھٹلانا مشکل اور ان کی سفارشات کو نظر انداز کرنا امریکن بزنس ایگزیکٹوز کے لئے ناممکن ہوتا ہے۔ ان رپورٹس کو پڑھ لینے کے بعد یہ بات بآسانی سمجھ آجاتی ہے کہ پاکستانی حکومتوں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود پاکستان میں بیرونی سرمایہ کاری کی سطح مسلسل کیوں گرتی جا رہی ہے؟ زبانی، کلامی اور کاغذی سرمایہ کاری کے مرحلہ سے گزر کر جب حقیقی سرمایہ کاری کا وقت آتا ہے تو اس وقت تک بزنس ایگزیکٹوز سی جی ٹی ڈی کی رپورٹ پڑھ چکے ہوتے ہیں اور پاکستان بیرونی سرمایہ کاری کے ایک اور موقع سے محروم رہ جاتا ہے۔

Marfat.com

سی جی ٹی ڈی کی جو تازہ بتازہ رپورٹ ہمارے پیشِ نظر ہے۔ یوں تو اس میں تشویش کے ہزار پہلو ہیں لیکن ایک پہلو ایسا بھی ہے کہ جس سے ہمارے لئے پہلو تہی ممکن ہی نہیں ہے۔ رپورٹ میں ثابت کیا گیا ہے کہ پاکستان کی 131 ملین آبادی میں 100 ملین آبادی مکمل طور پر ناخواندہ ہے یعنی 76 فیصد آبادی تعلیم سے مکمل طور پر نابلد ہے۔ رپورٹ میں معاشرہ اور معیشت پر اس ناخواندگی کے اثرات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ ان اثرات میں پڑھے لکھے ہنرمندوں کے شدید فقدان کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے اور یہ تشویش بھی شامل رپورٹ ہے کہ سرمایہ کار کمپنی کو معیاری پاکستانی ہنرمند میسر نہیں آسکیں گے۔ بین الاقوامی اُفق پر بیسویں صدی کے آخری دو عشروں میں خواندہ کارکنوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا ہے، جس نے ناخواندہ کارکنوں کی جگہ لے لی ہے۔ کام کی نوعیت مشینی اور میکانکی ہو چکی ہے اور اس کے لئے خواندگی لازم ٹھہرا دی گئی ہے اور پاکستان میں کارکنوں کا یہی طبقہ ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ انتہائی محتاط اندازہ اور حسابی فارمولہ کے مطابق پاکستان میں فنکشنل لٹریسی دس فیصد سے زیادہ ہرگز نہیں ہے۔

پاکستان میں حکومتی ماہرین کے علاوہ ہر اس ذی شعور کو اس رپورٹ اور ان اعداد و شمار سے اتفاق کرنا پڑے گا کہ جو واجبی سا بھی علم اور شعور رکھتا ہو۔ اس صورتِ حال سے گریز اور فرار ممکن ہی نہیں ہے۔ سر چڑھ کر جادو کی طرح بولنے والے اعداد و شمار، پاکستان میں تعلیمی پسماندگی اور سو ملین ناخواندہ افراد کی موجودگی چیخ چیخ کر سچ کو الم نشرح کر رہی ہے تو ایسے میں دروغ گو تعلیمی ماہرین اور منصوبہ سازوں کا فریب، قیافہ شناسیاں اور تک بندیاں کہاں تک چل سکتی ہیں، آخر کس قدر جھوٹ بولا جا سکتا ہے، عوام کو مزید کس قدر فریب دیا جا سکتا ہے۔۔۔۔ آخر کوئی تو حد اس کی بھی ہوگی۔ حکومتِ پاکستان کے شرح خواندگی پر تازہ ترین دعویٰ کے مطابق ملک میں شرح خواندگی 42 فیصد تک جا پہنچی ہے جبکہ سی جی ٹی ڈی کی تحقیق کے مطابق یہ شرح 26 فیصد سے زیادہ ہرگز نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ اگر شرح

Marfat.com

خواندگی حکومتِ پاکستان کے مطابق 42 فیصد ہی ہے تو سی جی ٹی ڈی کو کیوں نظر نہیں آتی، اقوامِ متحدہ کے ورلڈ لٹریسی کمیشن کو کیوں نظر نہیں آتی اور سب سے بڑھ کر پاکستان کے عوام کو کیوں نظر نہیں آتی۔ 26 فیصد اور 42 فیصد کے درمیان اسقدر بڑے تضاد کو کس کے سر ڈالا جائے۔ ایک دو فیصد کا تضاد تو تحقیقی وشماریاتی طریقہ کے ڈھکنے سے ڈھانپا جاسکتا ہے مگر اسقدر بڑے تضاد کو چھپانے کے لئے ڈھکنا بھی تو بہت بڑا چاہیے۔

اقراء اور روشنی سکولوں کے زیرِ اہتمام تعلیمِ بالغاں پر اربوں روپیہ اجاڑ کر جنہیں اپنا نام لکھنا اور ووٹ کی پرچی پر نشان لگانا سکھایا گیا تھا، اگر حکومت نے خواندگی کے ان ملزموں سے اپنے اعداد وشمار سجائے ہوئے ہیں تو اس کا واقعی مطلب یہ نہیں ہے کہ شرح خواندگی 42 فیصد ہی ہے۔ اس سوال کا جواب دیا جانا چاہیے کہ آخر تعلیم کے میدان میں ہی ہم سب سے پسماندہ کیوں ہیں؟ نصف صدی میں کیا کیا جتن نہیں کر لئے گئے مگر ہماری خواندگی نہ بڑھ کے دی اور ہماری تعلیم کے نخل پر بار نہیں آنے دیا۔ جواب اس سوال کا سادہ بھی ہے اور سب جانتے بھی ہیں مگر کہتے نہیں ہیں، لیکن نہ کہنے یا نہ ماننے سے بھلا حقائق کبھی بدلے ہیں؟

یوں تو پاکستان کو روزِ اوّل سے ہی ہر شعبہ میں ایسے ایسے ماہرین میسر آگئے کہ جن کی کارگزاریوں نے بالآخر ملک کا دیوالیہ نکال کر رکھ دیا مگر تعلیم کے میدان میں ہماری بدقسمتی ہر دوسرے شعبہ سے بڑھ کر ثابت ہوئی۔ جو اور کچھ نہیں تھا، کم ازکم ماہرِ تعلیم تو تھا ہی، نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ جس نے فارسی میں ایم اے کرلیا، وہ بھی ہمارا ماہرِ تعلیم ٹھہرا، اور جو محکمہ تعلیم کی فائل کلرکی کاٹ کر ریٹائر ہوا، وہ بھی ہمارا ماہر تعلیم لگ گیا، جو حضرات باہر سے پڑھ لکھ کر آئے اور تعلیمی ماہرین کہلائے گئے، انہیں طبقاتی مفادات لے ڈوبے، سو تعلیم ہمارے ہاں ایسی دلربا بیسوا ثابت ہوئی کہ جو بھی اس کی طرف آیا، وہ حوب جانتا تھا کہ اسے کس طرح لوٹنا ہے اور اس لوٹ پر کوئی تعزیز مقرر نہیں ہے۔ نصف صدی میں جس قدر تعلیمی ماہرین ہمیں میسر آئے، اس سے

Marfat.com

اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے، چشمِ فلک نے ایسے ایسے اور اتنے سارے تعلیمی ماہرین بھلا کب اور کہاں دیکھے ہوں گے، ایک سے ایک بڑا ماہر، ایک سے بڑھ کر ایک، نہلہ پر دہلہ، ماہرین ہی ماہرین۔۔۔۔۔مگر اس مہارت کی یافت، ناکامی ہی ناکامی، خسارہ ہی خسارہ، کھرا خسارہ اور نری ناکامی۔ ان لوگوں کے ہاتھوں ہماری تعلیم کا جو حال، حلیہ اور حشر ہوا ہے، دنیا دیکھتی ہے، ہنستی ہے اور خوب ہنستی ہے۔ بلاشبہ ہماری تعلیم ان نام نہاد، پستہ قد جعلی ماہرین کی ڈسی ہوئی ہے۔ ہمیں اپنی تعلیمی حالت سدھارنے کے لئے ان مفاد پرست، بےعمل اور نحس تاثیر ماہرین سے تعلیم کو محفوظ رکھنا ہی ہوگا۔

آج کوئی بھی ایسا ہاتھ اور گردن نظر نہیں آتی کہ جس پر اس تعلیمی قتل کا خونِ ناحق نظر آتا ہو اور خوں بہا طلب کیا جاسکے۔ غالباً ماہرین کی اصل مہارت یہی تھی کہ قوم سے اس قدر بڑا ہاتھ کر لینے کے بعد بھی ان کے ہاتھ صاف ہیں۔ کوئی نہیں ہے کہ جس سے پوچھا جاسکے کہ تعلیم کے نام پر جو ظلم اور جہالت ہماری قوم پر روا رکھی گئی، اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس قدر بڑی ناکامی کا کتبہ کس کے مزار پر گاڑا جائے، اور جواب طلبی کا شکنجہ کس گردن پر کسا جائے؟

ہمارے آج کے معاشرتی مسائل کی بیشتر جڑیں اس ناقص اور طبقاتی طرزِ تعلیم سے پیوستہ ہیں، جو ہمارے تعلیمی ماہرین کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ دینی مدرسوں کے فارغ البال طلباء کی گھن گرج، دیدہ دلیری اور جاں نثاری کے پس منظر میں ان کی وہ محرومی بہ صورتِ انتقام، شعلہ بار ہے، جس کا تجربہ انہیں دینی مدرسوں میں کمتر وسائل، طبقاتی طرزِ تعلیم، تحقیر، تذلیل اور معاشرہ کی اجتماعی نظراندازی سے ہوا ہے۔ جو طالب علم ظہر سے عشاء تک کئی کئی قرآن ختم کرتے اور پتلی دال اور آلو گوشت کے لمبے شوربہ پر پھونکیں مارتے تھے، وہ اب معاشرہ سے اپنی محرومی اور زیادتی کا حساب مانگتے ہیں، اب انہیں چاہے دہشت گرد کہا جائے کہ مولوی شیر محمد، ڈاکو کہا جائے کہ انتہا پسند۔۔۔۔لیکن ظلم اور زیادتی کا جواب کبھی نہ کبھی تو دینا ہی

Marfat.com

پڑتا ہے۔ دوسری طرف انگلش میڈیم کی ٹھنڈی چھاؤں سے نکلنے والے بھی نالاں ہیں، وہ رعونت، احساسِ برتری اور ہماری مٹی و معاشرتی سائیکی سے بیگانہ رہ جانے پر مخلوط شبینہ، میل ملاپ، رقص و سرود، نیوائیر پارٹی، ہپی برتھ ڈے اور میوزک گروپس کی آڑ میں معاشرہ سے انتقام لینے پر تلے ہوئے ہیں۔

ریاست دونوں صورتوں میں اپنی تعلیمی ذمہ داری کو نبھانے میں ناکام رہی اور ماہرین نے دو انتہائیں پیدا کر دیں، جو درمیان میں رہ گئے، وہ نااہل نکلے، اتفاقیہ، بوٹی مافیا اور بے بہرہ، نہ دینی علم، نہ دنیوی علوم محض درخواست گزار، اخبار پڑھ، عرضی نویس اور بابو سمان۔

جنہیں دینی مدرسوں کی پراڈکٹ کہا جاتا ہے، وہ ٹھنڈی زمین پر بیٹھ کر کئی کئی قرآن ختم کرنے کی جبری مشقت کا ازالہ چاہتے ہیں۔ مساوی، معقول اور قابلِ قبول تعلیم سے محروم رکھے جانے پر آزردہ ہیں۔

جنہیں انگلش طرزِ تعلیم کی سوغات کہا جاتا ہے، وہ فقرہ فقرہ اردو کو انگریزی لفظ پر ختم کرتے ہیں۔ دوسروں کی زبان بولنے کے لیے پہلے اپنی سیکھنی ہی پڑتی ہے، لہذا جو کسی زبان پر بھی قادر نہ ہوں۔ وہ اس ملک کے یا کسی کے بھی بھلا کس کام کے؟ ناچوں کا منتہائے نظر لاس ویگاس، پیرس، بنکاک اور نیویارک تو ہوسکتا ہے مگر مکہ، کیسا بلانکا، قم، اکوڑہ خٹک اور رائے ونڈ ان کا سوادِ اعظم ہرگز نہیں ہے۔

ہمارے ہاں مختلف حکومتوں کی زیرِ نگرانی دس تعلیمی پالیسیز بن چکی ہیں مگر ان سب کا حشر ایک جیسا ہوا۔ سینکڑوں ایجوکیشنل کانفرنسز اور ہزار کوششیں بھی تعلیمی سدھار کے بارے میں کی جا چکی ہیں مگر ڈھاک میں چوتھا پات نہ لگنے دیا۔ ناکامیوں کی وجوہات کی تشریح خواہ جیسے بھی کر لی جائے مگر کرتا دھرتا، مشیر اور ماہرین کی نااہلی، بے حسی اور نیتوں کا کھوٹ، ناکامیوں کا بذاتِ خود سب سے بڑا جواز ہے۔ پالیسی سازوں کا مواخذہ اور احتساب کا نہ ہونا بھی ایک وجہ ہے۔ مواخذہ اور احتساب صرف اس بنیاد پر ہی نہیں ہونا چاہیے کہ کتنا مال اور پلاٹ

Marfat.com

بنائے گئے بلکہ جس شعبہ اور محکمہ کو جس کسی نے بھی اپنی غیر دانشمندانہ اور مفاد پرستانہ پالیسیز کے ذریعہ اور بدنیتی پر بھی احتساب کا رندا چلایا جا سکتا ہے۔ یوں بھی جس قوم کو عبدالحفیظ پیرزادہ، یاسین وٹو، امیر حیدر کاظمی، خورشید احمد شاہ اور غوث علی شاہ جیسے وزرائے تعلیم مل جائیں، وہاں موجودہ تعلیمی انحطاط پر کسی کو اچنبھا نہیں ہونا چاہیے۔

مارچ 1998 میں میاں نواز شریف حکومت کے اوتار جناب سیدنا حضرت غوث علی شاہ صاحب نے جب تعلیمی پالیسی کا اعلان فرمایا تو دعویٰ کیا کہ اگلے چند ہی برسوں میں ہماری شرح خواندگی 80 فیصد ہو جائے گی جبکہ ہوا یہ ہے کہ موجودہ شرح خواندگی 1998 کی شرح خواندگی سے بھی پیچھے چلی گئی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ غوث علی شاہ کو طیارہ کے اغوا ہی میں پرویا جائے، یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں 80 فیصد شرح خواندگی کے دروغ دعویٰ میں دھر لیا جائے، طیارہ کیس میں تو وہ صاف بچ جائیں گے مگر اس طرف نیت میں قصداً فتور، نااہلی کی جھونک اور ارتکاب عمداً فریب دہی و دروغ گوئی سے انشاءاللہ وہ نہیں بچ سکیں گے۔

یہ سوال انتہائی منطقی ہے کہ دس تعلیمی پالیسیز آ چکی ہیں جبکہ پہلی تعلیمی پالیسی جاری کردہ 1948 پر بھی ہنوز عمل درآمد نہیں کیا جا سکا ہے۔ جبکہ پہلی پالیسی ہی آج تک شرمندۂ تکمیل ہے تو بعد میں آنے والی پالیسز کی ضرورت اور جواز ہی کیا تھا۔ دراصل جن سفارشاتِ غیر فطری، ناممکن العمل اور غیر متعلقہ کو جوڑ جاڑ کر تعلیمی پالیسی کے نام سے پیش کیا جاتا ہے، وہ تعلیمی پالیسی سے زیادہ سٹرکچرل پالیسی، عماراتی منصوبہ بندی اور تعلیم کے انتظامی پہلوؤں پر مشتمل ہوتی ہے۔ مثلاً سالانہ 16 ہزار پرائمری سکول کھولے جائیں گے اور دس نئی یونیورسٹیز کی عمارات تعمیر کر دی جائیں گی۔ اس طرح کی حرکتوں سے تعلیمی معیار، پھیلاؤ، مسائل، گہرائی اور یافت کا کوئی تعلق ہرگز نہیں ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں تعلیمی پالیسی جن ایشوز پر اُستوار کی جاتی ہے، ان کا تعلق خالصتاً نصاب، یونیفارمٹی، معیار، اکیڈیمکس، یافت اور اس کے

Marfat.com

اثرات سے ہوتا ہے۔ سو ہمارے ہاں تعلیمی انتظامی منصوبہ بندی کی جن تجاویز کو تعلیمی پالیسی کہا جاتا ہے، اس کا تعلق تعلیم سے کم لیکن پی ڈبلیو ڈی اور ٹھیکیداروں سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی لئے تعلیم کے حقیقی مسائل نہ سامنے آتے ہیں، نہ آنے دیئے جاتے ہیں، نہ حل ہوتے ہیں۔

وزارتِ تعلیم پر نصف صدی سے اس وضاحت کا قرض واجب ہے کہ جب 1948 میں ہی وزیرِ تعلیم جناب فضل الرحمٰن صاحب نے پہلی تعلیمی پالیسی میں ہی یہ طے کر دیا تھا کہ بذریعہ لازمی پرائمری تعلیم اگلے بیس برسوں میں ناخواندگی ختم کر دی جائے گی تو نصف صدی بعد 1998 کی تعلیمی پالیسی میں بھی مژدۂ جاں فزا یہی تھا کہ لازمی پرائمری تعلیم کے زور پر ناخواندگی پر قابو پایا جائے گا۔۔۔۔ گویا نصف صدی بعد بھی ہماری تعلیم نقطہ آغاز سے آگے نہیں بڑھی ہے۔ یہ بات نہ نصف صدی پہلے سچ تھی، نہ آج سچ ہے، لازمی پرائمری تعلیم اگر ہماری ناخواندگی دور کر سکتی تو کر چکی ہوتی۔ اس سانحہ پر تین سال اوپر نصف صدی گزر چکی ہے مگر ہماری لازمی پرائمری تعلیم بھی وہیں ہے، ناخواندگی بھی وہیں ہے، ماہرین بھی وہیں ہیں اور تعلیم پالیسیز بھی وہی ہیں جبکہ آس پڑوس میں کمپیوٹر سافٹ ویئر کی سالانہ ایکسپورٹ 6 بلین ڈالر تک جا پہنچی ہے اور دور دراز میں مریخ پر کمند ڈالی جا چکی ہے اور ہمارے ماہرینِ تعلیم ہمیں ابھی تک لازمی پرائمری تعلیم کی خچر پر، سوار کرانے پر بضد ہیں۔

ہمیں یقینی خدشہ ہے کہ اگر دوسرے شعبوں کے نام نہاد ماہرین بچ بھی گئے، تب بھی عوام ان تعلیمی ماہرین کا، اگر زندہ ہیں تو نام نسب، حوالہ اور پتہ اور اگر مردار ہیں تو قبریں ضرور تلاش کر لیں گے کہ جنہوں نے ہمیں اس حال تک پہنچا دیا ہے۔ اِدھر ہماری یہ حالت ہے کہ جب بھی یہ خبر گرم ہوئی ہے کہ وطنِ عزیز میں نئی تعلیمی پالیسی بن رہی ہے، ہم اپنے طور پر سرگرم ہو جاتے ہیں اور وزارتِ تعلیم کے وزیر سے لے کر نائب قاصد تک سب کو اپنی تجاویز ارسال کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ

Marfat.com

مہربانی فرما کر زیرِ ترتیب تعلیمی پالیسی میں فدوی کی ان تجاویز پر بھی غور فرما لیا جائے لیکن ہم چونکہ ماہرِ تعلیم تو ہیں نہیں تو ہماری سفارشات کو بنا پڑھے ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر پاکستان میں شرح خواندگی میں اضافہ مطلوب ہے اور تعلیمی بگاڑ میں سدھار پیدا کرنا ہی ہے تو یہ اس وقت تک ممکن ہی نہیں ہے کہ جب تک ہماری تجویز کردہ سفارشات پر سو فیصد عمل درآمد نہیں کیا جاتا۔ ہر طرح کے انکل پچو نسخہ جات، طرح طرح کے ٹوٹکے اور عقل آرائیاں کر کے دیکھ لی گئی ہیں۔ ماہرین کی ساری مہارت اور دانشوروں کی دانش کا نتیجہ سو ملین ناخواندہ افراد کی موجودگی میں سب کے سامنے ہے، اب اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے کہ ان تجاویز پر بھی غور فرما لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہمیں مسلمان پیدا کر کے ہم پر مہربانی فرمائی، اسی طرح ہمیں ماہرِ تعلیم نہ بنا کر اور ملک کی خدمت سے محروم رکھ کر ایک اور مہربانی بھی کر دی، چونکہ وطنِ عزیز کے بگاڑ میں ماہرین، دانشوروں اور خدمت گزاروں کا ہی سب سے بڑا ہاتھ ہے۔۔۔۔۔

جہاں جھوٹے گواہوں سے چیف جسٹس تک، ٹاؤٹ اور اٹھائی گیروں سے صحافیوں تک اور آل پاکستان ہیجڑہ سوسائٹی کے صدر سے صدر انجمن سوداگراں تک سبھی پاکستان کی ''خدمت،، میں ہمہ وقت مصروف ہوں اور خدمات کا نتیجہ ایسا ہو کہ جیسا نظر آتا ہے تو ایسی صورتِ حال میں پاکستان کی ''خدمت،، نہ کرنا ہی اس کی بہترین خدمت ہے۔

الحمدللہ کہ ہم چونکہ پاکستان کی ''خدمت،، میں ملوث نہیں ہیں اور ماہر تعلیم بھی نہیں ہیں۔ سو ہم اپنی تجاویز بلا خوف وخطر واندیشہ سود وزیاں محمد خان جونیجو سے لے کر میاں نواز شریف کی آخری حکومت تک سب کو ارسال کرتے رہے ہیں، حالانکہ انجام جانتے تھے مگر پھر بھی قومی خدمت میں شامل ہو جانے کا چسکہ اور ناخواندگی کی مخالفت کا لپکا ہمیں اکسائے رکھتا ہے۔

Marfat.com

نئی تعلیمی پالیسی کی آمد آمد کے غلغلہ بار دنوں میں ہماری یہ تجاویز اخباروں میں تو شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن حکومتی ماہرین ان تجاویز کو یا تو بہ نظر دگر دیکھتے ہیں یا محض کن انکھیوں سے، واقعہ جو بھی ہو، اور وقت اور وسائل کا زیاں جیسے بھی کرلیا جائے لیکن شرح خواندگی میں اضافہ اور نظام تعلیم میں کسی مثبت تبدیلی کے لئے اب اور کوئی ایسا ناکام تجربہ نہیں رہ گیا ہے کہ جسے آزمانہ لیا گیا ہو، بجز اس کے، کہ ان تجاویز پر بھی غور فرمالیا جائے:

1۔ لازمی تعلیم کا قانون

پاکستان میں جب تک لازمی تعلیم کا قانون عمل میں نہیں آتا اور اس کا سختی سے نفاذ نہیں کیا جاتا، شرح خواندگی کم تو ہوسکتی ہے جیسا کہ ہو رہی ہے لیکن بڑھ نہیں سکتی، جیسا کہ نہیں بڑھ رہی۔ اس لازمی تعلیم کے قانون کو پرائمری سطح سے منسلک کرنے کی غلطی نہ کی جائے بلکہ لازمی ہائی سکول سے منسلک کر دیا جائے۔ اس قانون کے مانیٹرنگ سسٹم کو DECENTRALIZED کرکے تحصیل اور ڈسٹرکٹ کی سطح پر، ڈسٹرکٹ ایجوکیشن اتھارٹی کو اس کی ذمہ داری سونپ دی جائے۔ یہ اتھارٹی اپنی تحصیل اور ضلعوں میں پیدا ہونے والے بچوں کی لازمی تعلیم کے لئے رجسٹریشن کریں، ریکارڈ رکھیں، فالو اپ ہو اور منصوبہ بندی کریں کہ اگر ڈسٹرکٹ اٹک میں سن 2000 میں دس ہزار بچے پیدا ہوئے ہیں تو سن 2005 میں ان کے لئے کتنے سکول، کتنے اساتذہ اور کس قدر وسائل درکار ہوں گے؟ ہر بچہ کے لئے رہائشی وسکونتی بنیادوں پر سکول میں لازمی داخلہ اور نشست کو یقینی بنایا جائے اور ہائی سکول تک اس پراسس کی مانیٹرنگ جاری رکھی جائے۔ بلف، دروغ، دکھاوا اور خوش فہمیوں کی بات دوسری ہے لیکن شرح خواندگی میں اضافہ کے لئے اس کے سوا، اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا ہے۔

Marfat.com

2۔ یکساں میڈیم، نصاب اور معیار

پاکستان کو مزید توڑ پھوڑ، انتشار، شرپسندی اور افلاس سے بچانا مقصود ہے تو یک لخت طبقاتی نصابِ تعلیم اور جداگانہ طرزِ تعلیم پر خطِ تنسیخ کھینچنا لازمی اور اولین اقدام ہونا چاہیے۔ اس میں مزید تاخیر مزید قباحتوں کو تو جنم دے سکتی ہے، مگر ریاستی سرپرستی میں یہ انصافی کسی خیر کا منبع ہرگز نہیں ہے۔ دینی مدرسوں سے لے کر ایچی سن تک اور ٹاٹ والے سکولوں سے لے کر بیکن ہاؤس تک یکساں نصاب، یکساں معیار اور یکساں میڈیم رائج کیا جانا ضروری ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیمی بدعملی اور طبقاتی تقسیم نے معاشرہ میں دو انتہاؤں کو فروغ دیا ہے۔ ایک طرف فقرہ فقرہ انگریزی بولنے والے، رعونت زدہ، بے بہرہ اور ناچ پیدا ہوئے اور دوسری طرف طالب، مسکین، قربانی کی کھالوں پر نظر رکھنے والے، انتقام آمادہ اور نااہل۔ معاشرہ کے لئے دونوں ہی یکساں طور پر ناکارہ۔ ایک خود کو حاکم سمجھتے ہیں اور دوسرے محکومی سے انکار کر رہے ہیں۔

3۔ کوٹہ سسٹم کا خاتمہ

ہر طرح کی ایجوکیشن اور ملازمتوں میں میرٹ سسٹم رائج کر دینے سے، چور دروازہ سے مخصوص طبقہ کے نااہلوں کا آگے آنے کا راستہ بند ہوگا، مسابقت کو فروغ دینے سے مراعات یافتہ اور مراعات سے محروم، دونوں طبقوں کے لیے یکساں مواقع پیدا ہوں، جو خالصتاً میرٹ سے وابستہ کیے جائیں۔

4۔ کامیابی کا نقطہ مختتم

ہمارے نظامِ تعلیم میں ناکامی کی قیمت، اخراجات اور وسائل کا زیاں دنیا کے ہر ملک سے زیادہ ہے اور ہمیں اس کا ادراک تک نہیں ہے۔ دنیا بھر کے ممالک میں تعلیم پر خرچ ہونے والے سالانہ اخراجات کے مقابلے میں تعلیمی شعبہ سے جو پراڈکٹ، استعدادِ کار، افادیت اور اہلیت معاشرہ کو حاصل ہوتی ہے، اسے معاشی و

Marfat.com

مالیاتی پیمانہ سے ناپ کر نقطہ مختتم مقرر کرلیا جاتا ہے۔ اس کے لئے قومی اور بین الاقوامی معیار موجود ہیں۔ جب بھی تعلیمی شعبہ میں سالانہ اخراجات کے مقابلے میں سال بھر کی تعلیمی یافت اور حاصل کردہ افادیت غیر متوازن ہونے لگے تو اسے تعلیمی نظام میں رخنہ پڑ جانے اور خرابی در آنے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس بریک ایون پوائنٹ کو متوازن، قابلِ قبول اور قابو رکھنے کے لئے مختلف ماڈلز، فارمولے اور تزویراتی طریقہ کار کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس بہت ضروری نوعیت کے تجزیہ، توازن اور معاشرہ کو حاصل ہونے والی تعلیمی استعداد و صلاحیت کو تعلیمی اخراجات سے ہم آہنگ اور متوازن رکھنے میں ہمارے ماہرینِ تعلیم کبھی کامیاب نہ ہوسکے یا انہیں سرے سے اس کا ادراک ہی نہیں ہے۔ شاید اسی لئے آج تک ہمارے پاس کسی بھی سطح پر حاصل ہونے والی تعلیمی یافت کا کوئی مالی پیمانہ، کوئی حد مقرر و میسر نہیں ہے، سو جب حد ہی مقرر نہیں ہے تو اس کے غیر متوازن ہونے کا اندازہ ہی کیسے ہوسکتا ہے؟

ہمارے نظام تعلیم کا بدترین اور سب سے ہولناک پہلو ہی یہی ہے کہ تعلیم کے لئے جو انتہائی قلیل وسائل میسر ہیں، یونیورسٹی کی سطح پر، ان وسائل کا 85 فیصد ضائع ہو جاتا ہے۔ تعلیمی اخراجات اور کامیابی کے اس نقطہ مختتم کو سمجھنے کے لئے اس سادہ مثال سے کام لیا جاسکتا ہے کہ اگر گورنمنٹ کالج سرگودھا سے سو طلبہ یونیورسٹی کے امتحان میں شریک ہوئے، 15 کامیاب ہوگئے، 85 ناکام رہے۔ اس کالج کے سالانہ اخراجات دو کروڑ روپے ہیں یعنی دو کروڑ میں 15 بیچلرز ڈگری ہولڈر میسر آئے۔ اس طرح ہمیں ایک بی اے پاس تیرہ لاکھ سے زیادہ میں پڑ رہا ہے۔ اگر انہی سو طلباء میں کامیاب ہو جانے والے اس کے برعکس یعنی 85 ہوتے تو یہی بی اے پاس ہمیں دو لاکھ 35 ہزار میں پڑتا۔ یونیورسٹی کے امتحانات میں کامیابی کی شرح 20 فیصد سے زیادہ نہیں ہے، یوں صرف مالیاتی خسارہ ہی نہیں ہو رہا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ناکام رہ جانے والوں کے 2 سال بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ اب

Marfat.com

چونکہ ناکام ہو جانے والوں کی شرح کامیاب ہونے والوں سے کئی گناہ زیادہ ہے اور اخراجات مساوی طور پر ناکام رہ جانے والوں پر اسی قدر ہوئے سو، سالانہ اخراجات کا کثیر حصہ ناکامی کی نذر ہوگیا، ضائع ہوگیا۔ اب اس تعلیمی یافت کے معیار، افادیت اور اخراجات کا نقطہ مختتم کے حوالہ سے جائزہ لیا جائے تو اس سوال کا جواب دینا پڑے گا کہ تیرہ لاکھ روپے میں حاصل کردہ گریجویٹ کی معاشرہ کے لئے کیا افادیت ہے؟ یہ سوسائٹی کے لیے کس قدر مفید ہے۔ کیا اس فرد کی تعلیمی استعداد کار تیرہ لاکھ روپے کے عوض مہنگی تو نہیں ہے؟ یہ فرد معاشرہ کو کس قدر لوٹا سکتا ہے، معاشرہ کو کیا دے سکتا ہے؟

غالبًا کچھ بھی نہیں

بدقسمتی سے اس گریجویٹ کی تعلیمی استعداد اور علمی صلاحیت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ یہ فرد شناختی کارڈ کے فارم بھر سکے اور ملازمتوں کے اشتہار پڑھ سکے۔ یہ بات ہمارے وارے میں ہے ہی نہیں کہ تیرہ لاکھ کے عوض اس طرح کی محدود صلاحیت والے خواندہ افراد معاشرہ پر مسلط کرتے چلے جائیں۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمیں گریجویٹ تو چاہیے مگر اس طرح کا اور اس قیمت پر نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عمومی سطح پر عموماً اور یونیورسٹی کی سطح پر خصوصاً ناکامی کی شرح کو کنٹرول کیا جائے۔ ضائع ہو جانے والے سالانہ وسائل کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ ہمیں کامیابی اور اخراجات کے نقطہ مختتم کو متوازن بنانا ہوگا۔ ہم اس لحاظ سے دنیا بھر کے ممالک کی فہرست میں بہت نیچے ہیں کہ جہاں یونیورسٹی لیول پر طلبہ کی کامیابی کی شرح ایک چوتھائی سے بھی کم ہے اور علمی استعداد، یافت کے حوالہ سے اس سے بھی کم ہے۔

5۔ تعلیمی دورانیہ

انگریزوں نے برصغیر میں جس طرح کی تعلیم کو فروغ دیا، وہ ان کے مفادات

Marfat.com

اور ہندوستان کی غلامانہ نوآبادی حیثیت کے عین مطابق تھی مگر جب انگریز چلے گئے تو اس سرزمین کو ان سے بھی بڑے انگریز مل گئے۔ انگریزوں کی عطا کردہ جن قباحتوں کو ہمارے تعلیمی ماہرین نے آج تک اپنے ماتھے کا جھومر بنا رکھا ہے، اس میں صرف ہمارے ماہرین کی مادری زبان انگریزی کا تحفظ ہی شامل نہیں ہے بلکہ اس میں سکول اور یونیورسٹی کی سطح پر تعلیمی مدت کا ناقابل قبول، ناقص اور کمتر دورانیہ بھی شامل ہے۔ انگریزوں نے اپنی جس بھی مجبوری و مصلحت کے تحت برصغیر میں ہائی سکول کی تعلیم کا دورانیہ 10 سال اور یونیورسٹی کی سطح پر بیچلرز ڈگری کے لئے 2 سال کا عرصہ مقرر کیا تھا، اس میں نصف صدی سے بال برابر بھی تریڑ نہیں آئی ہے جبکہ عام تعلیمی نظام میں ہائی سکول کا اکیڈیمک پیریڈ 12 سال اور بیچلرز ڈگری کے لئے 4 سال مقرر ہے۔ اس طرح ہم نے دونوں میدانوں میں اپنے شاہینوں اور بلند پروازوں کے بال اور پر باندھ رکھے ہیں۔

بین الاقوامی معیار سے ہمارا ہائی سکول گریجویٹ دنیا بھر کے ہائی سکول گریجویٹس سے دو سال کم پڑھا لکھا ہے اور اسی بے عملی کے نتیجہ میں ہماری یونیورسٹی گریجویٹ (بی اے/بی ایس سی) بھی دو سال پیچھے رہ جاتا ہے۔ انٹرمیڈیٹ جو حقیقتاً ہائی سکول کا حصہ ہے، ہر جگہ ہائی سکول ہی کا حصہ ہے اور انٹرمیڈیٹ کا اپنا علیحدہ وجود رائج نہیں ہے۔ جاپان سے سعودی عرب اور کینیڈا سے سنگاپور تک یہی معیار مروّج ہے۔ ہمارے ہاں ہائی سکول کے آخری دو سالوں (ایف۔اے) کو ہائی سکول سے علیحدہ کر کے اور کالج سے جوڑ کر تعلیم پر اور مدتِ تعلیم پر بہت بڑا ظلم کیا گیا، جس کی تلافی ہی ہونے میں نہیں آئی ہے۔ تمام کالجز سے انٹرمیڈیٹ کلاسز کو علیحدہ کر کے ہائی سکول کا حصہ بنا دیا جائے، اس طرح ہائی سکول گریجویشن کا دورانیہ بھی بارہ سال ہو جائے گا اور کالجز سے 60 تا 70 فیصد دباؤ بھی کم ہو جائے گا جو کہ انٹرمیڈیٹ کے طلباء کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ ہائی سکول کی مدتِ تکمیل میں دو سال کے اضافہ کے ساتھ ساتھ بیچلرز ڈگری کے لئے موجودہ دو سالہ مدت بڑھا کر چار

Marfat.com

سال کر دی جائے۔ اس طرح ہماری یونیورسٹی گریجویٹس کا سکولنگ پیریڈ 16 سال ہو جائے گا جو کہ بین الاقوامی معیار کے عین مطابق بھی ہوگا اور معاشرہ کو مثبت اور بہتر تعلیمی استعداد کار میسر آ سکے گی۔

6۔ تعلیمی بجٹ

سالانہ تعلیمی بجٹ میں ترجیحی بنیادوں پر اضافہ کی فوری اور اشد ضرورت ہے۔ دو فیصد سالانہ کے بجٹ سے سو ملین ناخواندہ افراد کے ساتھ اکیسویں صدی میں داخل ہونا خطرناک اور تکلیف دہ عمل ہے۔ تعلیمی بجٹ میں اضافہ کی وجوہات صرف تعلیمی ہی نہیں، معاشرتی بھی ہے۔ ہماری قوم کا اکثریتی حصہ (52 فیصد) نابالغوں پر مشتمل ہے۔ آبادی کے 52 فیصد حصہ کی بہبود کے لئے صرف دو فیصد بجٹ۔ یہ مذاق نہیں بلکہ بے حسی اور ظلم کے زمرہ میں آتا ہے۔ تعلیم کی مخالفت اور خواندگی کے خلاف کینہ پروری کے جذبات اپنی جگہ مگر جو قوم اپنے بچوں پر سرمایہ کاری سے ہاتھ کھینچ لے، اس زمین پر منافرت کے ساتھ ساتھ ذاتی اور گروہی مفادات بھی خوب پروان چڑھتے ہیں۔ اگر تعلیم کے نام پر بجٹ میں اضافہ جاگیردارانہ پارلیمنٹ پر بار گزرتا ہے تو آبادی کی بنیاد پر اس اضافہ کو تسلیم کر لیا جائے، پر دونوں صورتوں میں اضافہ کی ٹھوس وجوہات موجود ہیں۔

7۔ نیشنل ٹیسٹنگ اتھارٹی

بوٹی مافیا، شارٹ کٹ، دھاندلی اور تعلیم کی خرید و فروخت کو روکنا بہت ضروری ہے اور اسے امتحانی مراکز پر چھاپہ مارنے اور ممتحن حضرات کی نیک نامی اور صوابدید پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ہر اگلی تعلیمی سطح پر داخلہ کے لئے نیشنل ٹیسٹنگ اتھارٹی کا امتحان پاس کرنا، لازمی قرار دیا جائے اور ملازمتوں کے حصول میں بھی اس امتحان کی کارکردگی کو میرٹ کا حصہ بنایا جائے۔ اس سے دودھ اور پانی کی علیحدگی کے علاوہ ہماری درس گاہوں کی جاری کردہ اسناد کا اعتبار بھی بڑھے گا اور بحال بھی

Marfat.com

ہوگا۔ قومی سطح پر ایک خود مختار ٹیسٹنگ اتھارٹی کا قیام عمل میں لانا ہی ہوگا۔ جو ہر سطح اور ہر طرح کی ایجوکیشن کے حامل افراد کی مطلوبہ معیار کے مطابق STANDARIZE TEXTING کر کے تصدیق نامہ جاری کر سکے

8۔ نصاب کا عمودی اور افقی پھیلاؤ

دنیا کے سکڑنے اور گلوبل ویلج میں بدل جانے سے بین الاقوامی مسابقت میں بھی زبردست اضافہ ہوا ہے اور روز بروز مسابقت کا گھیرا تنگ ہوتا جارہا ہے۔ ساری دنیا کے تعلیمی میدان میں اکیڈیمک یونیفارمٹی بڑھ رہی ہے۔ ہم بین الاقوامی اکیڈیمک یونیفارمٹی سے تو نہ جانے کس فاصلہ پر ہیں، ہماری تو ایک ہی شہر میں دو یکساں درس گاہوں کی تعلیم، نصاب اور معیار میں یونیفارمٹی نہیں ہے۔ عالمی تعلیمی معیار سے ہم آہنگی کے لئے ہمیں VERTICAL EXPANSION کے حوالہ سے نصاب میں گہرائی، COMPLEXITY LEVEL اور تنوع پیدا کرنا ہوگا اور HORIZONTAL EXPANSION کے لئے ہر سطح پر مزید مضامین اور کورسز شامل کرنا ہوں گے۔

ہمارے ہاں دو سال میں تین مضامین پڑھا کر بیچلرز کی جو ڈگری دے دی جاتی ہے، اسی ڈگری کے لئے عام مطلوبہ معیار چار سال اور 35 تا 42 مضامین پاس کر لینے سے مشروط ہے۔ میدان مسابقت کا ہو یا تعلیمی استعداد کار کا، دو سال اور تین مضامین والے، چار سال اور اوسطاً چالیس مضامین والوں سے تعلیمی میدان میں بھی، میدانِ جہاد کی طرح بے تیغ ہی لڑیں تو شاید لڑ لیں ورنہ یہ جوڑ کسی صورت بھی برابر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ڈگری کے حصول میں یہ کمتر دورانیہ اور کم مضامین اگر سہواً مروّج ہیں تو قابلِ مذمت ہیں اور اگر قصداً ایسا کیا گیا ہے تو قابلِ نفرین اور ناقابلِ تلافی ہے۔ ماہرینِ تعلیم کی اس بدعملی نے ہماری درس گاہوں کی جاری کردہ ڈگریز کو مشکوک، سوالیہ اور SUBSTANDARD بنا رکھا ہے۔

Marfat.com

9۔ شرحِ خواندگی ہی نہیں، معیارِ خواندگی بھی

حکومتی ماہرین کا سارا زور شرحِ خواندگی بڑھانے تک ہے، مگر معیارِ خواندگی کے بارے میں سب خاموش ہیں۔ شرحِ خواندگی کو ناپنے کا معیاری پیمانہ سرے سے متعارف اور مروّج ہی نہیں کرایا گیا۔ جس شرحِ خواندگی کو اربوں روپے کے عوض حاصل کیا جارہا ہے، اس کی یافت محض نام لکھ لینے اور ووٹ کی پرچی پر کسی جانور، جوتی، موم بتی اور ترازو پر نشان لگا دینے تک محدود ہے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ اس طرح کی خواندگی ہمارے معاشرہ کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں ہے۔ نشان لگانے کے ساتھ ساتھ نشان زدہ کے بارے میں یہ جاننا اور سوچنا بھی ضروری ہے کہ وہ سماج اور معاشرہ کے لئے مفید ہے یا ڈاکوؤں کے لئے۔ وہ اغواء برائے تاوان میں زیادہ کارآمد ہے یا سماجی بہبود کے کاموں میں۔ ہم لازمی پرائمری تعلیم کے جس بوسیدہ نسخہ پر عمل پیرا ہیں، اس سے معیارِ خواندگی میں اضافہ ممکن ہی نہیں ہے۔ پرائمری کی سطح پر کسی معیار کو قائم رکھنا ہمارے تعلیمی ڈھانچہ کے اختیار میں نہیں ہے۔

30 ستمبر

خلائی ٹورازم

انٹرنیشنل سپیس یونیورسٹی کے زیرِاہتمام شائع ہونے والی مطالعاتی رپورٹ پر امریکی میڈیا، ٹورازم انڈسٹری اور کاروباری حلقوں میں جوش وخروش پھیل رہا ہے۔ سپیس یونیورسٹی نے طویل تحقیق اور مطالعہ کے بعد مستقبل قریب میں خلائی ٹورازم کے حوالہ سے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ وقت آ گیا ہے کہ خلائی ٹورازم کے منصوبوں میں سرمایہ کاری شروع کر دی جائے اور خلائی دنیا کی پُراسراریت کو سائنس فکشن کے حصار سے نکال کر عملی دنیا کے نئے روشن اُفق کے طور پر متعارف کرایا جائے۔ رپورٹ میں ٹورازم کے کئی ممکنہ اور اوّلین منصوبوں کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔ ٹورازم کی یہ نئی دنیا زمین کے نچلے مدار، چاند اور مریخ پر وجود میں لائی جائے

Marfat.com

گی۔ مجوزہ منصوبوں میں ہوٹل، قیام گاہیں، کانفرنس ہال، ہائیکنگ کلب، مریخ پر کوہ پیمائی کی سہولیات اور تربیتی ادارہ اور کار ریسنگ ٹریک کی تعمیر شامل ہے۔

یونیورسٹی کے صدر کارل ڈوئنٹش نے کہا ہے کہ ان تمام منصوبوں کی راہ میں فنی، قانونی اور مالیاتی رکاوٹیں حائل ہیں لیکن یہ رکاوٹیں دور کی جارہی ہیں اور یہ تمام منصوبے ممکن العمل ہیں اور بہت جلد شروع کیے جاسکتے ہیں۔ خلائی ٹورازم انڈسٹری میں امکانات کا ایک عالم آباد ہے، یہ عالم آباد ہوگا اور ضرور ہوگا۔

سپیس ٹورسٹس کے لئے مختلف تفریحی مشاغل ترتیب دینے کے لئے یونیورسٹی کی ایک مطالعاتی و تحقیقی ٹیم ہمہ وقت مصروف ہے اور فری فلوٹنگ، مائیکروگریوٹی سپورٹس، بے وزنی اور عدمِ دباؤ کی کیفیت میں نشانہ بازی جیسے تفریحی مشاغل کی تفصیلات طے کرلی گئی ہیں۔ سرمایہ کاری کے کئی بڑے ادارے خلائی ٹورازم میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ ایک ہزار سے زائد افراد خلائی سفر کے لئے نشستیں مخصوص کروا چکے ہیں۔ فی الحال اٹھانوے ہزار ڈالر میں بکنگ کی جارہی ہے مگر قوی امید ہے کہ جوش وخروش کا ریلا گزرتے ہی اخراجات میں کمی واقع ہوگی اور شرح کرایہ کا زور ٹوٹے گا۔

ہم اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے کے امکانات کو اپنی خواہشوں کے مخصوص لالچی رجحان اور تنگ دستی کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو تفریحی مشاغل کے برعکس ہماری نظر، ضمیر جعفری مرحوم کی نظم کے مطابق چائے کے کھوکھے اور کارنر پلاٹ پر ہی ٹھہرتی ہے۔

ذہن میں لے کرنئی دنیا کے امکانات کو
اک میرے مہربان کہنے لگے کل رات کو
ہوا اگر اک چائے کا اسٹال برنوک ہلال
میری رائے میں تو رش لے گا بہت، نکلے گا مال
ابتدا میں ایشیاء کے لوگ ہوں گے خال خال

Marfat.com

کم گلے کی اس لیے مشرق کے مسکینوں کی دال
چاند کے مرکز میں قطعہ جات جب ہوں گے الاٹ
مجھ کو قسطوں پر دلا دیں، اک ستھرا سا پلاٹ
(سید ضمیر جعفری)

18 اکتوبر

ارشمیدس کی نایاب تحریر

والٹرز آرٹ گیلری بالٹی موریکا یک دنیا بھر کے علمی و تحقیقی حلقوں کی توجہ کا مرکز بن گئی ہے۔ علومِ آثارِ قدیمہ کے ماہرین سے لے کر کمپیوٹر کے ماہرین تک، ہر طرف ارشمیدس کی اس تحریر پر گفتگو جاری ہے، جو آٹھ صدیوں سے معمہ بن رہی ہے۔ اب یہ کتاب والٹرز آرٹ گیلری کے قبضہ میں ہے، جہاں مختلف شعبوں کے ماہرین، سائنسدان اور محقق تحریر کی بازیافت میں مصروف عمل ہیں۔ دیکھنے میں پرانی، بوسیدہ اور اطراف سے جلی ہوئی کتاب جو بکری کی کھال کے چند صفحوں پر مشتمل ہے، دو ملین ڈالر میں خریدی گئی ہے۔ ایک طرف اس کتاب کی تاریخ اور بازیافت حیران کن حد تک دلچسپ ہے اور دوسری طرف کتاب کی حیثیت اپنے مصنف کے حوالہ سے نایاب اور منفرد ہے۔

مشہور فلاسفر، ریاضی دان اور سائنسدان ارشمیدس 287 قبل مسیح میں سسلی کے مشرقی ساحل پر سارا کیوز میں مشہور ماہرِ فلکیات فادیوس کے ہاں پیدا ہوا، اور 212 قبل مسیح میں رومن سپاہیوں کے حملہ کے دوران مارا گیا۔ ارشمیدس نے کششِ ثقل کے مرکز، لاء آف لیور، جیومیٹری کے بنیادی اصول اور پانی میں اشیاء کے اصول اوزان پر قابلِ قدر کام کیا اور اپنے سائنسی نظریاتی کو ''میتھڈ آف مکینیکل تھیورم،، میں قلمبند کیا۔ رومن سپاہیوں کی لوٹ مار سے ارشمیدس کا تخلیقی سرمایہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، لیکن کسی نہ کسی طرح دسویں صدی میں ارشمیدس کی میتھڈ

Marfat.com

آف مکینیکل تھیورم دریافت ہوئی اور اسے لفظ بہ لفظ نقل کر کے محفوظ کرلیا گیا۔ اس کے بعد اصل نسخہ تو ہمیشہ کے لئے غائب ہوگیا مگر یہ نقل بہ مطابق اصل دو سو سال تک مشرقِ وسطی کے علمی حلقوں میں موجود رہی۔ بارہویں صدی کے آخر میں یہ نقل فلسطین میں کسی عیسائی پادری کے ہاتھ لگ گئی، جس نے کھال کے بنے بڑے بڑے صفحات کو کاٹ کر چھوٹا کیا، ان کی جلد بندی کی اور اصل عبارت کو مٹا کر اس کے اوپر دوسری سیاہی سے بائبل کی مناجاتی دعائیں لکھ دیں۔ یہ مناجاتی کتاب اٹھارہویں صدی تک فلسطین میں ایک عیسائی خانقاہ میں موجود رہی۔ انیسویں صدی میں اسے یروشلم کی ایک لائبریری میں منتقل کر دیا گیا، وہاں سے یہ کتاب استنبول کے مرکزی گرجا گھر لائی گئی، جو 1922 تک وہاں موجود رہی پھر اچانک غائب ہوگئی۔ 1950 کے عشرہ میں یہ کتاب نامعلوم وجہ سے ایک فرنچ فیملی کی ملکیت میں آ گئی اور 1998 میں نوادرات کے ایک شائق نے یہ کتاب نیلامی میں دو ملین ڈالر کے عوض حاصل کرلی اور کتاب کی اصل عبارت کی بازیافت کے سلسلہ میں والٹرز آرٹ گیلری سے رجوع کیا۔ یوں یہ کتاب یکدم توجہ کا مرکز بن گئی ہے۔

اب اصل مسئلہ میتھڈ آف مکینیکل تھیورم کی معدوم اور مٹائی ہوئی عبارت کو بائبل کی مناجاتی دعاؤں کے غلبہ سے بازیافت کرانا اور اُجاگر کرنے سے ہے۔ والٹرز آرٹ گیلری میں مختلف شعبوں کے ماہرین اور سائنسدان ڈیجیٹل سکینر اور الٹرا وائلٹ شعاعوں کے ذریعہ مٹائی گئی عبارت اور کھال پر رہ جانے والے اصل عبارت کے نشانات کو ابھار کر ارشمیدس کی تحریر کو پڑھنے میں سرگرمی سے مصروف ہیں۔ ایک صفحہ پڑھ لیا گیا ہے، جس پر اُفقی رخ میں کچھ ڈایاگرام اور اشکال ظاہر ہوئی ہیں۔

21 اکتوبر

ادب کا نوبل پرائز۔۔۔۔2000

سن 2000 کا ادبی نوبل پرائز چین کے جلا وطن مصنف گاؤسنگ جیان کو

Marfat.com

دینے کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ سویڈش اکیڈمی کے اس اعلان کا امریکہ کے ادبی حلقوں اور میڈیا نے غیر معمولی طور پر خیر مقدم کیا ہے۔ ساٹھ سالہ ناول نگار اور ڈرامہ نویس گاؤں سنگ جیان 1987 سے فرانس میں جلا وطنی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ گو کہ گاؤ سنگ جیان ان چینی مصنفوں کی صف میں شامل تھے، جو ثقافتی انقلاب (1976-1966) کی زد میں نہیں آئے تھے لیکن بعد میں وہ اپنی رفیقہ حیات کی مخبری پر پکڑ لیے گئے اور اپنی تحریروں پر معتوب ٹھہرا دیئے گئے۔ خصوصاً 1989 میں بیجنگ میں بنیادی انسانی حقوق کے لئے ہونے والے عوامی مظاہروں اور پولیس تشدد کے پس منظر میں گاؤ سنگ جیان کی تحریروں کی اشاعت پر چین میں پابندی عائد ہے۔

نوبل پرائز دیئے جانے کی خبر پر انہوں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے لئے یہ بالکل غیر متوقع ہے۔ گاؤ سنگ جیان نے ثقافتی انقلاب کے دنوں میں چینی قلمکاروں کی کسمپرسی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ انقلاب کے دنوں میں انہیں اپنی کئی غیر مطبوعہ تخلیقات کو نذرِ آتش کرنا پڑا تھا۔ چین کے ایک اور جلاوطن شاعر اور ادیب بی لنگ جو امریکہ میں مقیم ہیں، انہوں نے گاؤ سنگ جیان کو نوبل پرائز دیئے جانے پر کہا ہے کہ یہ چینی جلاوطن قلمکاروں کی تخلیقی صلاحیت کے اعتراف کے مترادف ہے۔ گاؤ سنگ جیان پہلے چینی ادیب ہیں، جنہیں ادب کا نوبل پرائز دیا گیا ہے۔

اُدھر چین میں نوبل پرائز کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ خصوصاً 1989 میں جب تبت کے مذہبی و روحانی پیشوا دلائی لامہ کو امن کا نوبل انعام دیا گیا تو چینی حلقوں کی طرف سے اس کی مذمت کی گئی۔ بعد میں بھی امن اور ادب کے لئے دیئے جانے والے اکثر نوبل پرائز کسی نہ کسی طرح سے تنقید کی زد میں آتے رہے ہیں۔ عالمی سطح پر یہ تاثر ابھر رہا ہے کہ ادب اور امن کے نام پر دیئے جانے والے نوبل پرائز کی کسوٹی میں ادب اور امن کے علاوہ بھی کوئی ان دیکھی

Marfat.com

کسوٹی اور غیر مرئی پیمانہ رائج ہے۔

یوں تو نوبل پرائز حاصل کرنے والوں اور دینے والوں دونوں پر کسی نہ کسی طرف سے تنقید کا در کھلا ہی رہتا ہے لیکن کچھ نوبل پرائز ایسے بھی ضرور دیئے گئے ہیں کہ جن کے بارے میں سویڈش اکیڈمی کو شرمندگی اور تشویش سے گزرنا پڑا جبکہ کچھ افراد کو اس اعزاز سے محروم رکھنے پر بھی اس اعزاز کا فیصلہ کرنے والوں کو شرمساری ہوئی۔ 1956 میں ٹرانسسٹر کی ایجاد میں قابلِ قدر خدمات انجام دینے پر فزکس کا نوبل پرائز دیا گیا لیکن بعد میں ولیم شاکلی کو نسلی امتیاز اور وائٹ سپر میسی کے خیالات کی وجہ سے شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی طرح امن کے کئی نوبل پرائز بھی سوالیہ اور زیرِ تنقید رہے ہیں۔ ان میں امریکہ کے ہنری کسنجر، روس کے میخائل گورباچوف اور گوئٹے مالا کے ریگو برٹا کے نوبل پرائز شامل ہیں۔

ہنری کسنجر پر دنیا میں امن قائم کرنے کی کوششوں سے زیادہ دنیا کا امن برباد کرنے کی سازشوں کا الزام ہے، اسی طرح روس کے صدر میخائل گورباچوف کے ہاتھوں روس جیسی سپر پاور کا جو حشر ہوا، اس فعل پر انہیں سزا تو ہوسکتی تھی مگر کسی طرح کا اعزاز ہرگز نہیں دیا جاسکتا تھا۔ گوئٹے مالا کے ریگوبرٹا کا نوبل پرائز بھی ہمیشہ ناپسندیدگی سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ ان کے ہاتھوں سیاسی مخالفین پر تشدّد کے واقعاتِ زبان زدِ عام ہو چکے ہیں۔

نوبل پرائز سے وابستہ ناانصافیوں کی داستان طویل ہے، یقیناً ایسا ہوتا رہا ہے کہ کچھ ایسے افراد کو اس اعزاز سے نوازا گیا کہ جو اس اعزاز کی تحقیر کا باعث بنے جبکہ کچھ افراد کو یہ اعزاز نہ دے کر بھی اس اعزاز کو رسوا کیا گیا ہے، جیسا کہ سی۔ ایچ بیسٹ کے ساتھ ہو چکا ہے۔ سی۔ ایچ بیسٹ نے انسولین پر قابلِ قدر تحقیقی کام کیا لیکن نوبل پرائز ان دو پروفیسرز کو دے دیا گیا، کہ جن کے ساتھ سی۔ ایچ بیسٹ کام کر رہے تھے۔ بعد میں پروفیسرز نے باعثِ شرمندگی، انعام کی رقم میں سی۔ ایچ بیسٹ کو برابر کا شریک کرلیا۔ مشہور امریکی سائنسدان اور موجد تھامس ایڈیسن بھی

Marfat.com

نوبل پرائز سے محروم رہے۔ حالانکہ الیکٹرک لائٹ، فوٹوگرافی اور مائیکروفون کے علاوہ بھی کئی بڑی بڑی ایجادات تھامس ایڈیسن کے ہاتھوں تکمیل ہوئیں کہ انہیں یہ اعزاز ضرور ملنا چاہیے تھا لیکن اس ضمن میں پروفیسر ولیم وکری کے ساتھ جو المیہ گزرا وہ اپنی نوعیت کا واحد المیہ ثابت ہوا۔ کولمبیا یونیورسٹی کے اکنامکس کے پروفیسر ولیم وکری کو ان کے مشہور معاشی نظریہ ترغیب پر اکنامکس کا نوبل پرائز اس قدر تاخیر سے دیا گیا کہ 1996 میں نوبل پرائز ملنے کے تیسرے دن وہ بیاسی سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

13 اکتوبر

آمنے سامنے

گورنر جارج بش اور نائب صدر الگور، صدارتی انتخاب کے مشکل ترین مرحلہ سے بظاہر تو کامیاب گزرے ہیں اور کسی ایسی سنگین غلطی کا ارتکاب نہیں کیا ہے، جو ان کی امیدواری پر خطِ تنسیخ کھینچ دیتی لیکن ابھی میڈیا کے ہاتھ میں یہ موضوع تازہ بتازہ ہے، سو مبصرین خیال آرائیوں میں مصروف ہیں اور رائے دہندگان سے ان کی رائے پوچھی جارہی ہے، سروے کیے جارہے ہیں۔ تفتیش، تحقیق، قیافہ اور عالمانہ مہارت۔۔۔۔ ہر طرح کا پیمانہ استعمال کیا جارہا ہے کہ جس سے یہ اخذ کیا جاسکے کہ صدارتی امیدواروں کے ٹی وی پر آمنے سامنے مناظرہ میں کون فتح یاب رہا اور کون ہزیمت زدہ۔

امیدواروں کا ٹی وی پر آمنے سامنے مناظرہ، صدارتی انتخاب کا نہ صرف مشکل ترین لمحہ تصور کیا جاتا ہے بلکہ یہی فیصلہ کن لمحہ بھی ہے۔ 170 ملین امریکی سامعین جس مناظرہ کو براہِ راست دیکھ رہے ہوں اور امیدواروں کے درمیان مقابلہ بھی کانٹے کا ہو تو معمولی سی ایک غلطی، ایک ہی غلط لفظ، ایک متاخر جواب، ایک بیہودہ حرکت اور ایک بونگی سارا کھیل بگاڑ سکتی ہے۔ خطِ مستقیم کے اس باریک

Marfat.com

اور تنے رسے پر ایک گھنٹہ چلنے کے لئے امیدواروں کو مہینوں ریہرسل کرائی جاتی ہے، انہیں اس عوامی مائیکروسکوپ کے سامنے پوسٹ مارٹم کے لئے ہر طرح سے تیار کیا جاتا ہے۔ امیدوار خود بھی اس فیصلہ کن معرکہ کو سر کرنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوتا ہے۔ امیدواروں کی معاون ٹیم میں میڈیا ماہرین، ماہرین عوامی نفسیات، سیاسی ماہرین، اعداد و شمار کے ماہرین، پالیسی ماسٹرز، میڈیا سائنٹسٹس، جگت باز اور پھبتی کس، ہر طرح کا ابوالفضل اور ملاں دو پیازہ پایا جاتا ہے، جو اپنے اپنے امیدوار کو تیار کر کے وقتِ مقررہ پر مقتل تک لا کے چھوڑ دیتا ہے۔

اگے تیرے بھاگ لچھیے

امیدواروں کو تمام جزئیات، الفاظ، اعداد و شمار، سٹائل، حملہ کرنے کا چج، مدافعت کا ڈھنگ، جارحیت اور دباؤ بڑھانے کا نسخہ، غرضیکہ مناظرہ کی الف سے ی اور نشست سے برخاست تک سب کچھ ازبر کرا دیا جاتا ہے۔ سو، امیدواروں کا یہ انتخابی مناظرہ میکانکی، مشینی اور روبوٹک ایکٹ بن کر رہ گیا ہے۔ رائے دہندگان دونوں امیدواروں کی طرف حیرت سے دیکھتے ہیں، دونوں دمِ عیسیٰ اور روحِ افلاطون نظر آتے ہیں اور رائے دہندگان گھبرا کر فیصلہ متاخر کرتے رہتے ہیں۔ مناظرہ کے بعد بھی گورنر جارج بش کی نائب صدر الگور پر دو فیصد کی برتری برقرار ہے۔ مناظرہ سے پہلے جارج بش کو 47 فیصد رائے دہندگان کی حمایت حاصل تھی اور نائب صدر کو 45 فیصد کی حمایت حاصل تھی۔ مناظرہ کے بعد نائب صدر الگور زیادہ دباؤ میں ہیں، ان پر ڈیموکریٹ حلقوں کا دباؤ بڑھ رہا ہے کہ وہ اس دو فیصد کی خلیج کو فوراً عبور کریں، ورنہ مومنیٹم حاصل کرنے کا یہ آخری حربہ بھی ناکارہ ہوا چاہتا ہے۔

اس مناظرہ میں بھی حسبِ توقع دونوں امیدواروں نے اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، اپنے مضبوط پتے کھیلے اور مقابل کی دکھتی رگ پر دباؤ ڈالتے رہے۔ نائب صدر نے سوشل سیکورٹی اور میڈی کیئر کے موضوع پر جارج

Marfat.com

بش کو آگے لگائے رکھا جبکہ جارج بش کردار اور اخلاقی صفات کے حوالہ سے نائب صدر کو ہزیمت زدہ کرتے رہے۔ الگور نے یہ کہتے ہوئے اس موضوع دل آزار سے جان چھڑائی کہ ''ہمیں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کی بجائے اپنے ملک کے مسائل پر حملہ کرنا چاہیے، گو کہ میرے کردار پر حملہ کیا گیا ہے لیکن جواباً میں ایسا نہیں کروں گا۔،،

اس مناظرہ کے رائے دہندگان پر جو اثرات مرتب ہوئے اور نتائج سامنے آئے ہیں، ان کے مطابق نائب صدر کی کارکردگی کو گورنر کی کارکردگی پر فوقیت دی جا رہی ہے۔ ٹائم میگزین اور سی این این کے فوری سروے کے مطابق 51 فیصد عوام نے نائب صدر کی کارکردگی کو سراہا ہے جبکہ 37 فیصد کے مطابق گورنر جارج بش، نائب صدر الگور پر سبقت لے گئے ہیں۔ سروے میں ایک اور سوال کے جواب میں کہ دونوں میں سے کس امیدوار کو حقائق اور مسائل کا بہتر ادراک ہے، 56 فیصد نے نائب صدر کو باخبر اور حقائق آگاہ قرار دیا جبکہ 29 فیصد نے جارج بش کو نائب صدر پر فوقیت دی، لیکن اس سوال پر کہ دونوں امیدواروں میں سے قابلِ اعتماد اور دیانت دار کون ہے تو اس کے جواب میں 67 فیصد عوام نے جارج بش کے حق میں رائے دی ہے جبکہ 32 فیصد نائب صدر کو بھی قابلِ اعتماد اور دیانتدار سمجھتے ہیں۔ قیادت کی صلاحیت اور پسندیدہ امیدوار کی حیثیت سے بھی جارج بش کو نائب صدر الگور پر فوقیت حاصل ہے۔ اس ضمن میں جارج بش کو 49 فیصد اور نائب صدر الگور کو 42 فیصد کی حمایت حاصل ہے۔

اب اگر دیکھا جائے تو جن امور پر نائب صدر الگور کو برتری حاصل ہے۔ وہ کلیدی نہیں ہیں جبکہ جارج بش کو جن امور پر برتری حاصل ہے، وہی فیصلہ کن بنیاد ہیں۔ بنا ہیر پھیر اور سادہ لفظوں میں نائب صدر کی صلاحیتوں، تجربہ، پالیسیز اور خدمات پر جارج بش کے کردار، قائدانہ صلاحیت اور اخلاص کو ترجیح دی جا رہی ہے۔

Marfat.com

امریکی عوام کی یہی ترجیح جارج بش کے حق میں کامیابی میں بدل سکتی ہے۔

امریکی سیاست میں صدارتی امیدواروں کے درمیان ٹی وی پر مناظرہ ایک باقاعدہ سائنس، تحقیق اور مستقل تجزیہ و مضمون کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ مناظرہ کے دوران امیدواروں کی حرکات وسکنات، چہرہ کے تاثرات، فوری جواب دینے کی صلاحیت، سینس آف ہیومر، اور لفظ لفظ تجزیہ کے لئے ماہرین موجود ہیں، جو مناظرہ کے بعد مسلسل بال کی کھال اتارنے اور لسی میں ٹیوب ویل سے پانی ملانے پر مامور ہیں۔ امیدواروں کے اس تازہ بتازہ دنگل پر میڈیا سائنٹسٹس کے تجزیہ کے مطابق صدارت اور نائب صدارت کے امیدواروں نے ایک منٹ میں کتنی دفعہ آنکھ جھپکائی اور سوال کا جواب دینے میں کتنی دیر لگائی:

ایک منٹ میں کتنی مرتبہ آنکھ جھپکائی

نائب صدر الگور	41 مرتبہ	گورنر جارج بش	80 مرتبہ
سینیٹر لی برمین	130 مرتبہ	رچرڈ ڈک چینی	55 مرتبہ

سوال کا جواب دینے میں ردعمل کا دورانیہ

نائب صدر الگور	15 سیکنڈ	گورنر جارج بش	صفر سیکنڈ
سینیٹر لی برمین	95 سیکنڈ	رچرڈ ڈک چینی	16 سیکنڈ

اگر میڈیا ماہرین کے اس مشاہدہ کی بنیاد پر ہی فیصلہ ہوا تو لگتا ہے کہ سینیٹر لی برمین، نائب صدر الگور کی بیڑی ڈبو دیں گے۔

چالیس برس قبل 26 ستمبر 1926 کو ٹی وی پر صدارتی امیدواروں کے پہلے مناظرہ نے امریکی سیاست، صدارتی انتخابات اور امریکی تاریخ کا رخ موڑ دیا اور بہت جلد ٹی وی مناظرہ کی کارکردگی پر امریکی صدور منتخب ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ یہ روایت پختہ ہوتی گئی کہ امیدواروں کی صلاحیت کا صحیح اور بہترین اندازہ دونوں کے آمنے سامنے موازنہ ہی سے ہوسکتا ہے۔ دونوں کی قوتِ فیصلہ، قوت استدلال، ذہنی رجحانات اور مسائل سے نبٹنے کی بے ساختہ صلاحیت، درجہ خود اعتمادی اور شخصی

Marfat.com

جاذبیت کا فیصلہ کرنے کے پراسس کو ٹی وی نے صرف ایک گھنٹہ تک محدود کر دیا۔ یوں امیدواروں کے لئے مناظرہ کی مہم تسخیر کرنا اوّلین اور بنیادی قرار پایا۔ ٹی وی نے امریکی سیاست اور ٹی وی مناظرہ نے صدارتی انتخابات اور مناظرہ کے نتائج نے امریکی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔

26 ستمبر 1960 کے دن ہونے والے پہلے ٹی وی مناظرہ سے قبل جان ایف کینیڈی اپنے حریف رچرڈ نکسن سے کافی پیچھے تھے لیکن جب آمنا سامنا ہوا تو جان ایف کینیڈی کا اعتماد، شخصی وجاہت اور مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی فطری و بے ساختہ نظر آنے والی صلاحیت نے امریکی رائے عامہ کو ان کے حق میں اُستوار کر دیا، یوں رچرڈ نکسن ٹی وی مناظرہ کا پہلا شکار بنے۔

پہلے ٹی وی مناظرہ کی ہولناکیوں کے پیش نظر اگلے تین صدارتی انتخابات میں صدارتی امیدوار کس طرح بھی آمنے سامنے مناظرہ پر تیار نہیں ہوئے۔ گوکہ میڈیا، ناظرین اور رائے دہندگان نے کانٹے پر ہزار چارہ لگایا مگر مچھلی طرح دے جاتی۔ 1964 اور 1968 کے انتخابات میں صدر لنڈن جانسن اپنی شخصیت کے کھردرے پن اور تحکمانہ لہجہ کے افشاء کے ڈر سے ٹی وی مناظرہ سے بھاگتے رہے، اسی طرح 1972 میں صدر رچرڈ نکسن جو پہلے ہی ٹی وی مناظرہ کے زخم خوردہ تھے، دوبارہ کبھی ٹی وی مناظرہ کے قریب نہ پھٹکے۔ بارہ برس بعد صدارتی امیدوار ٹی وی مناظرہ پر رضا مند ہوئے اور 23 ستمبر 1976 کو صدر جیرالڈ فورڈ اور جمی کارٹر کا آمنا سامنا ہوا تو صدر جیرالڈ فورڈ کے ایک غلط جملے نے ان کی صدارت پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ مشرقی یورپ کے ممالک سویٹ یونین کے زیرِ تسلط نہیں ہیں تو امریکی رائے دہندگان حیرت سے ان کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ صدر جیرالڈ فورڈ نے یہ بات جس بھی تناظر یا دباؤ میں کہی ہو، مگر رائے دہندگان ان کے خلاف اپنا فیصلہ صادر کر چکے تھے۔

1980 میں اگلا مناظرہ صدر جمی کارٹر اور رونالڈ ریگن کے درمیان برپا ہوا

Marfat.com

لیکن الفاظ، ادائیگی، لہجہ، صوت اور تاثر کے چیمپین رونالڈ ریگن کے آگے صدر جمی کارٹر کی ایک نہ چلی۔ ہالی وڈ میں رونالڈ ریگن کی تربیت اور اداکاری کا ہنر بھی رونالڈ ریگن کے کام آیا ہوگا لیکن امام آیت اللہ خمینی نے امریکی یرغمالیوں کو صدارتی انتخابات کے دن تک رہا نہ کر کے جمی کارٹر کی صدارت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ 1984 کا مناظرہ دنگل والٹر مونڈیل اور صدر رونالڈ ریگن کے درمیان ہوا لیکن یہ مقابلہ محض رسمی اور خانہ پری سے زیادہ نہیں تھا۔ رونالڈ ریگن مشرقی یورپ، دیوار برلن اور روسی استبداد میں شگاف ڈال جا چکے تھے اور انہیں بیسویں صدی کا کامیاب ترین صدر کہا جا رہا تھا۔ ایسے میں والٹر مونڈیل ان کا بگاڑ بھی کیا سکتے تھے۔

1988 میں جارج بش اور مائیکل ڈیوکاکس کا ٹی وی مناظرہ طے ہوا۔ صدر رونالڈ ریگن کی بھاری بھر کم شخصیت اور عظیم الشان کامیابیوں کی وجہ سے ان کے نائب صدر جارج بش کے حق میں رائے عامہ پہلے ہی سے استوار تھی اور جارج بش نے صدر رونالڈ ریگن کی پالیسیز کو جاری رکھنے کا ڈھنڈورا بھی خوب پیٹا، سو وہ بآسانی منتخب ہو گئے لیکن 1992 کے صدارتی مناظرہ میں جب انہیں بل کلنٹن سے نبرد آزما ہونا پڑا تو بازی پلٹ چکی تھی۔ دورانِ مناظرہ غیر ارادی طور پر جارج بش نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا تو رائے دہندگان نے اس کا یہ مطلب لیا کہ جیسے وہ اس مناظرہ کی مصیبت سے نکلنے کی گھڑیاں گن رہے ہوں۔ یوں بھی جارج بش عراق سے جنگ جیت کر انسانیت کی جنگ ہار چکے تھے۔ عراق کے لاکھوں بچوں کی ہلاکت کا بار اور عراقی ماؤں کی بد دعائیں بھی ان کی ہزیمت کی وجہ رہی ہونگی، ورنہ بے راہروی، خواتین سے چھیڑ خانی اور غیر شفاف کردار اور ماضی کے حامل بل کلنٹن سے ان کا ہار جانا اس قدر آسان نہیں تھا۔

1996 میں جب صدر بل کلنٹن اور سینیٹر باب ڈول کے درمیان پنجہ پڑا تو صدر بل کلنٹن کئی مقدمات کی زد میں ہونے کے باوجود اپنی کامیاب معاشی پالیسیز،

Marfat.com

بے روزگاری کی کمترین شرح، اقتصادی استحکام اور عوامی خوش حالی کے زور پر سینیٹر باب ڈول پر بھاری پڑے اور مناظرہ کے دورانیہ میں انہوں نے اپنے اوباشانہ رحجان کو اپنی سنجیدگی کے پردہ میں چھپائے رکھا۔ یوں بھی جب امریکہ میں معاشی استحکام اور خوشحالی کی لہر چل رہی ہو تو کردار، اوصاف، انسانی صفات اور اخلاقیات کی چھان پھٹک کی ضرورت ذرا کم ہی ہوتی ہے۔

4 اکتوبر

آخری یلغار

ری پبلیکن پارٹی اور گورنر جارج بش کی طرف سے صدارتی مہم کے تمام عرصہ میں صدر بل کلنٹن اور نائب صدر الگور کے کردار پر شدید حملے کئے جاتے رہے ہیں۔ صدر نے تو اپنے کردار کی مجبوریوں کے پیشِ نظر اس کا کچھ خاص برا نہیں منایا ہے، نہ ہی وہ اس سے مزید متاثر ہو سکتے ہیں۔ انہیں تو ہر صورت اپنی باقی زندگی حالتِ دفاع اور موجودگی ہیلری میں ہی گزارنی ہے لیکن نائب صدر اس صورتِ حال پر خاصے برہم اور اکھڑے ہوئے ہیں۔ انہیں صدر بل کلنٹن کی سر مستیوں اور بے تکلفی کی قیمت کی ادائیگی کا معاملہ درپیش ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں یہ قیمت بہرحال چکانی ہی ہوگی۔

اب جبکہ صدارتی انتخاب میں چار دن رہ گئے ہیں، ڈیموکریٹس کی طرف سے آخری حربہ اور آخری یلغار کے طور پر گورنر جارج بش کی بلندی کردار میں شگاف ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے۔ مشہور اخبار بوسٹن گلوب میں ایک تفصیلی رپورٹ شائع ہوئی ہے، جس میں گورنر جارج بش کی لازمی ملٹری سروس کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ڈیموکریٹس کے مطابق جارج بش نے اپنے ملٹری سروس کے ریکارڈ کو نہ صرف قصداً بڑھا چڑھا کر مشہور کیا ہے بلکہ لازمی مطلوبہ ملٹری سروس کی بے رحمی سے بچنے کے لئے اپنے سیاسی اثرورسوخ کو استعمال کرتے رہے ہیں۔

Marfat.com

جنگ ویت نام کے زمانہ میں لازمی ملٹری سروس سے بچنے، بھاگنے، پوری نہ کرنے یا اثر و رسوخ سے آسان اور محفوظ ڈیوٹی حاصل کر لینے کا آرا کئی صدارتی امیدواروں پر کامیابی سے چلایا جاتا رہا ہے۔ سابق بل کلنٹن، نائب صدر الگور اور گورنر جارج بش ان سب حضرات پر اس الزام کی گرد پڑتی رہی ہے۔ اب تازہ بتازہ تحقیق جو سامنے لائی گئی ہے، اس کے مطابق گورنر جارج بش جنگ ویت نام کے زمانہ میں اپنی لازمی ملٹری سروس کو قصداً غلط بیانی سے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے رہے ہیں۔ اور ان کے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی شہادت میسر نہیں ہے۔ ٹیکساس ائیر نیشنل گارڈ کے فائٹر پائلٹ کی حیثیت سے ان کی خدمات کا دورانیہ جون 1970 سے اپریل 1972 تک ہے جبکہ جارج بش اور ان کا کیمپ اس دورانیہ کو 1968 سے 1973 تک قرار دیتے ہیں۔ اُدھر جنگِ ویت نام میں حصہ لینے والے لڑاکا ہوا بازوں کے ایک گروپ نے اس شخص کو معقول رقم انعام میں دینے کا اعلان کر رکھا ہے جو یہ ثابت کر دے کہ حقیقتاً جارج بش نے 1968 سے 1973 تک بطور فائٹر پائلٹ، خدمات انجام دی ہیں۔ ڈیموکریٹس اس انعام کے حصول کی یاد دھانی کرا کر ری پبلکن امیدوار کے کردار کو مشتبہ اور دروغ گو قرار دے رہے ہیں۔

ڈیموکریٹس کی اس یلغار میں شدّت اس وقت پیدا ہوئی، جب ریٹائرڈ ہوا بازوں کے معاملات کے سیکرٹری جیسی براؤن جو جنگِ ویت نام میں شدید زخمی ہوئے تھے، انہوں نے اس تنازعہ کے بارے میں یہ کہا کہ ''انہیں اس بات سے شدید مایوسی ہوئی ہے کہ جارج بش کے فرضی ملٹری سروس کے دورانیہ کے معاملہ کو صدارتی امیدواروں کے درمیان مناظرہ میں کیوں نہیں اٹھایا گیا۔ گورنر جارج بش کے فی الواقع فرضی ملٹری سروس کے دورانیہ کے تضاد کو ان کی بدکرداری سے منسوب کیا جانا چاہیے تھا جو کہ ابھی تک نہیں کیا جا سکا ہے،،

نیشنل گارڈ ہیڈ کوارٹرز کے ریکارڈ کے مطابق اگست 1972 میں جارج بش

Marfat.com

کو ہوا بازی کے لئے میڈیکل ٹیسٹ نہ کرانے کی پاداش میں فلائنگ سے معطل کر دیا گیا تھا۔ سرکاری طور پر 1972 میں اس معطلی کے بعد 1973 تک کی خدمات کے دورانیہ کو فرضی، مشکوک اور نام نہاد کہا جا رہا ہے۔ قرائن بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جارج بش دروغ سے کام لیتے رہے ہیں۔ نائب صدر الگور کو یہی دکھ ہے کہ جارج بش کا جو دروغ ثابت کیا جا سکتا ہے، اس طرف کوئی دھیان ہی نہیں دے رہا جبکہ جارج بش نے ان کے کردار کے خلاف جو مہم چلائی ہوئی ہے، اسے ثابت نہ کرنے کے باوجود بھی اسے سچ سمجھا جا رہا ہے۔

1976 میں جارج بش کی نشہ کی حالت میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے گرفتاری اور اس سے بریت کے معاملات کو بھی غیر شفاف سمجھا جا رہا ہے۔ ریاست مین کے مشہور وکیل اور گورنری کے امیدوار تھامس کونیلی نے ریاست مین میں جارج بش کی غیر قانونی حرکت کے پیش نظر انہیں امریکی صدارت کے لئے خطرناک امیدوار قرار دیا ہے۔ گورنر جارج بش کے ساتھ ساتھ نائب صدارت کے امیدوار رچرڈ ڈک چینی بھی خیر سے نشہ کی حالت میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے دو دفعہ گرفتار کئے جا چکے ہیں۔ ڈک چینی نے نشہ کی حالت میں ڈرائیونگ اور پھر گرفتاری کے واقعہ کو پرانی خبر سمجھ کر اسے بھلا دینے کا مشورہ دیا ہے لیکن نائب صدر الگور نہ تو اسے بھلانے پر آمادہ نظر آتے ہیں، نہ ہی اسے بھلا دیئے جانے پر خوش ہیں۔ وہ ہر صورت اس معاملہ کو جارج بش کے کردار سے جوڑ دینے پر مصر ہیں۔

شدید ہونے کے باوجود بھی یہ یلغار اس قدر بڑا اپھٹ نہیں ڈال سکی ہے، جتنا کہ توقع کی جا رہی تھی۔ کچھ تو حربہ کا تاخیری استعمال بھی متوقع نتائج پیدا نہ کر سکا اور کچھ صدر بل کلنٹن کا سایہ بھی نائب صدر پر بہر حال پڑ تا رہا ہے۔

4 نومبر

Marfat.com

انتخابی نتائج اور میڈیا شو

6 نومبر کی شام کو صدارتی انتخابات کے بعد حسب روایت جب نتائج کی ٹی وی کوریج شروع ہوئی تو اصل نتائج کے ساتھ ساتھ اس میں ٹی وی میڈیا کا قیافہ بھی شامل تھا لیکن اس بار یہ قیافہ الٹ گیا اور ٹی وی ستارہ شناسوں پر بھاری گزرا۔ اے بی سی، سی بی ایس، سی این این اور این بی سی سبھی کو خفت، دباؤ اور تنقید کا سامنا ہے۔ انتخابی نتائج کو ڈرامائی رنگ دے کر اسے سنسنی خیز بنانے پر ہر طرف سے دشنام اور تضحیک کے تیر چلائے جا رہے ہیں۔ 6 نومبر کی شام سے شروع ہونے والا میڈیا کا یہ ڈرامہ 7 نومبر کی صبح تک جاری رہا اور اس میں متعلقین کے لئے فشار خون کا دباؤ بڑھ جانے سے حرکتِ قلب کے الٹ پلٹ ہو جانے تک کے سارے لوازمات شامل تھے۔

ایک سو دس ملین سے زیادہ امریکی ناظرین پر اس بھاری رات کے لمحہ بہ لمحہ گزرنے کی ابتدا گورنر جارج بش کی ریاست کنٹا کی اور انڈیانا میں فتح کی خبر سے شام پانچ بجے سے ہی ہو چکی تھی۔ چھ بجے نائب صدر الگور کے حق میں خیر کی پہلی خبر آئی کہ وہ ریاست ورمانٹ میں سرخ رو رہے ہیں، چھ بج کر پچاس منٹ پر نائب صدر الگور کو فلوریڈا میں فاتح قرار دے دیا گیا جبکہ وہاں ابھی ایک تہائی پرچیوں کی گنتی باقی تھی۔ سات بجے تک نائب صدر کو سو اور گورنر جارج بش کو ایک سو پچاس الیکٹرول ووٹ حاصل ہو چکے تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے نائب صدر کو مشی گن اور پنسلوینیا میں فتح حاصل کر لینے سے پہلی بار حریف پر سبقت حاصل ہوئی۔ اس مرحلہ پر نائب صدر الگور کو ایک سو اسی اور گورنر جارج بش کو ایک سو ستر ووٹ حاصل ہو چکے تھے۔ ریاست فلوریڈا جہاں الگور کو سر شام ہی فاتح قرار دے دیا گیا تھا، نو بجے ان سے فتح واپس چھین کر ''شمار جاری ہے،، کے سرد خانہ میں ڈال دیا گیا۔ یوں فلوریڈا کے ہاتھ سے نکل جانے پر نائب صدر کا ماتھا ٹھنکا اور ڈیموکریٹ

Marfat.com

حلقوں نے اسے بدشگونی سے تعبیر کیا، کیونکہ فلوریڈا، ان تین ریاستوں میں شامل ہے کہ جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جو امیدوار ان ریاستوں میں جیت جائے، وہی امریکہ کا صدر منتخب ہو جاتا ہے۔ دس بجے تک وہ اپنی آبائی ریاست ٹینسی بھی گنوا بیٹھے، ان کے لئے اپنے گھر میں ہار جانے کی خفت ایسے ہی تھی، جیسے غلام مصطفےٰ جتوئی کو نواب شاہ سے ہار کر ہوئی تھی۔ اس موقع پر ری پبلکن حلقوں نے جارج بش کے ٹینسی میں جیت جانے پر اسی طرح کے طنزیہ خوشی کا اظہار کیا جس طرح ہماری کرکٹ ٹیم بھارت کو بھارت میں مارنے پر کرتی ہے۔

رات ایک بجے یہ میڈیا شو اپنے سسپنس کے عروج پر آن پہنچا، اس مرحلہ پر نائب صدر الگور کو 249 اور گورنر جارج بش کو 246 ووٹ حاصل ہو چکے تھے۔ امریکی صدارت کے حصول میں بلیڈ کے پترے جیسی باریک اور تیز دھار، دوری حائل رہ گئی۔ ایک بج کر 20 منٹ پر ریاست فلوریڈا میں گورنر جارج بش کو فاتح قرار دے دیا گیا جبکہ حقیقت اب بھی یہی تھی کہ فلوریڈا کی دور دراز کاؤنٹیز میں ابھی تک گنتی جاری تھی۔ یوں ٹی وی میڈیا کی مہربانی سے جارج بش صدر امریکہ منتخب ہو گئے، گو کہ ان کا یہ عرصہ صدارت ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں تھا، اُدھر نائب صدر الگور نے بھی خالص جمہوری حریف ہونے کا ثبوت دینے میں تامل نہیں کیا۔ انہوں نے رات ڈیڑھ بجے ہی کھلے دل سے شکست تسلیم کر کے گورنر جارج بش کو صدر منتخب ہو جانے پر مبارکباد دی۔ دست تعاون دراز کیا اور اپنے کارکنوں کو صبر، شکر اور شکریہ کے ساتھ اپنے ہیڈ کوارٹر سے رخصت کر دیا۔

گورنر جارج بش کے ہیڈ کوارٹر میں ان کی فتح پر ابھی چھالیں مارنے کا عمل، ان کے لہجہ میں صدارتی رعونت اور گردن میں خم اپنی پیدائش کے ابتدائی مرحلہ میں ہی تھا کہ ٹی وی والوں نے ریاست فلوریڈا کو ایک بار پھر ''شمار جاری ہے،، کے خانہ میں ڈال دیا۔ یوں ان کی رعونت اور خم ایک بار پھر عاجزی اور خوشامد میں بدل گئی۔ لیکن اس ایک گھنٹہ کی میڈیا صدارت نے ان کے منہ کو جیسے خون لگا دیا ہو۔

Marfat.com

فلوریڈا کے ہاتھ سے نکلتے ہی جارج بش مشتعل، بے قابو اور بے صبرے نظر آتے تھے۔ جارج بش کے ہاتھ سے ریاست فلوریڈا کے نکلتے ہی نائب صدر الگور بھی مکر گئے۔ انہوں نے جارج بش کو تین بجے پھر فون کیا، مبارکباد واپس لی، مسابقت کے لہجہ میں غیروں جیسی گفتگو کی اور اپنے صدر امریکہ بن جانے کے قوی امکانات کا عندیہ ظاہر کر کے جارج بش پر موت جیسی سیاہی بھری بجلی گرادی۔

رات بھر کے ڈرامہ کے آخری ایکٹ میں بدھ، سات نومبر کی صبح تک نائب صدر الگور کے حق میں خیر کی آخری خبر ریاست وسکانسن میں ان کی برتری کی صورت میں آئی۔ ریاست وسکانسن میں انہیں قریب آدھے فیصد کے مارجن کی فتح نے انہیں مزید گیارہ ووٹ دلا کر 260 تک پہنچا دیا جبکہ میڈیا کی جلد بازی اور قیافہ شناسی کے زور پر گھنٹہ بھر کے لئے بنائے جانے والے صدر 246 کی دہلیز پر ہی کھڑے رہ گئے۔ تاحال دونوں امیدوار جاں کنی کے عالم میں فلوریڈا میں گنی جانے والی پرچی، پرچی پر کبھی جان ہارتے ہیں اور کبھی زندگی جیتتے ہیں۔ موقع ملے تو اس جاں بہ لبی کے بیچ بیچ ٹی وی کے ''اینکر مین،، پر گھوری بھی ڈال لیتے ہیں۔

7 نومبر

صدارتی انتخابی نتائج 2000ء

اب تک موصول ہونے والے نتائج کی روشنی میں گورنر جارج بش یا نائب صدر الگور، دونوں میں سے کسی کو بھی حتمی برتری حاصل نہیں ہوسکی ہے۔ انچاس ریاستوں کے انتخابی نتائج موصول ہو چکے ہیں، جن میں نائب صدر کو 20 ریاستوں سے 266 اور گورنر جارج بش کو 29 ریاستوں سے 246 الیکٹورل ووٹ مل چکے ہیں۔ صدارتی انتخاب جیتنے کے لئے 270 ووٹوں کی ضرورت ہے۔ ریاست فلوریڈا میں تاحال پیچ پڑا ہوا ہے اور اسی کے 25 الیکٹورل ووٹ فیصلہ کن ثابت ہوں گے۔ گو کہ اس وقت نائب صدر کو 20 ووٹوں کی برتری حاصل ہے لیکن

Marfat.com

ریاست فلوریڈا میں اگر وہ ہار گئے تو ان کے ووٹ 266 ہی رہ جائیں گے اور گورنر جارج بش ان 25 ووٹوں کے مل جانے سے 271 الیکٹورل ووٹ حاصل کر کے صدر امریکہ منتخب ہو جائیں گے، گو کہ وہ صرف ایک اضافی ووٹ سے ہی جیت سکیں گے لیکن فی الحال یہ ایک ووٹ ہی ان کے حاصل کردہ تمام ووٹوں پر بھاری پڑ رہا ہے۔

موجودہ انتخابات کو امریکی تاریخ کا پیچیدہ، قریب ترین اور کانٹے دار قرار دیا جا رہا ہے کہ جس میں جیتنے والے کی راہ میں ایک ریاست کے الیکٹرول ووٹ حائل رہ گئے ہیں۔ گورنر جارج بش کو نائب صدر کی 20 ریاستوں میں برتری کے مقابلہ میں 29 ریاستوں میں برتری حاصل ہے لیکن اس کے باوجود بھی ان کو حاصل ہونے والے الیکٹورل ووٹ نائب صدر سے تا حال کم ہیں۔ الگور نے تعداد میں کم لیکن زیادہ آبادی والی ریاستوں میں برتری حاصل کی ہے جبکہ جارج بش نے ریاستیں تو زیادہ جیت لی ہیں لیکن ان کے ووٹ کم پڑ گئے ہیں۔

نائب صدر الگور اور جارج بش کو جن کلیدی ریاستوں میں برتری حاصل ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:-

نائب صدر الگور:

نیویارک	33 (الیکٹورل ووٹ)
کیلی فورنیا	54
پنسلوینیا	23
الی نائے	22
مشی گن	18
نیوجرسی	15
میساچوسٹس	12
میری لینڈ	10

Marfat.com

وسکانسن	11
واشنگٹن	11

گورنر جارج بش:

ٹیکساس	32
اوہائیو	21
جارجیا	13
نارتھ کیرولائنا	14
انڈیانا	12
ورجینیا	13
ٹینیسی	11
الباما	9
مسوری	11
کنٹاکی	8

فلوریڈا (25) جہاں ابھی تک گنتی جاری ہے

9 نومبر

سرِ ساحل نئی دنیا

امریکہ اپنے بارے میں مشہور سلوگن Land of opportunities ہونے کے باوجود بھی کچھ لوگوں کے لئے اس کے بالکل برعکس ثابت ہوا ہے۔ اس کی پہلی اور بڑی مثال نئی دنیا کی دریافت کنندہ کی ہی ہے۔ کرسٹوفر کولمبس نے 1492 میں جب امریکہ دریافت کرلیا تو وہ اپنی ہی ایک غلط فہمی اور وقت کے جبر کا شکار ہو گئے۔ کولمبس نئی دنیا کو دریافت کر کے اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ وہ مشرقی ایشیا آن پہنچے ہیں جبکہ حقیقتاً انہوں نے شمالی امریکہ میں جزائر باہاماس اور سان

Marfat.com

In ye name of God Amen· We whose names are underwriten,
the loyall subjects of our dread soveraigne Lord King James
by ye grace of God, of great Britaine, franc, & Ireland king,
defender of ye faith, &c
Haueing undertaken, for ye glorie of God, and aduancemente
of ye christian faith and honour of our king & countrie, a voyage to
plant ye first colonie in ye Northerne parts of Virginia. doe
by these presents solemnly & mutualy in ye presence of God, and
one of another, couenant, & combine our selues togeather into a
ciuill body politick; for our better ordering, & preseruation & fur-
therance of ye ends aforesaid; and by vertue hearof to enacte,
constitute, and frame shuch just & equall lawes, ordinances,
Acts, constitutions, & offices, from time to time, as shall be thought
most meete & conuenient for ye generall good of ye Colonie: unto
which we promise all due submission and obedience. In witnes
wherof we haue hereunder subscribed our names at Cape
Codd ye ·11· of Nouember, in ye year of ye raigne of our soueraigne
Lord King James of England, france, & Ireland ye eighteenth
and of Scotland ye fiftie fourth. Ano: Dom· 1620·

عکس مے فلاور پیکٹ ۔ 11 نومبر 1620

Marfat.com

سالویڈور پہنچ کر براعظم امریکہ کی نئی دنیا دریافت کرلی تھی۔ مشرقی ایشیاء پہنچ جانے کے مغالطہ اور پھر اسی پر مسلسل اصرار نے رائج الوقت حق منسوبیت کے قانون نے انہیں نئی دنیا کو، کولمبس سٹیٹس سے منسوب کر دینے سے محروم کر دیا۔ جب دریافت کرنے والے نے ہی اپنی دریافت پر غلط فہمی اور مغالطہ کا تنبوتان دیا تو ناانصافی کا دروا ہونا ہی تھا۔

اسی عشرہ میں اٹلی کا ایک بحری مہم جو اور سمندری جغرافیہ دان امریگو واسپیوشی بھی 1497 میں امریکہ پہنچنے کی مہم میں کامیاب ہوگیا۔ واپسی پر امریگو نے اپنی اس مہم کا تذکرہ مضامین کی شکل میں اپنے خطوں میں قلمبند کیا۔ ان خطوں میں نئی دنیا کا محل وقوع، بحری نقشہ جات اور مہم کی تفصیلات موجود تھیں۔ 1507 میں مشہور جرمن جغرافیہ دان پروفیسر مارٹن الڈ سیمولر نے اپنی مشہور کتاب COSMOGRAPHIA INTRODUCTIO ان خطوط کے حوالہ سے امریگو کو امریکس کے نام سے متعارف کراتے ہوئے یہ نظریہ پیش کیا کہ چونکہ امریکس نے ہی یہ نئی دنیا دریافت کی ہے، لہٰذا اس نئے دریافت شدہ براعظم کا نام اسی کے نام سے منسوب کر دیا جانا چاہیے۔ پروفیسر مارٹن نے یورپ اور ایشیاء کے نسوانی طرز کے ناموں کے برعکس نئی دنیا کے لئے امریکس کے نام پر امریکہ تجویز کیا۔ کتاب اور پروفیسر مارٹن کا نظریہ مقبول ہوا، اور یورپ میں نیا براعظم امریکہ کے نام سے مشہور ہوگیا۔ یوں گمنامی کے خطوط سے امریکس کو برآمد کرکے پورا براعظم اس کے نام سے منسوب کر دیا گیا۔ جب کولمبس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہا تو اس وقت تک دیر ہوچکی تھی۔ یورپ میں ''امریکہ،، تسلیم کرلیا گیا تھا اور مغربی منطقہ حارہ کی دریافت کا سہرہ امریکس کے سر باندھ دیا گیا، حالانکہ نئی دنیا کو دریافت کولمبس نے ہی کیا تھا، لیکن کولمبس کے ایک علمی مغالطہ نے انہیں اپنے نام سے منسوب کرنے والے، کولمبس سٹیٹس، کے اعزاز سے محروم کر دیا۔

Marfat.com

6 ستمبر 1620 کو برطانیہ سے روانہ ہونے والا مئے فلاور نامی جہاز برطانوی مذہبی انتہا پسند جلا وطنوں کو لے کر 11 نومبر 1620 کو اسی نو دریافت دنیا یعنی امریکہ کے ساحل پر آن لگا۔ 65 دنوں کے پر مصائب سفر کے بعد جب مئے فلاور امریکی ساحل کیپ کوڈ پر لنگر انداز ہوا تو ایک نئے مسئلہ نے سر اٹھالیا۔ کیپ کوڈ کا ساحلی علاقہ موسم کی شدت اور اپنی جغرافیائی ساخت کی وجہ سے آباد کاری کے لئے موزوں نہیں تھا۔ مئے فلاور کے قریب آدھے مسافروں کی رائے تھی کہ قرب وجوار میں کسی دوسرے ساحل کو تلاش کیا جائے، جو آباد کاری کے لئے موزوں ہو جبکہ آدھے مسافر فوری طور پر جہاز سے اتر جانے کے حق میں تھے۔ جہاز سے اتر جانے اور نہ اترنے کے بارے میں مشترکہ موقف کے نہ ہونے سے تنازعہ شدت اختیار کر گیا تو رہنمائی کے لئے لیڈن چرچ کے سربراہ جان رابنسن کے اسی خط کو دوبارہ پڑھا گیا، جو برطانیہ سے چلتے ہوئے پڑھا گیا تھا۔ اس خط میں جان رابنسن نے نصیحت کی تھی کہ ''آخرکار تمہیں ایک سیاسی ڈھانچہ تشکیل دینا ہوگا اور تمہیں اپنے ہی لوگوں پر مشتمل شہری حکومت بنانا ہوگی، جو ایسے لوگوں کی تشکیل کردہ نہیں ہونی چاہیے کہ جن کی دوسروں کے مقابلہ میں خصوصی اہمیت ہو۔ اپنے نمائندوں کو منتخب کرنے میں نہ صرف اپنی عقلمندی اور اچھائی کو اجاگر ہونے کا موقع دینا بلکہ اجتماعی مفاد کو فروغ دینے کی کوشش کرنا اور جن کو منتخب کرلو، ان کی عزت اور ان کے قانونی اختیارات کا احترام کرتے رہنا،، جان رابنسن کے پیغام کے مندرجات پڑھے جانے سے تنے ہوئے اعصاب اور مشتعل جذبات پر مفاہمت غالب آ گئی۔ ایک معاہدہ عمل میں لایا گیا۔ مئے فلاور پیکٹ کے نام سے دستاویز لکھی گئی، سب کا اتفاق ہوا اور دستخط کئے گئے۔ سر ساحل جہاز میں ہی ایک سول باڈی پالیٹک قائم ہوگئی۔ جان کارور کو گورنر منتخب کر کے فیصلہ اور قیادت کے اختیار اسے تفویض کر دیئے گئے۔ گورنر جان کارور کے فیصلہ کے مطابق کسی دوسرے موزوں مقام کی تلاش میں مئے فلاور ساحل کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا اور بالآخر خلیج پلے متھ کے

Marfat.com

ساحل پر مناسب اور موزوں جگہ تلاش کر لی گئی۔ 11 دسمبر 1620 کو مئے فلاور کا غیر یقینی سفر اختتام کو پہنچا اور گورنر جان کارور کے حکم پر اولین امریکی آبادکاری عمل میں آئی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مئے فلاور پیکٹ کو قرارداد مقاصد کی دستاویز سمجھا جانے لگا اور اس پیکٹ کو اولین امریکی آئین کے مترادف قرار دیا جانے لگا۔ اس پیکٹ کو مرتب کرنے والے برطانوی جلاوطنوں پر برطانوی جمہوریت اور انسانی حقوق کی مشہور برطانوی دستاویز میگنا کارٹا کا گہرا اثر تھا۔ 1215 میں برطانیہ کے کنگ جان کے شاہی مہر اور دستخطوں سے جاری ہونے والے میگنا کارٹا میں تعین کردہ انسانی وجمہوری حقوق کے امین، ان برطانوی نو آبادکاروں نے میگنا کارٹا اور برطانوی جمہوریت سے اخذ کردہ جس جمہوری عمل کی روح مئے فلاور پیکٹ میں سمودی تھی، وہ خوب پروان چڑھی۔ 1787ء میں امریکی آئین کے بننے تک مئے فلاور پیکٹ کی جمہوری پنیری ایک تناور درخت میں بدل چکی تھی۔

کرۂ ارض پر بلاشبہ امریکہ ایک ایسا ملک ہے کہ جس پر نہ تو کوئی غیر جمہوری شام تمام ہوئی اور نہ ہی کوئی جمہوریت سے نامانوس صبح طلوع ہوسکی کہ آبادکار سرِ ساحل، امریکی زمین پر قدم رکھنے سے پہلے ہی ایک جمہوری ضابطہ، تہذیبی رویہ اور انسانی میثاق پر متفق ہو چکے تھے لیکن اس کے برعکس جب ہم اس افتاد کا تجزیہ کرتے ہیں جو آئین، قانون، انسانی حقوق اور جمہوریت کے حوالہ سے قیام پاکستان سے لے کر آج تک ہمارے اوپر مسلط چلی آتی ہے تو ہم آزردہ ہو جاتے ہیں۔ اس افتاد نے ہمارا پنڈ اجھلسا دیا ہے۔ یہی افتاد مملکت خداداد کو دولخت، نظریہ پاکستان کو دونیم اور ہمارے قومی تشخص کو لخت لخت کر چکی ہے۔

ایک نظام جسے اسلامی کہا جاتا ہے اور ایک ضابطہ حیات جو ہمارے مذہب کے عین مطابق ہے، اس پر متفق تو ہم بھی تھے اور اسی کے نفاذ کے وعدہ پر انہونی، ہونی میں بدل گئی تھی لیکن پھر ہماری نیت بدل گئی اور ہم اپنے عہد سے پھر گئے۔

Marfat.com

اب ہم اسی نیت خرابی اور بدعہدی کی سزا کاٹتے ہیں۔

قیام پاکستان کے وقت ہمارے سامنے آئین، معاشرت، نظام حکومت اور قوانین کے پانچ ایسے مستند ماخذ اور ماڈل موجود تھے، جن میں ہمارے لئے رہنمائی کی قوت موجود تھی اور جن سے ہماری زمین کا ستر ڈھانپا جا سکتا تھا۔

۱۔ قرآنی تعلیمات واحکامات

۲۔ خلفائے راشدین کی شرعی حکومتوں کا ماڈل

۳۔ حجتہ الوداع سے اخذ کردہ تعلیمات واحکامات

۴۔ شرع، حدیث اور اجتہاد کی بنیاد پر مشتمل شرعی نظام

۵۔ انسانی حقوق کا برطانوی چارٹر میگنا کارٹا اور برطانوی جمہوریت

برطانوی جمہوریت

جب نئی مملکت کے لئے آئین، قوانین اور ضابطوں کی دستاویز مرتب کی جانے لگی تو ان تمام رہنما مبادی قوانین کو نظر انداز کر دیا گیا۔ شخصی اور انفرادی مفادات کا تقاضہ، نیتوں کا کھوٹ اور بدعہدی کی سزا، ان تینوں عوامل کا بیک وقت اطلاق واشتراک نصف صدی پر پھیل گیا۔ ہم ایک منطقی، آزمودہ اور عہد باندھے ہوئے نظام کے نفاذ سے بچنے کی خاطر ہر طرح کی بساط بچھا کر اور طرح بہ طرح کے دام پھیلا کر دیکھ چکے ہیں۔ مگر بساط الٹ الٹ جاتی ہے اور دام الجھ الجھ جاتا ہے۔ بدعملی و بدعہدی کو جاری رکھنے کی ہماری سرگرمیاں نہ کبھی ماند پڑیں، نہ ہم کسی بھی ہزیمت سے بددل ہوئے، نہ کسی سزا سے عبرت حاصل کی اور نہ کسی سانحہ سے سبق سیکھا۔

جو سبق سیکھ سکے، وہ یہ ہے کہ خیر سے نصف صدی میں اب ہمارے ہاں ایسے لکھاری، انشور، تشریح کار اور کارگزار پیدا ہو چکے ہیں، جو سرِ عام اب یہ ستارہ توڑ کے لائے ہیں کہ آزادی ملنے پر پاکستان میں سیکولر نظام قائم کرنا ہی مطالبہ پاکستان کی اساس تھا اور قائداعظم محمد علی جناح بھی پاکستان میں سیکولر نظام ہی قائم

Marfat.com

کرنا چاہتے تھے۔ حقیقتاً تاریخ اور عہد کو جھٹلانے والے یہ لوگ اسلام کی اصل سے لرزاں، مخلوط اور آزادانہ میل ملاپ کی لذت سے سرشار اور اپنے اعمال، نیتوں اور زبانوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ چرب زبانی، لفظوں کا الٹ پھیر اور مفاداتی ریشہ دوانیاں اپنی جگہ مگر جو تاریخی صداقت ہے، وہ یہی ہے کہ مطالبہ پاکستان کی ایک ہی اساس اور ایک ہی تقاضہ تھا کہ ہم مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں میں اللہ کا نظام اور رسول کی شریعت پر مبنی اسلامی معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں، جو ہمارا مذہبی حق اور دینی تقاضہ ہے۔ جہالت، بدنیتی اور لاعلمی کی بات دوسری ہے لیکن قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت اور کردار کے بارے میں جو بات حتمی ہے، وہ ان کا قول اور فعل میں یکساں ہونا ہے۔ نہ تو محمد علی جناح کوئی ذوالفقار علی بھٹو تھے کہ بات تو سوشلزم کی کرتے لیکن اندر خانہ سرمایہ داری کو فروغ دیتے، نہ ہی خدانخواستہ وہ جنرل محمد ضیاء الحق تھے کہ بات اسلامی نظام کی کرتے اور اسلام کے ہی آڑے آجاتے۔

گو کہ دیر ہو چکی ہے مگر ہماری بقا اسی اسلامی ضابطہ کے ماخذ سے مشروط ہے، جس کو نہ ماننے کی سزا کاٹنے کے باوجود ہم اسے نہ ماننے کی مزید تاویلیں گھڑتے رہتے ہیں۔ حیلے بہانے، تاخیری حربے، دانشوری اور زبرزبانی کی جگہ ہمیں برطانوی جلاوطنوں کی طرح اپنے میگنا کارٹا کی طرف مراجعت کرنی ہی پڑے گی کہ ہمارا ہونا اسی سے پیوستہ ہے۔ ہمارے حقوق کا چارٹر اور ضابطوں کا ماخذ، امریکی آئین، ترکی کی فوجی اور لادین جمہوریت اور مئے فلاور پیکٹ سے کہیں زیادہ انسانی، فطری اور مبنی برعدل ہے۔

ہماری راہ میں اگر بدعہد، راندۂ درگاہ، رقص و سرود کے رسیا، مجروں کے رچھائے ہوئے اور ماڈرن ازم کی جھونک کے مارے ہوئے طبقہ ناچہ کے بے توقیر و بے بہرہ افراد حائل نہ ہو گئے ہوتے تو آج نہ تو ہماری زمین بے ستر ہوتی، نہ ہی ہمارے سر بنا سائبان ہوتے۔ ہماری عزتِ نفس، آبرو اور مذہبی حرمت کا جو

Marfat.com

جنازہ نکالا گیا ہے، ہم اس سے محفوظ رہے ہوتے۔

11 نومبر

وبال بیزار آرزو

پام بیچ کاؤنٹی نے امریکی جمہوریت کو سان پر لگا رکھا ہے اور صدارتی انتخابی نتائج کو یرغمال بنا رکھا ہے، متعلقین، سیاسی حلقے اور متاثرین مثال، سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا، بنے ہوئے ہیں۔ پام بیچ کاؤنٹی میں اٹھارہ ہزار ووٹنگ بیلٹس جنہیں مسترد کر دیا گیا تھا، حق رائے دہندگی سے انکار کے آئینی حصار میں آ گئے ہیں۔ ڈیموکریٹس پر یقین ہیں کہ یہ سب ووٹ اگر شمار کر لئے جائیں تو وائٹ ہاؤس پر ان کا قبضہ ہو جائے گا۔ نائب صدر الگور کے الیکشن انچارج بل ڈیلی نے فلوریڈا کے ووٹنگ سسٹم کو عدالتوں میں کھینچنے کی دھمکی دے دی ہے، اس دھمکی کے نتیجہ میں ری پبلکن پارٹی نے بھی وسکانسن اور نیو میکسیکو کی ریاستوں کے انتخابی نتائج کو چیلنج کرنے کا ارادہ ظاہر کر دیا ہے، ان ریاستوں میں نائب صدر کی برتری بلیڈ کی دھار سے زیادہ موٹی نہیں ہے۔

فلوریڈا کاؤنٹی کے بیلٹس کی دوبارہ گنتی کے حکم پر جارج بش نے فیڈرل کورٹ میں گنتی کو رکوانے کے لئے مقدمہ دائر کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ ہر روز کی دوبارہ گنتی سے ان کی برتری کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہے، اگر مزید دو چار روز یہ مشق ستارہ شماری جاری رہی تو گورنر جارج بش کو لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں۔ ری پبلکن حلقوں کے مطابق دعویٰ کی بنیاد، پام بیچ کاؤنٹی میں مشین کی بجائے ہاتھ سے ووٹوں کی گنتی پر رکھی جائے گی چونکہ باقی کاؤنٹیز میں تو بیلٹس مشین پر شمار کیے گئے ہیں، لہٰذا پام بیچ میں انہیں ہاتھ سے شمار کرنا امتیازی سلوک کے زمرے میں آتا ہے اور امتیازی سلوک کی اجازت نہیں ہے اور یہ امریکی آئین کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

12 نومبر

Marfat.com

کوئی خبر خیر کی.......

فلوریڈا کی جن کاؤنٹیز میں بیلٹس کی گنتی ہاتھ سے کی جا رہی ہے، وہیں وہیں سے جارج بش کے لئے بڑی خبریں آ رہی ہیں، 7 نومبر کو انہیں دو ہزار ووٹوں کی برتری حاصل تھی، جواب کم ہوتے ہوئے 388 کے فرق تک آ گئی ہے۔ جارج بش کے لئے اس دوبارہ گنتی میں ہزیمت ہی ہزیمت ہے، گوکہ انہوں نے اس گنتی کو رکوانے کے لئے مقدمہ دائر کر دیا ہے لیکن مقدمہ کا فیصلہ ہونے تک ایک ایسا فیصلہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس کے بعد عدالتی فیصلہ کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ ریاست فلوریڈا کے گورنر جارج بش کے بھائی ہیں اور ریاست کی سیکرٹری جارج بش کی صدارتی مہم کی انچارج رہ چکی ہیں اور ریاست کے رائے دہندگان کی اکثریت ان ریٹائرڈ افراد پر مشتمل ہے، جو روایتی طور پر ری پبلکن حلقہ مانا جاتا ہے، ان حالات میں ریاستی مشینری کا رجحان گورنر جارج بش کے حق میں ہوسکتا ہے لیکن تا حال گورنر کے حق میں خیر کی کوئی خبر نہیں آ رہی ہے۔ جو خبر آتی ہے، وہ ان کے لئے خبر کم اور برق تاثیر زیادہ ہوتی ہے،13 نومبر کی رات گئے تک جارج بش مزید 88 ووٹوں سے محروم ہو گئے ہیں، اب ان کی برتری بلیڈ کی دھار سے بھی کم رہ گئی ہے۔ اِدھر ہم اس لفظ کی تلاش میں ہیں کہ جسے بلیڈ کی دھار سے بھی کم کے لئے استعمال کیا جا سکے لیکن ایسا لفظ ہمارے توشہ خانہ میں نظر نہیں آ رہا، سو دوبارہ بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ جارج بش کی برتری بہرحال بلیڈ کی دھار جیسی ہی رہ گئی ہے۔ قریب دو ہزار ووٹوں کا فرق تین سو تک آن پہنچا ہے۔

13 نومبر

......رن کانپ رہا ہے!

رن کے کانپنے کے لئے شیر کی آمد ہی ضروری نہیں ہوتی، شیرنی کی آمد سے بھی ایسا ہوسکتا ہے۔ فلوریڈا کے انتخابی نتائج کے قضیہ سے راتوں رات ایک نئی

Marfat.com

نیشنل سٹار کا ظہور عمل میں آیا ہے۔ فلوریڈا کی سیکریٹری آف سٹیٹ کیتھرین ہیرس نے ہاتھ سے گنے جانے والے ووٹنگ بیلٹس کو ریاست فلوریڈا کی سرکاری گنتی میں شامل کرنے سے یک لخت انکار کر دیا ہے۔ پچھلے سات دنوں سے دوبارہ گنتی کے محور پر گھومتا ہوا امریکہ ایک جھٹکے سے رک گیا ہے اور اس جھٹکے سے قومی افق پر ایک نئے ستارہ نے جنم لیا ہے، غالباً اس سال کا آخری میڈیا سٹار، میڈیا کے ہاتھ آ گیا ہے۔ اخبار، ریڈیو اور ٹی وی والے اب کیتھرین ہیرس کے ''دوالے'' ہو گئے ہیں۔ کیتھرین نے ڈنکے کی چوٹ پر اپنے سرکاری اختیارات کو اپنے حق وفاداری میں استعمال کر کے ڈیموکریٹس میں سراسیمگی پھیلا دی ہے اور دوبارہ گنتی کی بساط ہی لپیٹ دی ہے۔ انہوں نے اپنے اس فیصلہ کے دفاع میں نیشنل میڈیا کو بتایا ہے کہ ان کے خیال میں بیلٹس کی دوبارہ گنتی کے لئے نہ تو کافی وقت رہ گیا ہے اور نہ ہی دوبارہ گنتی کے لئے ٹھوس وجہ موجود ہے۔

کیتھرین ہیرس فلوریڈا میں گورنر جارج بش کی صدارتی مہم کی انچارج رہ چکی ہیں اور ان کی ری پبلکن پارٹی سے ہم آہنگی کوئی راز نہیں ہے۔ کیتھرین ہیرس نے حق ادا اور نمک حلال کر دیا ہے۔ جواباً ری پبلکن انہیں انچارج کے منصب سے کسی اوپر والے منصب تک لے جانے کا سوچ رہے ہیں۔ فلوریڈا سے وائٹ ہاؤس تک کیتھرین کے لئے ہر دروازہ پر ''جی آیاں نوں'' لکھایا گیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ اب کہاں ٹھہریں گی۔

کیتھرین ہیرس جہاں بھی ٹھہریں لیکن ان کی راہ میں ایک دو سخت مقام حائل ہو سکتے ہیں، ان کی میڈیا لاٹری کے پردہ میں ان کی میڈیا موت بھی پوشیدہ ہے۔ ٹائم میگزین کی حالیہ اشاعت اور کئی اخبار، رسالوں میں کیتھرین کی برہنہ تصاویر بھی شائع ہوئی ہیں۔ تصاویر جنہیں ہم نیم برہنہ کہہ رہے ہیں۔ حقیقتاً معاملہ نیم برہنگی سے آگے والا اور مرحلہ ہماری مجبوری کا ہے، ورنہ کیتھرین نے کسر کوئی نہیں چھوڑی۔ نائب صدر نے کیتھرین ہیرس کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ

Marfat.com

سے رجوع کرلیا ہے۔ قیاس اغلب ہے کہ ڈیموکریٹس ہاتھ سے شمار کی جانے والی عددی تبدیلی کو سرکاری نتائج میں شامل کرانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔

16 نومبر

مزے تے ماہیا ہن آن گے......!

فلوریڈا کی سپریم کورٹ نے سیکرٹری آف سٹیٹ کیتھرین ہیرس کے اقدامات کو کالعدم قرار دیتے ہوئے ہاتھ سے گنے جانے والے ووٹنگ بیلٹس کو ریاست کی سرکاری گنتی میں شامل کرنے کا حکم جاری کر دیا ہے۔ مزید یہ کہ اس حکم کے ساتھ یہ شرط بھی عائد کر دی گئی ہے کہ 26 نومبر کی رات 12 بجے تک ہاتھ سے گن لیے جانے والے بیلٹس بھی اس سرکاری گنتی میں شامل کیے جائیں۔ ریاست فلوریڈا کے انتخابی ضوابط کے مطابق 26 نومبر کو ریاستی حکام نے ان تمام ووٹوں کا تصدیقی سرٹیفکیٹ جاری کرنا ہے، جو مختلف امیدواروں نے حاصل کیے ہیں۔ جیسا کہ کیتھرین ہیرس اپنی نیت اور ارادہ کا اظہار کر چکی ہیں، غالباً اب وہ من مانی نہیں کر سکیں گے۔ اگر فیڈرل سپریم کورٹ گورنر جارج بش کی مدد کو بروقت نہ پہنچ سکی تو کیتھرین ہیرس کے لئے جارج بش کی سیاسی موت کے تصدیق نامہ پر دستخط کرنا خاصا آزاد ہوگا۔

ریاست فلوریڈا میں روز بروز مظاہرین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مختلف گروہ، مختلف مطالبات کے لئے مظاہرہ کر رہے ہیں، اٹھارہ ہزار رائے دہندگان کا مظاہرہ دوسرے مظاہرین پر بھاری ہے، جن کے ووٹ مسترد کر دیئے گئے ہیں، یہ حضرات ووٹ ڈالنے کے ایک اور موقع کی تلاش میں ہیں۔ کچھ مظاہرین سپریم کورٹ کے حق میں اور کچھ اس کے خلاف مظاہرہ کر رہے ہیں۔ کوئی دوبارہ انتخاب کے حق میں فلک شگاف ہے اور کوئی کیتھرین ہیرس کے حق میں۔ ڈیموکریٹس اور

Marfat.com

ری پبلکن ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں۔ ایک انوکھا مظاہرہ اس نوعیت کا بھی کیا جارہا ہے کہ ہم اس انتخابی قضیہ سے عاجز آچکے ہیں۔ ہمیں اب معاف کر دیا جائے۔ ذرا مختلف انداز سے گورنر جارج بش بھی یہی کہہ رہے ہیں ان کا فرمان ہے کہ ''ملک کے لئے سب سے بہتر یہ ہوگا کہ اس انتخابی قضیہ کو ختم کر دیا جائے''، جب تک ان کی ایک ووٹ کی بھی برتری برقرار ہے، وہ ایسا ہی کہیں گے، غالباً ان کی اس قضیہ کو ختم کر دینے کی جلدی سبھی پر ظاہر ہے، کوئی لمحہ جاتا ہے کہ ان کی برتری ہزیمت میں بدل سکتی ہے پھر شاید وہ یہ کلمہ خیر غلطی سے بھی نہ کہہ سکیں۔

22 نومبر

ابراہام لنکن کی آفاقی وتاریخی تقریر

19 نومبر کو ہر سال لنکن میموریل کی طرف سے ان اصل دستاویزات کو عوام کے مشاہدہ کے لئے رکھ دیا جاتا ہے جو امریکہ کے سولہویں صدر ابراہام لنکن کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ ان تحریروں میں بیشتر، ان کے اپنے ہی ہاتھ کی تحریر کردہ ہیں۔ یوں تو ابراہام لنکن کی ہر تحریر ان کے خط کی خوبصورتی اور طرزِ تحریر کی دلکشی، اختصار، بے ساختگی اور سادگی کی وجہ سے قاری پر اپنا سحر قائم کر دیتی ہے لیکن عالمی ادبیات عالیہ کے افق پر جن تحریروں کو کلاسیک، سنگِ میل اور چراغ راہ کی حیثیت حاصل ہے، ان میں ابراہام لنکن کا ایک مختصر سا خطاب جو گیٹس برگ کے خطاب کے نام سے چہار سو مشہور ہے، بھی شامل ہے۔

صدر ابراہام لنکن کے اس خطاب کے پس منظر میں امریکی تاریخ کا ہولناک ترین المیہ یعنی امریکہ کی خانہ جنگی کے آلام، 6 لاکھ سے زیادہ امریکیوں کی ہلاکت کی آزردگی اور اپنی تاریخ کے بدترین بحران سے سرخ رو گزرنے والی قوم کا اپنے نظریہ اور ضابطہ حیات عہد و پیمان، تجدید، عزم اور قیادت کا تدبر و اخلاص سبھی کچھ شامل ہے۔

Marfat.com

قائداعظم کامیاب اور مشہور وکیل کی حیثیت میں

Marfat.com

ابراھام لنکن 37 برس کی عمر میں ایک کامیاب اور مشہور وکیل کی حیثیت میں

Marfat.com

قوموں کی خوش بختی ان کے دورِ بحران اور عہدِ ابتلا میں میسر قیادت سے وابستہ ہوتی ہے۔قوموں کے تاریخی بحران میں اگر قائدین صاحبِ کردار، جرأت مند، مخلص، فہیم اور بالغ نظر ہوں تو قوم سپر پاور بن جاتی ہے اور اگر بدکردار، بدفطرت، کوتاہ نظر اور فربہ دماغ ہوں تو سب سے بڑی اسلامی مملکت بھی پارہ پارہ ہوسکتی ہے۔ ہمیں اپنی خانہ جنگی کی مماثل آزمائش میں نہ کوئی ابراھام لنکن میسر آ سکا، نہ ہمارا کوئی عہد اور میثاق ہماری رہنمائی کر سکا اور نہ ہی کوئی قرارداد، دستاویز اور ضابطہ ہماری خانہ جنگی کی آگ کو سرد کر سکا۔ وائے ناکامی اور ہائے کالک کہ ہمیں ایسے میں جنرل آغا محمد یحییٰ خان آقائے ہوس وخورد ونوش ہی میسر آ سکے۔ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ قوموں میں خانہ جنگی بھی ہوتی ہے اور خانہ جنگی کی آزمائش سے قومیں بامراد اور سرخ رو بھی گزرتی ہیں ________ مگر دونوں صورتوں میں کسی نہ کسی ابراھام لنکن کی شرط عائد ہے۔

آغا صاحب کا سارا تدبر پختہ عمر کی فاحشہ عورتوں کو رجھانے کے کام آ گیا اور ان کی ساری بالغ نظری، وقت اور صلاحیت بیسواؤں کی دلداری، چکن تکہ اور فوجی عشائیوں میں صرف ہوگئی۔ ان کے پاس جو کچھ باقی بچا تھا، اس سے خانہ جنگی میں مبتلا قوم کو مزید خانہ جنگ تو کیا جا سکتا تھا مگر اس سے بچایا نہیں جا سکتا تھا۔ سو ہم پر تاریخ کی گواہی اور آغا صاحب کا طوفانِ ہوس، ہاؤ ہو اور ناؤ نوش بیک وقت تمام ہو گئے۔

وسط اکتوبر 1863 کی رات کے پچھلے پہر صدر ابراھام لنکن وائٹ ھاؤس کی دوسری منزل میں حسب معمول اپنے نام آنے والے خطوط پڑھ رہے تھے کہ ان کی نظر ایک رسمی سے دعوت نامہ پر مرکوز ہوگئی، یہ دعوت نامہ یونین آرمی کے ان سات ہزار فوجیوں کو قومی قبرستان میں دفنانے کی تقریب سے متعلق تھا، جو امریکہ کی خانہ جنگی کے دوران ایک حالیہ معرکہ میں گیٹس برگ کے نواح میں مارے گئے تھے۔ صدر ابراھام لنکن نے اپنی تمام جنگی مصروفیات کے باوجود اس تقریب میں شرکت

Marfat.com

کرنے کا فیصلہ کرلیا اور حسبِ استدعا تقریب کے اختتام پر عوام اور لواحقین سے دو چار رسمی جملے کہنے کی حامی بھی بھر لی۔ 19 نومبر کو گیٹس برگ کے قبرستان میں تقریب سے خطاب کے لئے ھارورڈ یونیورسٹی کے صدر ایڈورڈ ایورٹ بھی مدعو تھے۔ ایڈورڈ ایورٹ اپنے عہد کے بہت بڑے امریکی خطیب، عالم دانشور اور معزز شخصیت مانے جاتے تھے اور یونین پارٹی کی طرف سے وہ امریکہ کی نائب صدارت کے امیدوار بھی رہ چکے تھے۔

ایڈورڈ ایورٹ جو تقریب کے مرکزی مقرر تھے، انہوں نے دو گھنٹے کی تقریر میں امریکہ کی سیاسی وفوجی صورتِ حال، خانہ جنگی کے مصائب، آئینی ذمہ داریوں اور مستقبل کے منظر نامہ پر تفصیلی روشنی ڈالی، جسے صدر ابراھام لنکن نے انتہائی توجہ سے سنا۔ ایڈورڈ ایورٹ جیسے فصیح و بلیغ مقرر کے بعد اس بات کا امکان کم ہی تھا کہ صورتِ حال کا کوئی پہلو تشنہ رہ گیا ہو یا مزید کچھ اور کہنے سننے کی گنجائش رہی ہو۔ ایڈورڈ ایورٹ کی تقریر کے بعد صدر ابراھام لنکن کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ دراز قد صدر نے قائد اعظم فیم یک چشمی اِک آنکھ پر فٹ کیا، دھاگہ کھینچ کر دیکھا، لمحہ بھر توقف کیا اور آہستگی سے اپنی دو منٹ دورانیہ کی تقریر شروع کر دی۔ عوام کا ہجوم ابھی صدر کی تقریر سننے کے لئے بیٹھنے کی جگہ ہی ڈھونڈ رہا تھا کہ تقریر ختم بھی ہوگئی۔

صدر ابراھام لنکن کا یہ خطاب جسے بعد میں عالمی ادب میں ایک ممتاز شہ پارہ کی حیثیت حاصل ہوئی اور انگریزی زبان میں ادبی کلاسیک کے اعلیٰ ترین نمونہ کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ صدر ابراھام لنکن کے اس شہکار کو امریکہ کی پانچ اہم ترین قومی دستاویزات میں شامل کیا گیا۔ گیٹس برگ میں یہ خطاب، صدر کی ذہنی صلاحیتوں، رجحان، نظریہ، اختصار اور زبان پر عبور کا بہترین عکاس ہے۔ صدر نے بغیر کسی تمہید کے اپنی تقریر شروع کی کہ ''چار عشرین اور سات سال پہلے ہمارے اجداد نے اس برّ اعظم پر آزادی کے خیالات کی حامل ایک نئی قوم کی تشکیل کی، جس نے تمام انسانوں کو برابر پیدا کئے جانے کے نظریہ کو ماننے کا عہد کیا۔ اب جبکہ ہم

Marfat.com

ایک بہت بڑی خانہ جنگی سے دوچار ہیں تو یہ اس بات کی آزمائش ہے کہ کیا ایسے خیالات کی حامل ہماری قوم یا کوئی بھی قوم، قائم بھی رہ سکتی ہے۔ ہمارا واسطہ اس عظیم الشان میدان جنگ میں اسی جنگ سے ہے، ہم اسی میدان جنگ کا ایک حصہ ان کی آخری آرام گاہوں کے لئے وقف کرنے آئے ہیں، جنہوں نے اپنی جانیں قربان کر دی ہیں کہ قوم باقی رہے اور ایسا کرنا ہی مناسب اور بہتر ہے۔ لیکن ایک وسیع تناظر میں نہ تو ہم اس زمین کو ان کے لئے وقف کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس زمین سے بندھے مقدس عہد کو نبھا سکتے ہیں چونکہ بہادر مرد جو زندہ ہیں یا مر گئے ہیں، جنہوں نے یہاں مصائب اٹھائے، وہی اس زمین کو اپنی قربان گاہ بنا چکے ہیں۔ وہ کہ جن کی اس زمین کو مقدس بنا دینے کی قوت، ہماری تفریق واضافہ کرنے کی طاقت سے کہیں زیادہ تھی۔ دنیا اس بات پر بہت کم توجہ دے گی کہ ہم آج یہاں کیا کہہ رہے ہیں لیکن اسے ہمیشہ یاد رکھے گی کہ ہم نے آج یہاں کیا کیا ہے۔ اب یہ ہم زندہ لوگوں پر ہے کہ ہم اس نامکمل رہ جانے والے کام کو ختم کرنے کے لئے خود کو وقف کر دیں، جسے یہاں پر لڑنے والوں نے اب تک خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔ اب یہ ہم پر ہے کہ ہم اس مشکل کام کو ختم کرنے کے لئے خود کو وقف کر دیں جو ابھی تک ہمارے سامنے نا تمام ہے۔ ان مرجانے والے قابل احترام لوگوں سے ہم ان مقاصد کے لئے اضافی عزم حاصل کر سکتے ہیں کہ جن کی تکمیل کی راہ میں ان لوگوں نے قربانی کی آخری حد کو چھولیا ہے۔ ہمیں یہاں پر یہ انتہائی فیصلہ کرنا ہے کہ یہ مرنے والے بے وجہ نہ مرے ہوں۔ اس قوم کو خدا کی حفاظت میں آزادی کو نیا جنم دینا ہوگا اور عوام کی حکومت، عوام کے ذریعہ اور عوام کے لئے کا نظریہ اس کرۂ ارض سے معدوم نہیں ہونا چاہیے۔،،

صدر لنکن کی اس مختصر تقریر پر شروع میں تو مخالفانہ ردِّعمل کا اظہار کیا گیا اور امریکی اخباروں میں صدر ابراہام لنکن اور ان کی اس تقریر پر شدید تنقید روا رکھی گئی۔ اس تنقید سے صدر خود بھی دل برداشتہ ہوئے اور ''گیٹس برگ کے خطاب،،

Marfat.com

سے احتراز کرنے لگے لیکن اسی دوران ایڈورڈ ایورٹ کا ایک تعریفی خط صدر کے نام موصول ہوا۔ ایڈورڈ ایورٹ نے صدر کی، دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی صلاحیت کو سراہا، اس کی تعریف کی اور لکھا کہ ''میں جس مرکزی نقطے کے قریب دو گھنٹے میں پہنچا، آپ نے وہی بات صرف دو منٹ میں کہہ دی۔،،صدر لنکن پر اس خطاب کے ردِ عمل میں آنے والی ابتلا جلد ہی اعتراف و احترام میں بدلنے لگی۔ جن اخباروں کے ادارتی صفحات میں اس خطاب پر نفرین بھیجی جارہی تھی، اب وہاں مدح لکھی جانے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس خطاب کی سیاسی نوعیت تو پس پردہ چلی گئی لیکن اسے ادبیات عالیہ میں ایک کلاسیکی تحریر کا مقام مل گیا۔ دنیا بھر کی زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔ عالمی ادبی نقادوں نے اسے جدید انگریزی زبان کی بے مثال نثری نظم قرار دیا۔ آکسفورڈ، کیمبرج اور ہارورڈ جیسے علمی مراکز میں اس تحریر کو مضمون نویسی کے نادر نمونہ کی حیثیت حاصل ہے اور اس کا مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ اس تحریر میں وضاحت و بلاغت، گہرائی اور اختصار کا جو حسین امتزاج پایا جاتا ہے، انگریزی ادب کے عالمی نقاد اسے بہت بڑے قلمکار اور کسی جینئس کے زورِ قلم کا شاہکار قرار دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ صدر ابراھام لنکن کی کسی بھی سکول میں مدتِ تعلیم ایک سال سے بھی کم ہے۔ صدر لنکن خود پڑھ فارغ التحصیل تھے۔

صدر ابراھام لنکن کی توقع کے برعکس دنیا نے یہ یاد رکھا کہ 19 نومبر 1863 کو گیٹس برگ میں امریکی خانہ جنگی کے دوران مارے جانے والے فوجیوں کے قومی قبرستان کے رسمِ اجراء کے موقع پر انہوں نے کیا کہا تھا، جبکہ دنیا یہ بھول گئی کہ وہاں کیا ہوا تھا۔

امریکہ کی پانچ سالہ خانہ جنگی 1861 سے 1865 تک جاری رہی اور اس کی عمومی وجوہات بھی وہی تھی، جو عموماً خانہ جنگی کی وجوہات ہوتی ہیں لیکن سیاہ فاموں کو غلام بنائے رکھنے پر امریکی آئین، امریکہ کی اعلانِ آزادی کی دستاویز اور امریکی ضمیر کی آواز نے امریکی قوم کو واضح طور پر دو انتہاؤں میں تقسیم کر دیا۔ جنوبی

Marfat.com

ریاستوں کو جن میں جارجیا، فلوریڈا، الباما، لوئزیانہ، مس سی پی اور ٹیکاس وغیرہ شامل تھیں، انہیں اپنی زرعی معیشیت جاری رکھنے کے لئے لاکھوں ایکڑ پر پھیلی کاشتکاری کے لئے سیاہ فام غلاموں کی اشد ضرورت تھی کہ جو حسبِ معمول زرعی فارمز پر جبری مشقت کاٹتے رہیں۔ لہٰذا ان ساؤ درن ریاستوں کے مفادات سیاہ فاموں کو آزادی دیئے جانے کی راہ میں حائل تھے جبکہ پنسلوینیا، مشی گن، انڈیانا، نیو ہمپشائر، نی سوٹا اور نیو یارک وغیرہ پر مشتمل شمالی ریاستیں اپنی صنعتی پھیلاؤ، غیر زرعی معیشیت اور مختلف مفادات کے پیشِ نظر سیاہ فاموں کو آزادی دینے کی حق میں یک آواز تھیں۔

ناردرن اور ساؤدرن ریاستوں میں جاری چپقلش 1860 میں اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ جب ابراھام لنکن صدر امریکہ منتخب ہوئے۔ ابراھام لنکن کو صدارتی انتخابات میں ان تمام اٹھارہ ناردرن ریاستوں میں کامیابی حاصل ہوئی، جہاں سیاہ فاموں کو آزادی حاصل تھی، انہیں ان ریاستوں سے حاصل کردہ 180 الیکٹورل ووٹوں کی بنیاد پر صدر امریکہ منتخب کرلیا گیا جبکہ گیارہ ساؤ درن ریاستوں سے جہاں سیاہ فاموں کی غلامی جائز اور قانونی تھی، انہیں 72 الیکٹورل ووٹوں میں سے ایک ووٹ بھی نہ مل سکا یوں امریکہ واضح طور پر ساؤتھ بہ مقابلہ نارتھ صف آراء ہوگیا۔ 1860 کے صدارتی انتخابات کے نتائج سامنے آتے ہی امریکہ کی تقسیم کا عمل شروع ہوگیا۔ ساؤ درن ریاستوں کا یہ یقین اس تقسیم کی بنیاد بنا کر انہیں آئینی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ امریکی یونین سے علیحدہ ہوسکتی ہیں۔

20 دسمبر 1860 کو ریاست ساؤتھ کیرولائنا نے امریکی یونین سے علیحدگی کا اعلان کر کے خانہ جنگی کی بنیاد رکھ دی۔ ایک ماہ کے اندر اندر دوسری سات بڑی جنوبی ریاستیں بھی اس علیحدگی کے عمل میں شامل ہوگئیں۔ فروری 1861 میں کنفیڈریٹ سٹیٹس آف امریکہ کے نام سے نیا ملک وجود میں آ گیا، نئے پرچم لہرانے لگے، آئین بنا اور جیفرسن ڈیوس اس نئے ملک کے صدر منتخب ہوگئے۔ گو کہ

Marfat.com

چار مارچ 1861 کو عہدۂ صدارت سنبھالتے وقت صدر ابراھام لنکن نے ساؤ درن ریاستوں کو یہ یقین دہانی تو کرادی تھی کہ وہ ان کے ریاستی قانون اور معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے اور سیاہ فاموں کی آزادی کو متعلقہ ریاستوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے گا لیکن ساتھ ہی انہوں نے ہر قیمت پر امریکی یونین کے تحفظ کے عزم کا اظہار بھی کیا، ان کے اس اظہارِ قومی یک جہتی کو کنفیڈریٹ قیادت نے اعلانِ جنگ سے تعبیر کیا اور 12 اپریل 1861 کو چارلسٹن، ساؤتھ کیرولائنا میں یونین آرمی کے ریاستی ہیڈ کوارٹر قلعہ سمٹر پر پہلا گولہ داغ کر امریکہ کو اگلے پانچ سالوں کے لئے شدید خانہ جنگی، مصائب اور انسانی خون کی بدترین ارزانی سے دوچار کر دیا۔

12 اپریل 1861 سے شروع ہونے والی خانہ جنگی، جس کے بارے میں یہ سوچا گیا تھا کہ چند ہفتوں میں ختم ہو جائے گی، پانچ سال پر پھیل گئی۔ ہر آنے والا دن اس کی شدت اور خوں ریزی میں اضافہ کرتا گیا۔ خانہ جنگی میں روز بروز شدت میں اضافہ کی سب سے بڑی وجہ صدر ابراھام لنکن کی طرف سے امریکہ میں سیاہ فاموں کی غلامی ختم کر کے انہیں آزادی دے دینے سے متعلق تھی۔ صدر نے 22 ستمبر 1862 کو ایک صدارتی فرمان کے ذریعہ امریکہ میں غلامی ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔ سیاہ فاموں کے لئے اعلانِ آزادی سے کنفیڈریٹ امریکہ کی زرعی معیشت تباہی کے کنارے آن لگی۔ کنفیڈریٹ امریکہ کی کل 9 ملین آبادی میں تین لاکھ سیاہ فام بھی شامل تھے اور ان تین لاکھ سیاہ فام غلاموں کی 98 فیصد اکثریت زرعی زمینوں پر جبری مشقت کاٹ رہی تھی۔ آزادی کا اعلان ہوتے ہی کنفیڈریٹ امریکہ کی زرعی معیشت، جس کی خوش حالی کا انحصار مفت کی بیگار پر تھا، ڈولنے لگی۔ خانہ جنگی کے شروع سالوں میں قریب 1863 تک تو کنفیڈریٹ امریکہ کی آرمی نے بے جگری سے مقابلہ کر کے یونین آرمی پر اپنا دباؤ برقرار رکھا مگر گیٹس برگ کے بڑے معرکہ میں کنفیڈریٹ آرمی مار کھا گئی۔ اس خونی معرکہ

Marfat.com

میں اطراف کے پچاس ہزار فوجی صرف تین روزہ جنگ میں مارے گئے۔ گیٹس برگ کی جنگ میں یونین آرمی کی فتح نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ اس معرکہ کے بعد کنفیڈریٹ آرمی پھر کہیں ٹھہر نہیں سکی۔

خانہ جنگی کا آخری خونی معرکہ سپاٹ سلوینیا اور کولڈ ہاربر میں لڑا گیا۔ قریب ایک ماہ جاری رہنے والا یہ معرکہ اپنے اثرات اور گھمسان میں شدید ترین ثابت ہوا۔ اس معرکہ میں یونین آرمی کے ساٹھ ہزار فوجی مارے گئے، جن کی جگہ لینے کو تازہ دم افواج موجود تھیں لیکن کنفیڈریٹ آرمی کے مارے جانے والے قریب ایک لاکھ فوجیوں کا متبادل میسر نہیں تھا، یوں کنفیڈریٹ آرمی کے جنرل رابرٹ لی پیٹرز برگ میں محصور ہو گئے اور یونین آرمی کے جنرل یولی سس گرانٹ نے نو ماہ تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ (بعد میں یہی جنرل یولی سس گرانٹ 1869 میں امریکہ کے اٹھارہویں صدر منتخب ہوئے) حتیٰ کہ جنرل رابرٹ لی کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ یوں جب پانچ سال بعد امریکہ کی خانہ جنگی اختتام کو پہنچی تو اطراف کے چھ لاکھ افراد کا لہو پی چکی تھی، جس میں چار لاکھ فوجیوں کے علاوہ دو لاکھ شہری بھی ہلاک ہوئے۔

اس تاریخی صداقت سے انحراف کی ہماری جو بھی وجہ ہو، لیکن سچ یہی ہے کہ جو قومیں اپنی سالمیت، یک جہتی، عزتِ نفس اور آزادی کی عندالطلب قیمت کو لہو کی بجائے مذاکرات، حیلہ سازی اور اصلاحات کی جنس میں ادا کرتی ہیں، وہ نامراد رہ جاتی ہیں۔ اس سے نہ معاوضہ ادا ہوتا ہے، نہ سختی ٹلتی ہے، نہ بار آتا ہے۔ صرف مارشل لاء نافذ کر دینے والی افواج اور جلوس نکالتے رہنے والے نعرہ باز ہی قوموں کو متحد، سرفراز اور سرخ رو، رکھنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ آزادی اور اتحاد، کامرانی اور سرخ روئی لہو کا تقاضہ بھی کرتی ہے اور خراج میں جوان جہان جانیں بھی مانگتی ہے۔

امریکہ خانہ جنگی کی وجوہات میں متحارب فریقین کی معاشی واقتصادی حالت

Marfat.com

میں عدم توازن بھی بڑی وجہ ثابت ہوا۔ 1861 میں جب امریکی خانہ جنگی کا آغاز ہوا تو شمالی اور جنوبی ریاستوں میں معاشی عدمِ توازن کی خلیج بہت گہری ہو چکی تھی مثلاً صنعتی پیداوار کا 92 فیصد شمالی ریاستوں میں ساخت ہوتا اور 85 فیصد کارخانہ جات بھی انہی ریاستوں میں موجود تھے۔ اسی طرح مواصلات کا نظام بھی شمالی ریاستوں میں زیادہ موثر تھا۔ پورے امریکہ کی 71 فیصد ریلوے لائن بھی شمالی ریاستوں میں بچھی ہوئی تھی۔ صنعتی کارکنوں کی 92 فیصد آبادی بھی شمالی ریاستوں سے وابستہ تھی، جس سے ان ریاستوں کی معیشیت پر مثبت اثرات مرتب ہوئے جبکہ جنوبی ریاستوں میں سیاہ فاموں کی ایک تہائی آبادی جو کسی بھی طرح کی قوتِ خرید سے یکسر محروم تھی، جنوب کی معاشی سرگرمیوں میں شامل ہی نہیں تھی۔

امریکہ کی شمالی و جنوبی متحارب ریاستوں کے یہ معاشی اعداد و شمار حیران کن حد تک پاکستان کی خانہ جنگی کے دور کے معاشی اعداد و شمار سے ملتے جلتے ہیں۔ امریکہ کی جنوبی ریاستوں کے معاشی اعداد و شمار و حقائق مشرقی پاکستان سے اور شمالی ریاستوں کے مغربی پاکستان سے مماثلت رکھتے ہیں لیکن دونوں خانہ جنگیوں کے نتائج اعداد و شمار کے برعکس نکلے۔ اعداد و شمار ہمارے حق میں ہونے کے باوجود بھی مغربی پاکستان خانہ جنگی پر غلبہ نہ پا سکا جبکہ امریکہ میں شمالی ریاستیں اپنے برتر اعداد و شمار کی بنیاد پر ملک و قوم کی تقسیم کو ناکام بنانے میں کامیاب رہیں۔ عین ممکن ہے کہ خانہ جنگی کے عفریت سے مقابلہ میں اعداد و شمار سے زیادہ قیادت کی صلاحیت، اخلاص اور کردار کا دخل ہوتا ہو، وگرنہ بہتر معاشی صورتِ حال اور برتر اعداد و شمار ہونے کے باوجود پاکستان کی مشرقی خطہ میں ہزیمت کی کوئی ایسی وجہ نظر نہیں آتی ہے کہ جس پر انگلی رکھی جا سکتی ہو، جہاں انگلی رکھی جا سکتی ہے وہاں لنکن کی بجائے کلنک پایا جاتا ہے۔

ابراھام لنکن 12 فروری 1809 میں غریب ماں باپ کے ہاں ریاست کنٹاکی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے کسی باقاعدہ سکول میں تعلیم نہیں پائی۔ وہ اپنے

Marfat.com

محنت کش باپ کا ہاتھ بٹاتے جوان ہوئے۔ ابراھام لنکن خود پڑھ تھے اوران کا سارا علم اکتسابی تھا۔ بچپن میں انہوں نے اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا کہ ''ابراھام لنکن اپنے ہاتھ اور اپنے قلم کے لئے اچھا ثابت ہوگا لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ کب،، ان کی یہ بات درست ثابت ہوئی۔ طویل القامت لنکن نے لکڑیاں کاٹتے، وزن اٹھاتے اور کشتی چلاتے وقت اپنے ہاتھ کو اچھا ثابت کیا۔ بعد میں وہ اپنے قلم کے لئے بھی انتھک، عظیم الشان اور بے مثال ثابت ہوئے۔ جوانی میں ابراھام لنکن نے قانون کی عملی تربیت حاصل کی اور مقدمات لڑنے کا فن سیکھ لیا اور یہیں سے ان کی زمینی قانونی صلاحیت، سیاست اور کامیابی کا ایسا دور شروع ہوا، جو مفلس اور بے سہارا ''ایبے'' کو لکڑی کے ایک کمرہ کے گھر سے وائٹ ہاؤس تک لے گیا۔ بعد میں اسی ''ایبے،، نے اپنے ذہنی وجدان، تدبر، ذہانت، اخلاصِ آورد اور راست اقدامات سے امریکہ کی سدا بہار ہر دلعزیز شخصیت سے ادبیاتِ عالیہ تک رسائی حاصل کر لی۔

ہمارے ہاں قائدِ اعظم محمد علی جناح کا موازنہ عالمی رہنماؤں میں امریکہ کے بابائے قوم جارج واشنگٹن سے کیا جاتا ہے لیکن ان دونوں رہنماؤں میں بانی قوم ہونے کے سوا کوئی اور مماثلت کم ہی ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کا موازنہ ابراھام لنکن سے کیا جانا چاہیے۔ ان دونوں رہنماؤں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ دونوں طویل القامت رہنما اپنی قانونی ذہنی استعداد و صلاحیت سے سیاست کے عروج پر پہنچے۔ دونوں نے اخلاص، محنت، سنجیدگی اور تدبر سے قانون کی راہ سے سیاست کے خارزار کو عبور کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کو ابراھام لنکن پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ قائداعظم نے بہترین درس گاہوں سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی جبکہ ابراھام لنکن کا سارا علم اکتسابی تھا لیکن ابراھام لنکن کو قائداعظم پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ ان کے کریڈٹ پر امریکی یونین کو خانہ جنگی کے جبڑوں سے صحیح سلامت نکال لینا شامل ہے۔ دونوں رہنماؤں کو قومی افق پر بہت بڑا کام کرنے کا موقع ملا

Marfat.com

مگر کام کی نوعیت مختلف تھی۔ ایک کے سامنے ملک اور قوم کو تقسیم ہونے سے بچانے کا مرحلہ درپیش تھا اور دوسرے کو علیحدہ قوم کے لیے ملک تقسیم کرنے کا۔ دونوں اپنے مقاصد میں کامیاب رہے مگر قائداعظم محمد علی جناح کی ساری کامیابی تنہا ان کی ذات اور ان کی ذہنی صلاحیتوں سے وابستہ تھی۔ انہوں نے تن تنہا اپنی قوتِ استدلال اور کردار کی مضبوطی سے تاریخ کا دھارا موڑ دیا جبکہ ابراھام لنکن کو صدر کی حیثیت سے ایک معاون سیٹ اپ، سسٹم اور اداروں کی اعانت حاصل تھی۔

اپنے اپنے مقاصد کی تکمیل پر دونوں رہنماؤں کے ردِّعمل کا مطالعہ بہت دلچسپ ہے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح اس مرحلہ پر بھی اپنی ناتوانی کے باوجود متحرک اور پُرعزم تھی۔ لگتا ہے کہ وہ اس سے بھی بڑا کام سرانجام دینے کے اہل تھے، جو وہ انجام دے چکے تھے جبکہ ابراھام لنکن ان مصائب سے نڈھال نظر آتے ہیں، جن سے انہیں گزرنا پڑا تھا۔ قیامِ پاکستان پر آخری بار بمبئی سے کراچی آتے ہوئے ہوائی جہاز سے بمبئی شہر پر آخری نظریں ڈالتے ہوئے قائداعظم کا یہ کہنا کہ ''یہ بھی سب ختم ہوا،، قائد کی اس صلاحیت کا اشارہ ہے کہ جیسے کسی کام کے ختم ہو جانے پر کوئی شخص ذہنی فراغت کا شکار ہو جانے سے خوفزدہ ہو، اسے ایک اور کام درکار ہو، مزید مشکل، پیچیدہ اور مصائب بھرا، جس میں وہ اپنی مزید ذہنی صلاحیتوں کو آزما سکے۔ کوئی اور مشکل کام، جس میں چیلنج ہو، رکاوٹ ہو، انہونی ہو۔

صوفی منش، بذلہ سنج اور سادہ دل ابراھام لنکن کو بھی اپنی کامیابیوں کا ثمرہ دیکھنے کی مہلت نہیں ملی۔ 9 اپریل 1865 کو جب کنفیڈریٹ آرمی نے ہتھیار ڈالے اور امریکن یونین بحال ہوئی تو یہ صدر ابراھام لنکن کی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی تھی کہ وہ امریکہ کو تقسیم کے عمل سے بچانے میں کامیاب رہے تھے۔ ابھی انہیں اس عظیم الشان کامیابی پر مبارک باد ہی دی جا رہی تھی کہ 14 اپریل 1865 کی شام وہ مسز لنکن سے یہ کہتے ہوئے کہ وہ آج جس قدر خوش ہیں، زندگی میں کبھی اس قدر خوش اور مطمئن نہیں ہوئے، وائٹ ہاؤس کے قریب تھیٹر شو دیکھنے

Marfat.com

Address delivered at the dedication of the Cemetery at Gettysburg.

Four score and seven years ago our fathers brought forth on this continent a new nation, conceived in Liberty, and dedicated to the proposition that all men are created equal.

Now we are engaged in a great civil war, testing whether that nation or any nation so conceived and so dedicated, can long endure. We are met on a great battle field of that war. We have come to dedicate a portion of that field, as a final resting place for those who here gave their lives that that nation might live. It is altogether fitting and proper that we should do this.

But, in a larger sense, we can not dedicate — we can not consecrate — we can not hallow — this ground. The brave men, liv

خطاب گیٹس برگ

صدر ابراهام لنکن کے اپنے خط میں تحریر کردہ اصلی عبارت کا عکس

Marfat.com

ing and dead, who struggled here, have consecrated it, far above our poor power to add or detract. The world will little note, nor long remember what we say here, but it can never forget what they did here. It is for us the living, rather, to be dedicated here to the unfinished work which they who fought here have thus far so nobly advanced. It is rather for us to be here dedicated to the great task remaining before us— that from these honored dead we take increased devotion to that cause for which they gave the last full measure of devotion— that we here highly resolve that these dead shall not have died in vain— that this nation, under God, shall have a new birth of freedom— and that government of the people, by the people, for the people, shall not perish from the earth.

Abraham Lincoln.

November 19. 1863.

خطاب گیٹس برگ

صدر ابراھام لنکن کے اپنے خط میں تحریر کردہ اصلی عبارت کا عکس

Marfat.com

چلے گئے۔ شو کے دوران ہی ایک شقی القلب سٹیج ایکٹر جان ولکس بوتھ نے 56 سالہ صدر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔

ابراھام لنکن تاریخ کے ان بڑے لوگوں میں شامل ہیں کہ جن کی زندگی ان کے مشن کی تکمیل کے ساتھ ہی تمام ہوگئی۔

29 نومبر

فلک شعلہ بے محابا ہے

نیو یارک ٹائمز، ٹریبیون اور کئی دوسرے اخباروں میں آئی ایم ایف کا وضاحتی بیان شائع ہوا ہے۔ یہ وضاحتی بیان پاکستان کے وزیرِ خزانہ جناب شوکت عزیز کے اس ردِّعمل پر جاری کیا گیا ہے جو انہوں نے حالیہ 596 ملین ڈالر کے نئے قرضہ کی منظوری پر ظاہر کیا ہے۔ آئی ایم ایف ایگزیکٹو بورڈ کے اجلاس میں جونہی اس قرضہ کی منظوری دی گئی، شوکت عزیز صاحب نے اس ''کامیابی،، کا کریڈٹ لینے پر لمحہ بھر بھی توقف نہ کیا اور آئی ایم ایف کے نقطہ نظر کے برعکس ردِّعمل ظاہر کر کے آئی ایم ایف کو وضاحتی بیان جاری کرنے پر مجبور کر دیا۔ پہلے ایک نظر آئی ایم ایف کی اس قرضہ سے متعلق شرائط اور حقائق پر ڈال لینی چاہیے۔

اس قرضہ کی منظوری پر آئی ایم ایف کا کہنا ہے کہ یہ قرضہ پاکستان کو ڈیفالٹ ہونے سے بچانے میں مددگار ہوگا۔ اس قرض سے حکومت کو سانس لینے میں آسانی ہو جائے گی اور اس قرض کے زور پر حکومتِ پاکستان، ورلڈ بنک اور ایشین ڈیویلپمنٹ بنک سے نئے قرضہ جات حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکتی ہے۔ اس قرض پر شرح سود چار اعشاریہ سات فیصد ہے اور اسے دس قسطوں میں ریلیز کیا جائے گا۔ اس کی ادائیگی 3 سے 5 سالوں میں کرنا ہوگی۔

اس قرضہ کی منظوری پر اب جناب شوکت عزیز کا ردِّعمل ملاحظہ ہو، قرضہ کی منظوری کی اطلاعِ جاں فزا کو انہوں نے جنرل مشرف کی حکومت اور حکومت کی

Marfat.com

معاشی پالیسی پر اعتماد کا ووٹ قرار دیا ہے۔ انہوں نے حسب دستور نہ تو شرح سود کے بارے میں کچھ فرمایا نہ ادائیگی کے مختصر دورانیہ پر زبان کھولی۔ جبکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جنرل مشرف کی حکومت پر اعتماد کا ووٹ پاکستانی عوام سے ہی طلب کیا جانا چاہیے۔ آئی ایم ایف کو اس طرح کا اختیار دینا ہمارے لئے خسارہ کا سودا ہے۔
پچھلی نصف صدی سے عموماً اور ربع صدی سے خصوصاً ہمارے وزراء خزانہ ہماری تیرہ بختی کی سب سے بڑی علامت بنے رہے ہیں۔ اب ذہنی دیوالیہ پن کی ایسی سطح آ گئی ہے کہ جہاں بیرونی قرضوں کے حصول کو وزرائے خزانہ اپنی کارکردگی اور کامیابی کی سند سمجھتے ہیں۔ قرضہ دینے والے اس امید پر مزید قرضے دیئے جارہے ہیں کہ ہم قرضوں پر سود ادا کرسکیں اور قرضوں کی ادائیگی سے منکر نہ ہو جائیں، ڈیفالٹ نہ کرسکیں جبکہ شوکت عزیز صاحب اس قرضہ کو اپنی اور حکومت کی کامیابی کے طور پر استعمال کرنے پر مصر ہیں۔ حکومت پاکستان کو کہیں نہ کہیں سے، کسی نہ کسی طرح کے قرضے ملتے ہی رہتے ہیں لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قرض کے حصول پر وزیرخزانہ اس قرض کی شرائط، شرح سود اور ادائیگی کی مدت سے عوام کو بھی آگاہ کرتے۔ جیسا کہ اس حالیہ 596 ملین ڈالر پر شرح سود چار اعشاریہ سات فیصد ہے، یہ شرح سود آئی ایم ایف کے قرضوں پر بہت زیادہ شرح سود کے زمرہ میں آتی ہے۔ آئی ایم ایف کے پانچ دوسرے قرضہ جات جو اسی دوران دوسرے ملکوں کو دیئے گئے، ہیں ان کی شرح سود آدھا فیصد سے ڈیڑھ فیصد تک ہے۔ قرضوں کی شرائط اور شرح سود کو چھپانا لیکن قرض کی رقم کو اچھالنا ہی وزیرخزانہ کی سب سے بڑی کامیابی بن کر رہ گئی ہے۔
شوکت عزیز بھی اپنے پیش رو وزراء سے مختلف نہیں ہیں۔ قرض کی معیشت کو کامیاب معیشت قرار دینے کا ہنر انہیں ورثہ میں ملا ہے۔ ان سے پہلے جو وزرائے خزانہ تھے، وہ بھی شرح سود کو چھپانے اور قرض کے حصول کو اپنی کامیابی کی دلیل سمجھتے تھے۔ جس طرح آج شعیب محمد، غلام اسحاق خان، سرتاج عزیز، احسان

Marfat.com

الحق پراچہ، وی اے جعفری، مخدوم شہاب الدین اور اسحاق ڈار نہیں رہے، انشاء اللہ شوکت عزیز بھی نہیں رہیں گے لیکن ہماری معیشت پر ان ''ماہرین،، کے دروغ، نحس اور آئی چلائی سے کھینچی گئی سیاہ لکیر ان کی یاد ضرور دلاتی رہے گی۔

قرضوں کی ادائیگی کے بارے میں ہمارا سوال دوٹوک اور بے لحاظ ہے۔ مثلاً 596 ملین ڈالر جب تین سال کے بعد واجب الادا ہوں گے تو یہ ادائیگی قریب 625 ملین ڈالر تک ہو چکی ہوگی۔ قرآئن یہ کہتے ہیں ان 596 ملین ڈالر سے پرانے واجب الادا قرضوں کے سود کی ادائیگی کی جائے گی، جو کہ فروری اور مارچ میں واجب الادا ہیں۔ سو، اگر ان 596 ملین ڈالر سے کوئی سرمایہ کاری، کوئی فائدہ کوئی امید ہی وابستہ نہیں ہے تو 596 ملین لے کر 625 ملین دینے کا وعدہ کرنے والا یقیناً یہ جانتا ہے کہ فی الحال کام چلاؤ، بوقت ادائیگی نہ میں ہوں گا، نہ یہ میرا مسئلہ ہے۔ 5 سال بعد دینے والے جانیں اور لینے والے جانیں۔ فی الحال کام چلاتے رہنے کی اس پالیسی اور ادائیگی کی ذمہ داری کو عوام کے ناتواں کندھوں پر ڈال دینے کے رجحان نے قوم کے فرد، فرد اور زمین کے چپہ چپہ کو بیرونی قرضوں تلے دبایا ہوا ہے۔ اس زمین، سادہ دل عوام اور اس بیرونی قرض کے اصلی متاثرین سے اس قدر بے حس اور سنگدلانہ رویہ رکھنے کے باوجود وزیرِ خزانہ محترم ہیں، قابل تعظیم ہیں، انہیں دیکھ کر کھڑے ہو جانا اور ان کے ارشادات پر تالیاں بجانا فرض ہے حالانکہ وزیرِ خزانہ خوب جانتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ کیا چھپا رہے ہیں اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور کانٹے زمین میں بوتے ہیں وہ بالآخر ہمیں ہی کاٹنے پڑیں گے۔ حسب سابق وحسب دستور یہ فصل خارزار بھی اسی عوام کو اپنے دست ناتواں سے کاٹنی پڑے گی، جس کی کاشت پر آج وہ بہ حالت تالیاں بار آبیاری پر متعین ہے۔

زیادہ شرح سود کے بھاری بھاری قرضوں کی ادائیگی کے وقت تک ان قرضوں کے لینے والے قصہ پارینہ، نشان عبرت اور پاکستان کے لئے سیکورٹی

Marfat.com

رسک بن چکے ہوتے ہیں۔ اس طرح ادائیگی کا باران عوام کی گردنوں پر آ جاتا ہے جن سے شرح سود تک چھپائی جاتی ہے۔ جیسا کہ میاں محمد نواز شریف کی حکومت اوران کے کارندوں نے اپنے عہدِ اقتدار میں 72ارب روپیہ کے بیرونی قرضہ جات حاصل کیے، اب بوقت ادائیگی نہ وہ موجود ہیں، نہ ان کے بالک بالے۔ میاں صاحب ائرکنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھے کشمیری ہریسہ کھا رہے ہیں اور چڑوں کی یخنی نوش فرماتے ہیں۔ اب یہ ان کا مسئلہ ہی نہیں ہے کہ ان کے حاصل کردہ زیادہ شرح سود کے بھاری قرضے کون اور کیسے اتارے گا؟

یہی ہاتھ محترمہ بے نظیر بھٹو بھی عوام اور اس زمین سے کر چکی ہیں۔ انہوں نے اپنے عہدِ سیاہ میں صرف ایک کھرب 33 ارب روپے کے بیرونی قرضے حاصل کئے۔ اب جبکہ ہم ادائیگی کے پہاڑ تلے دبے ہوئے ہیں، تو وہ نزدیک نزدیک بھی نظر نہیں آتی ہیں۔ وہ نیویارک میں میک گوائر کے جس بیوٹی پارلر پر نظر آتی ہیں، وہاں تک عوام کی رسائی ہی نہیں ہے۔ آج زیادہ شرح پر بھاری قرضے لینے والے بھی اپنے پیش رووں کی طرح بوقتِ ادائیگی اس زمین سے بیگانہ اور عوام کی دسترس سے دور ہوں گے۔ پہلے والوں کے قرض اتارنے میں ہم اپنی حمیت، عزتِ نفس اور آبرو ہارے بیٹھے ہیں۔ خدشہ ہے کہ موجودہ کے قرض چکانے میں ہم کہیں اپنا ایمان ہی نہ گنوا بیٹھیں۔ یوں بھی شعیب محمد کی طرح شوکت عزیز کے خمیر کی چاش بھی امریکی مالیاتی اداروں میں پروان چڑھی ہے۔ عوام کو نہ ان کے جانے کا پتہ چلے گا نہ یہ کہ وہ کہاں گئے ہیں؟

یکم دسمبر

دو چار ہاتھ جبکہ......!

8 دسمبر بروز جمعہ، رات گئے تک جارج بش کی برتری 154 کی رہ گئی تھی۔ دو چار گھنٹے کی مزید دوبارہ گنتی سے یہ بھی نہ رہتی لیکن ہفتہ کی صبح فیڈرل سپریم کورٹ

Marfat.com

نے چار کے مقابلہ میں پانچ کی اکثریت سے گورنر جارج بش کے حق میں فلوریڈا میں ووٹنگ بیلٹس کی دوبارہ گنتی کے عمل کو فوراً رکوا دیا ہے۔ وجہ اس کی یہ بتائی گئی ہے کہ چونکہ 12 دسمبر کی ڈیڈ لائن کہ جس تاریخ کو ریاست فلوریڈا نے اپنے 25 الیکٹورز کی تصدیق کرنا ہے، اس قدر قریب ہے کہ اس دوران وہ تمام مشکوک اور سوالیہ ووٹنگ بیلٹس نہیں گنے جاسکیں گے کہ جن کے گنے جانے پر ریاستی الیکٹورز کی تصدیق ممکن ہوسکے گی، علاوہ ازیں ووٹوں کی گنتی جاری رہنے اور انہیں ماننے سے پورے انتخابی نظام پر شک وشبہ کے بادل چھا جائیں گے، جس سے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کے بعد ڈیموکریٹس اور نائب صدر الگور کے پاس اب مزید کچھ اور کرنے کو نہیں رہ گیا ہے، بجز اس کے کہ گورنر جارج بش کو صدر امریکہ مان لیا جائے اور ان کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں حالانکہ ہاتھ ان کے پہلے سے ہی مضبوط اور خاصے لمبے ہیں، اتنے لمبے کہ ٹیکساس کے گورنر ہاؤس سے واشنگٹن ڈی سی میں سپریم کورٹ تک پہنچ جائیں۔

گو کہ جارج بش براستہ سپریم کورٹ، وائٹ ہاؤس تک پہنچ گئے ہیں لیکن سپریم کورٹ کے ایک جسٹس کا یہ نوٹ امریکی تاریخ میں محفوظ رہے گا اور اسے یاد رکھا جائے گا کہ ''یہ کبھی پتہ نہیں چل سکے گا کہ ان انتخابات میں حقیقتاً کون صدر منتخب ہوا تھا،، لیکن یہ جاننے کے لیے کہ صدر کون منتخب ہوسکتا تھا کسی عالمانہ قیافہ شناسی کی ضرورت ہی کہاں ہے؟

11 دسمبر

بطنِ جمہوریت پر سوالیہ نشان؟

امریکی جمہوریت اپنی تاریخ کے بدترین بحران سے بہرحال نکل آئی ہے۔ ہم اسے سرخ رو نکل آئی ہے، اس لئے نہیں کہہ سکتے چونکہ یہ سرخ رو ہرگز نہیں نکل

Marfat.com

سکی ہے۔ موجودہ انتخابی معرکہ نے امریکی آئین، جمہوریت اور رائے عامہ کے بطن پر ایسے سوالیہ نشان ڈال دیئے ہیں کہ جن کا جواب اگلے کئی برسوں سوچا جاتا رہے گا اور جواب دیئے جانے کے باوجود یہ نشان بدستور بدنما اور سوالیہ ہی رہیں گے۔ یہ سوالیہ صورتِ حال امریکی صدارتی انتخابات کے طریقِ کار سے وابستہ ہے، جو موجودہ انتخابات کے نتائج سے ابھر کر سامنے آئی ہے۔

الیکٹورل کالج سسٹم پر تنقید کرنے والے اکثر یہ کہتے رہیں ہیں کہ اس سسٹم میں نظر نہ آنے والی ایک ایسی پیچیدگی پوشیدہ ہے کہ ایک صدارتی امیدوار رائے دہندگان کی زیادہ ووٹیں حاصل کر لینے کے باوجود الیکٹورل ووٹوں سے مار کھا سکتا ہے جبکہ اس سسٹم کے حق میں رطب للسان ایسی صورت حال کو بعیداز قیاس قرار دیتے رہے ہیں۔ لیکن یہ قیاس ان انتخابات میں حقیقت کے روپ میں سامنے آ گیا ہے۔ نائب صدر الگور کو کل رائے دہندگان کے 148 اعشاریہ 38 فیصد ووٹ ملے ہیں جبکہ گورنر جارج بش کو 47 اعشاریہ 87 فیصد ووٹ مل سکے۔ عوامی ووٹوں کے حساب سے نائب صدر نے آدھا فیصد ووٹ زیادہ حاصل کیے ہیں اور اس آدھے فیصد کا فرق 5 لاکھ 37 ہزار ووٹوں کے برابر ہے۔ یعنی الگور، رائے دہندگان کی 5 لاکھ 37 ہزار ووٹوں کی برتری حاصل کر لینے کے باوجود امریکی صدارت کا انتخاب ہار گئے ہیں چونکہ ان کے الیکٹورل ووٹ 266 سے زیادہ نہ بڑھ سکے جبکہ گورنر جارج بش الیکٹورل ووٹوں کا کم سے کم مطلوبہ ہدف (270) پورا کرنے میں کامیاب رہے اور وہ 271 الیکٹورل ووٹ حاصل کر کے صدر امریکہ منتخب ہو گئے ہیں۔

اس پُر اسرار پیچیدہ اور بدنما طریق انتخاب پر آئینی وانتخابی دانشوروں کا امریکی ماتھا 1960 میں اس وقت ٹھنک گیا تھا، جب جان ایف کینیڈی اور رچرڈ نکسن کے صدارتی انتخاب کے بھی اسی قدر تیز دھار نتائج برآمد ہوئے تھے۔ لیکن رائے دہندگان کی اکثریتی رائے کا بہرحال ایک خفیف سا بھرم تھا، جو چاک

Marfat.com

ہونے سے رہ گیا تھا، جو کہ خیر سے چالیس سال بعد موجودہ انتخابات میں بہر حال چاک ہوگیا ہے۔ 1960 کے صدارتی انتخابات میں جان ایف کینیڈی کو رائے دہندگان کے کل ووٹوں کا 49 اعشاریہ 72 فیصد اور رچرڈ نکسن کو 49 اعشاریہ 55 فیصد ووٹ ملے تھے، لیکن رائے دہندگان کی ووٹوں کی ایک چوتھائی فیصد سے بھی کم برتری کی بنیاد پر انہوں نے 303 الیکٹورل ووٹ حاصل کر لئے جبکہ رچرڈ نکسن کو محض 219 الیکٹورل ووٹ مل سکے۔ رائے دہندگان کی ایک چوتھائی ووٹوں کا فرق الیکٹورل ووٹوں میں 28 فیصد فرق کے برابر ثابت ہوا۔ الیکٹورل کالج سسٹم پر ماتھا ٹھنکانے کے لئے یہ اعداد و شمار کافی تھے جبکہ موجودہ انتخابات میں رائے دہندگان کے ووٹوں کی اکثریت اور الیکٹورل ووٹوں میں تناسب کا یہ بھرم بھی نہیں رہا ہے۔

موجودہ انتخابات میں ہارنے والے کو جیتنے والے سے 5 لاکھ 37 ہزار ایک سو اسی ووٹ زیادہ ملے ہیں۔ ماہرین اور نقاد اس صورتِ حال کو الیکٹورل کالج سسٹم کی پیچیدگی اور غیر فطری و غیر منطقی جمہوریت کی فتح تو قرار دے سکتے ہیں لیکن اسے اکثریتی رائے دہندگان کی بنیاد پر براہِ راست انتخابی جمہوریت کی سرخ روئی ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

16 دسمبر

صدارتی انتخابات کا شماریاتی تجزیہ

صدارتی انتخابی نتائج کا فیصلہ ہو جانے سے پوری قوم اپنی ہیجانی اور خلجانی کیفیت سے تو باہر نکل آئی ہے مگر اب تبصرہ، تنقید اور تجزیہ کا در کھل گیا ہے اور دانشوری کا زور بندھا ہوا ہے۔ طرح بہ طرح کے سیاسی تجزیوں سے قطع نظر ان انتخابات کا شماریاتی جائزہ بھی خاصا دلچسپ ہے۔ ہمارے خیال میں اس تجزیہ میں ہمارے لئے دلچسپی، اسرار اور مستقبل کی پیش بندیوں کے کئی پہلو پوشیدہ ہیں۔

Marfat.com

موجودہ انتخابات میں رجسٹرڈ 156 ملین امریکی ووٹروں میں سے 105 ملین ووٹروں نے اپنے حق رائے دہندگی کو استعمال کیا ہے۔ ووٹروں کا یہ 67 فیصد ٹرن آؤٹ امریکی صدارتی انتخابات میں ہمیشہ سے زیادہ ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس ریکارڈ ٹرن آؤٹ میں یہودی ووٹروں کی مساعی بھی شامل ہو۔ ان 105 ملین ووٹوں کی تقسیم اس طرح سے عمل میں آئی:

نائب صدر الگور	50,992,335	ملین۔ تناسب 48.33 فیصد
گورنر جارج بش	50,455,156	ملین۔ تناسب 47.87 فیصد
دوسرے امیدوار	3,949,150	ملین۔ تناسب 3.47 فیصد
میزان	105,396,641	ملین۔ میزان: 100 فیصد

ان 105 ملین ووٹروں میں 81 فیصد سفید فام، دس فیصد سیاہ فام، 7 فیصد ہسپنک، 2 فیصد ایشین امریکن اور ایک فیصد دوسرے تمام نامعلوم ووٹر شامل ہیں۔ سیاہ فام امریکیوں کی واضح اکثریت 90 فیصد نے حسب روایت ڈیموکریٹک پارٹی کے حق میں ووٹ دیئے جبکہ جارج بش کو سیاہ فاموں کے صرف 9 فیصد ووٹ مل سکے۔ ایشین امریکن جن میں چینی، عرب، انڈین اور خال خال پاکستانی بھی شامل ہیں، کہ اکثریت 55 فیصد نے بھی نائب صدر الگور کے حق میں ووٹ ڈالے۔ اس طرح سے مسلم تنظیموں کے اس دعویٰ کی قلعی اتر گئی ہے کہ جارج بش کی کامیابی میں ان کے ووٹوں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ آدھے فیصد سے بھی کم مسلمان رجسٹرڈ ووٹروں کا اگر کوئی کلیدی کردار ہوسکتا ہے تو شاید اس کردار سے نائب صدر الگور کو تو فائدہ ہوا ہو مگر جارج بش پر اس عنایت کا کوئی ثبوت اور شائبہ ہرگز نظر نہیں آتا ہے۔

یہودیوں کی اکثریت 80 فیصد نے بھی نائب صدر الگور کے حق میں ووٹ ڈالے جبکہ ماضی کے صدارتی انتخابات میں یہودی رائے دہندگان کا رجحان ری پبلکن پارٹی کی طرف ہی رہا ہے۔ عین ممکن ہے کہ نائب صدر کے لئے یہودی

Marfat.com

امیدوار سینیٹرلی برمین اس کی وجہ رہے ہیں۔ عیسائی پروٹسٹنٹ فرقہ کے ووٹروں کی اکثریت 56 فیصد نے جارج بش کے حق میں ووٹ ڈالے جبکہ رومن کیتھولک فرقہ کے عیسائیوں کی اکثریت 51 فیصد نے الگور کو ووٹ دیئے۔

گورنر جارج بش کا اصل ووٹ بنک دیہی علاقوں میں نظر آتا ہے، جہاں سے انہیں 60 فیصد ووٹ ملے جبکہ بڑے بڑے شہروں سے نائب صدر الگور کو 71 فیصد ووٹ حاصل ہوئے۔ خواتین کی اکثریت 54 فیصد نے بھی نائب صدر کے حق میں ووٹ دیا، خواتین کی اس مہربانی میں نائب صدر الگور کا خواتین کو اسقاطِ حمل کی کھلی چھوٹ اور قانونی حق دینے کے وعدہ کا ہاتھ بھی رہا ہوگا۔

18 دسمبر

قیامت کی چال

ہر گزرنے والے دن کے ساتھ ساتھ امریکی معاشرہ انتخابی ریخت سے جانبر ہو رہا ہے اور بے یقینی کے دباؤ سے باہر آ رہا ہے۔ بلاشبہ یہ انتخابی معرکہ امریکی تاریخ، آئین اور جمہوریت کی کڑی آزمائش ثابت ہوا ہے۔ اس آزمائش میں آئین اور جمہوریت کو تو بچالیا گیا ہے لیکن انصاف کے بطن پر، پڑنے والے چھینٹے چھپائے نہیں جاسکیں گے۔ گو کہ ان چھینٹوں کو منصفانہ تدبر اور تحفظ جمہوریت کی چادر سے ڈھانپ دیا گیا ہے لیکن انصاف کا مشروط ہونا بذاتِ خود بہت بڑی ناانصافی ہے۔ فیڈرل سپریم کورٹ نے آئین، جمہوریت اور وسیع تر قومی مفاد میں گورنر جارج بش کے حق میں فیصلہ دے کر امریکی جمہوریت اور سسٹم کو کئی ممکنہ آزمائشوں سے تو بچالیا ہے لیکن دنیا بھر میں عدالتوں کی اوّلین اور حتمی ذمہ داری کسی بھی طرح کے مفادات کے تحفظ کی بجائے، تحفظ، انصاف، حصولِ انصاف اور ہر قیمت پر انصاف کے اساس پر رکھی ہوئی ہے۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلہ سے انصاف کی اسی اساس پر زد پڑی ہے۔

Marfat.com

ایک طرف تو موجودہ انتخابی نتائج امریکی جمہوریت اور معاشرہ پر دور رس اثرات کا حامل ہوں گے اور دوسری طرف سپریم کورٹ کے اس فیصلہ پر تاریخ اپنا فیصلہ بھی صادر کرے گی۔ اس انتخابی معرکہ کے نتائج، فیصلہ اور حصولِ نتائج و فیصلہ امریکی تاریخ کا ایک حصہ بن جائیں گے۔ اس انتخابی عمل کی، تاریخ کی طرف پیش قدمی کی روداد امریکی معاشرہ اور مروّجہ جمہوریت کے لئے ناگہاں اور غیر متوقع تھی۔ قیامت کی یہ چال، بنا قیامت برپا کئے گزر تو گئی ہے مگر اس کے شواہد، انتہا اور اثرات یاد رکھے جائیں گے۔ تاریخ کی طرف پیش قدمی کے سفر کے واقعاتی روداد میں بہت سوں کے لئے، بہت سارے سبق پوشیدہ ہیں۔ یہ معرکہ اپنے سیدھے سادھے آغاز سے تاریخی انجام تک کیسے پہنچا، یہ بذات خود ایک دلچسپ مطالعہ ہے۔

7 نومبر: شام گئے جونہی پولنگ ختم ہوئی، ایسوسی ایٹڈ پریس اور ٹی وی نیٹ ورکس نے نائب صدر الگور کی، فلوریڈا میں فتح کا اعلان کر دیا۔ ان کے اعلان کی بنیاد ووٹ ڈالنے والوں سے انٹرویو اور ووٹروں کے عمومی رجحان پر رکھی گئی۔ ابھی اس اعلان پر کچھ لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ کئی کاؤنٹیز سے جارج بش کی برتری کے اعداد وشمار موصول ہونے لگے۔ ایک بج کر 15 منٹ پر فلوریڈا کو نائب صدر کے قبضہ سے چھڑا کے جارج بش کو فاتح قرار دے دیا گیا۔ رات ڈیڑھ بجے نائب صدر نے جارج بش کو مبارکباد دے کر اپنی شکست تسلیم کر لی۔ ڈھائی بجے کے قریب ٹی وی نیٹ ورکس نے ایک دفعہ پھر بازی پلٹ دی اور ووٹوں کی گنتی جاری ہونے کا اعلان کر دیا اس اطلاع پر نائب صدر نے اپنے اعلانِ شکست کو واپس لے لیا۔

8 نومبر: ریاست فلوریڈا میں ڈالے گئے 6 ملین ووٹوں کے

Marfat.com

نتائج آنے پر جارج بش کی برتری صرف 1,784 ووٹوں کی نکلی۔ ''اگر امیدواروں کے حاصل کردہ ووٹوں میں فرق 5 فیصد سے کم ہو تو تمام ووٹ دوبارہ گنے جائیں''، اس ریاستی انتخابی قانون کے تحت فلوریڈا کے ووٹ دوبارہ گنتی کے لازمی قانون کے زمرے میں آ گئے۔ اسی دوران پام بیچ کاؤنٹی کے حکام نے 19 ہزار ووٹنگ بیلٹس مسترد کرنے کی تصدیق کر دی۔ ان مسترد کئے جانے والے بیلٹس پر ووٹ دیتے وقت دوہرے سوراخ پائے گئے تھے۔ ایک ہی کاؤنٹی میں 19 ہزار ووٹوں کی تنسیخ کو انہونی اور ناقابلِ یقین کہا جانے لگا۔ ڈیموکریٹس نے اس انہونی کی انکوائری کا مطالبہ کر دیا۔

9 نومبر: نائب صدر الگور نے فلوریڈا کی پام بیچ، میامی ڈیڈ، بروورڈ اور والوشیا کاؤنٹیز کے قریب 2 ملین ووٹنگ بیلٹس کو ہاتھ سے گننے کا مطالبہ کر دیا۔ نائب صدر کا یہ مطالبہ اس لازمی دوبارہ گنتی سے سوا تھا، جو لازمی قانون کے تحت پہلے ہی کی جا رہی تھی۔

10 نومبر: دوبارہ گنتی کے نتائج پہلی گنتی سے مختلف نکلے۔ جارج بش کی برتری 1,784 سے 327 پر آ گئی۔ اس سے شک و شبہ کا جن بوتل سے باہر آ گیا۔

11 نومبر: جارج بش کے وکلاء نے ڈسٹرکٹ کورٹ میں نائب صدر الگور کے مطالبہ کو، جو ہاتھ سے ووٹوں کی دوبارہ گنتی سے متعلق تھا، اس پر عمل درآمد رکوانے کے لئے مقدمہ دائر کر دیا۔

12 نومبر: پام بیچ کاؤنٹی کے الیکشن بورڈ نے ہاتھ سے ووٹوں

Marfat.com

کی گنتی کے حق میں ووٹ دے کر گنتی شروع کرنے کا قانونی جواز مہیا کر دیا ہے اور ووٹوں کی تصدیق کے لئے 14 نومبر کی مقررہ تاریخ میں توسیع کا مطالبہ کیا ہے۔

13 نومبر: میامی میں فیڈرل کورٹ نے گورنر جارج بش کی، ہاتھ سے ووٹوں کی گنتی رکوانے کی درخواست مسترد کر دی ہے جبکہ سیکریٹری آف سٹیٹ کیتھرین ہیرس نے 14 نومبر کی ڈیڈ لائن میں توسیع کے امکان کو مسترد کر دیا ہے۔ وہ ریاست فلوریڈا میں جارج بش کی انتخابی مہم کی نگران رہ چکی ہیں اور پکی ری پبلکن ہیں۔

14 نومبر: کاؤنٹی سرکٹ کورٹ نے 14 نومبر کی ڈیڈ لائن میں توسیع کے اختیار کو سیکریٹری آف سٹیٹ کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔

15 نومبر: فلوریڈا کی سیکریٹری آف سٹیٹ کیتھرین ہیرس نے فلوریڈا کی سپریم کورٹ سے ہاتھ سے ووٹوں کی گنتی رکوانے کی درخواست کر دی ہے، جسے سپریم کورٹ نے بلا توقف مسترد کر دیا ہے۔

16 نومبر: فلوریڈا کی سپریم کورٹ نے پام بیچ کاؤنٹی میں ہاتھ سے گنے جانے والے ووٹنگ بیلٹس کی گنتی کو نہ روکنے کا حکم جاری کر دیا ہے۔

17 نومبر: فلوریڈا سپریم کورٹ نے کیتھرین ہیرس کو انتخابی نتائج کی سرکاری تصدیق کرنے سے تاحکم ثانی منع کر دیا ہے

18 نومبر: ریاست فلوریڈا کے بیرونِ ملک امریکی شہریوں کی وصول ہونے والی ووٹوں کے شمار سے جارج بش کی برتری

Marfat.com

930 ہوگئی ہے۔

20 نومبر: فلوریڈا سپریم کورٹ نے ہاتھ سے گنتی جاری رکھنے یا نہ رکھنے کے سوال پر طرفین کے دلائل کی سماعت شروع کر دی ہے۔

21 نومبر: سپریم کورٹ نے ہاتھ سے ووٹوں کی گنتی جاری رکھنے کے حق میں حتمی فیصلہ کر دیا ہے۔ مزید یہ کہ انتخابی نتائج کی تصدیق کی ڈیڈ لائن میں 26 نومبر تک توسیع کر دی ہے۔

22 نومبر: میامی ڈیڈ کاؤنٹی کے حکام نے ہاتھوں سے جاری گنتی کو یک لخت روک دیا ہے۔ حکام کا موقف ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ 26 نومبر کی ڈیڈ لائن تک ساڑھے چھ لاکھ ووٹوں کو ہاتھ سے گنا جا سکے۔

24 نومبر: فلوریڈا سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف جارج بش نے فیڈرل سپریم کورٹ میں اپیل کر دی ہے، جسے سماعت کے لئے منظور کر لیا گیا ہے۔

26 نومبر: پام بیچ کاؤنٹی کے ہاتھ سے دوبارہ گنتی کے نتائج چند گھنٹے کی تاخیر سے وصول ہونے پر کیتھرین ہیرس نے ان نتائج کو سرکاری گنتی میں شامل کرنے سے انکار کرتے ہوئے ریاست کے سابق سرکاری نتائج کی تصدیق کر دی ہے، جن میں جارج بش کو 537 کی برتری حاصل تھی۔

27 نومبر: نائب صدر الگور نے میامی ڈیڈ، پام بیچ اور نساؤ کاؤنٹیز کے انتخابی نتائج کو سرکٹ کورٹ میں چیلنج کر دیا ہے۔

28 نومبر: دونوں امیدواروں نے فیڈرل سپریم کورٹ میں اپنا اپنا تحریری بیان پیش کر دیا ہے۔

Marfat.com

29 نومبر: جارج بش کے وکلاء نے سرکٹ کورٹ سے درخواست کی ہے کہ پام بیچ اور میامی ڈیڈ کے ایک بلین ووٹنگ بیلٹس کو سٹیٹ کیپٹل میں منتقل کر دیا جائے۔

30 نومبر: فلوریڈا کی ریاستی قانون ساز اسمبلی سے ریاست کے 25 الیکٹورز نامزد کر دینے کے لئے اسمبلی کا خصوصی اجلاس طلب کر لیا گیا ہے۔

1 دسمبر: فیڈرل سپریم کورٹ نے جارج بش کی اپیل کی سماعت شروع کر دی ہے۔

2 دسمبر: فلوریڈا میں جج سینڈر ساؤلز کی عدالت میں نائب صدر کی طرف سے دائر کردہ انتخابی چیلنج کی سماعت شروع ہوگئی ہے۔

4 دسمبر: جج سینڈر ساؤلز نے نائب صدر الگور کے دائر کردہ چیلنج کو مسترد کر دیا ہے۔

5 دسمبر: نائب صدر نے جج ساؤلز کے فیصلہ کے خلاف فلوریڈا سپریم کورٹ میں اپیل کر دی ہے۔

6 دسمبر: فلوریڈا کے ریاستی رائے دہندگان کی بجائے ریاستی قانون ساز اسمبلی سے ریاست کے 25 الیکٹورز منتخب کرانے کے لئے اسمبلی کے ری پبلکن نمائندوں نے اسمبلی کا خصوصی اجلاس بلانے کی درخواست کر دی ہے۔

7 دسمبر: فلوریڈا سپریم کورٹ نے نائب صدر الگور کی اپیل مسترد کر دی ہے، جو انہوں نے جج سینڈر ساؤلز کے فیصلہ کے خلاف کی تھی۔

8 دسمبر: فلوریڈا سپریم کورٹ نے ہاتھ سے دوبارہ گنتی کے

Marfat.com

مقدمہ کا فیصلہ چار، تین کی اکثریت سے نائب صدر کے حق میں کر دیا ہے۔ فیصلہ میں حکم دیا گیا ہے کہ فلوریڈا کی تمام کاؤنٹیز میں 45 ہزار متنازعہ ووٹنگ بیلٹس کو دوبارہ گنا جائے اور اس نئی گنتی کی بنیاد پر نتائج کا اعلان کیا جائے۔

9 دسمبر: فیڈرل سپریم کورٹ نے پانچ، چار کی اکثریت سے فلوریڈا سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف جارج بش کے حق میں، دوبارہ گنتی کو روکنے کا فوری حکم جاری کر دیا ہے۔

11 دسمبر: فلوریڈا کی قانون ساز اسمبلی میں، اسمبلی کی طرف سے الیکٹورز نامزد کر دینے کے مطالبہ پر خصوصی کمیٹی نے سماعت شروع کر دی ہے۔

12 دسمبر: فیڈرل سپریم کورٹ نے فلوریڈا سپریم کورٹ کے دوبارہ گنتی کے فیصلہ کو مسترد کر دیا ہے۔ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ قانونی طور پر تمام ووٹنگ بیلٹس کو یکساں معیار پر شمار کرنے کے لئے کافی وقت میسر نہیں ہے اور نہ ہی دوبارہ گنتی کے لئے کوئی یکساں طریقہ کار موجود ہے۔ ووٹنگ بیلٹس کو گننے کے لئے یکساں میکانزم کی عدم موجودگی میں دوبارہ گنتی امتیازی سلوک کے زمرہ میں آتی ہے اور امتیازی سلوک کی اجازت نہیں ہے، یہ غیر آئینی ہے۔

13 دسمبر: نائب صدر الگور نے دوبارہ پھر شکست تسلیم کر لی ہے، انہوں نے سپریم کورٹ کے فیصلہ پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا ''اس بارے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ میں عدالتی فیصلہ سے ہرگز متفق نہیں ہوں لیکن قومی یک جہتی اور جمہوریت کی بقاء کی خاطر میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔''

Marfat.com

میں اپنی شکست مانتا ہوں۔

20 دسمبر

سیاسی بوزنہ و جمہوری زلیخا

انٹر پارلیمنٹری یونین جنیوا کے ایک اعلامیئے میں اکیسویں صدی اور جمہوریت کے حوالے سے دنیا بھر میں تازہ ترین ''جمہوری صورتِ حال،، پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے دنیا کی 192 مقتدرِ اعلیٰ ریاستوں میں سے 179 میں جمہوریت رائج ہو چکی ہے اور ان 179 آزاد ممالک میں رائے شماری کا کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور رائج ہے اور عوام حکومتوں کے چناؤ میں سرگرمی سے شریک ہوتے ہیں۔

عالمی جمہوری تناظر میں تو یہ رپورٹ خاصی حوصلہ افزاء ہے کہ دنیا بھر کی کل آبادی کا 93 فیصد حصہ جمہوری عمل میں سرگرم اور اس سے مستفید ہو رہا ہے لیکن ہم اپنے وطن میں جمہوری تجربہ کے حوالے سے عالم جمہوریت کے فروغ پر بھی ذہنی تحفظات رکھتے ہیں۔ اگر باقی دنیا میں بھی پاکستان کی طرح جمہوریت کا مطلب ڈھونڈ ڈھانڈ کر ڈاکوؤں، راشیوں، لیٹروں، شہدوں اور خواجہ سراؤں کو ہی منتخب کرنا ہے تو ایسی جمہوریت خواہ کہیں بھی ہو، انسانی مسائل کو بھلا کیا حل کر سکے گی۔

انٹر پارلیمنٹری یونین کو جمہوریت کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ جمہوریت کے معیار کے بارے میں بھی سوچنا پڑے گا۔ سیاسی بوزنہ اور جمہوری زلیخا قسم کے منتخب نمائندوں نے پاکستان کا معاشی اور معاشرتی دیوالیہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ اگر انٹر پالیمانی یونین کا روئے سخن ایسی ہی جمہوریت کی طرف ہے کہ جس میں لیٹروں کو جلا وطنی اور خود ساختہ جلاوطنی کی قانونی سہولتیں اور اجازت نامے حاصل ہوں تو ہمارے لئے ان سات فیصد میں ہونا ہی مناسب ہے کہ جہاں جمہوریت کا روگ جڑوں تک نہیں پھیلا ہے۔ انٹر پارلیمنٹری یونین کو جمہوریت اور ہٹ دھرمی و بے شرمی کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنا ہی پڑے گا۔ اگر یونین کے 93 فیصد میں ہم بھی شامل

Marfat.com

ہیں تو یونین کے یہ سارے اعداد و شمار مبنی بر حقائق نہیں کہے جا سکتے ہیں۔ یوں بھی وہ ممالک یونین کی اس عددی کرشمہ سازی میں کیسے شمار کیے جا سکتے ہیں کہ جن کا سیاسی بوزنہ عمر قید سے رسی تڑا کر باہر بیٹھا استخارے کھینچ رہا ہو اور جمہوری زلیخا عدالتوں کو مطلوب اور قانون سے مفرور ہو۔

28 دسمبر

ندا النحل

ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوه انکاتا

ترجمہ: اور نہ ہو جاؤ اس عورت کی مانند جس نے توڑ ڈالا اپنے سوت کو مضبوط کاتنے کے بعد (اور اسے) پارہ پارہ کر ڈالا۔ (سورہ النحل) کیا ہم پاکستان کو پارہ پارہ کر دینے کے مرتکب ہوئے ہیں؟

کیا ہم نے پاکستان کے مضبوط سوت کو کاتنے کے بعد (قیام اور حصول) اسے ریزہ ریزہ کر دیا ہے؟

کیا ہم پاکستان کے لئے سورہ النحل کی وہ عورت ثابت ہوئے ہیں، جس نے اپنے سوت کو کاتنے کے بعد اسے پارہ پارہ کر ڈالا ہے؟

کیا سورہ النحل کی یہ آیت ہمارے لیے ندا النحل ہے؟

کیا پاکستان واقعی ایک ناکام ریاست ہے؟ کیا دو قومی نظریہ کی توانائی اور نظریہ پاکستان کی اساس آج بھی موجود ہے۔ کیا پاکستان قائم رہ سکے گا یا ٹوٹ جائے گا؟

سن دو ہزار میں امریکن نیشنل سیکورٹی کونسل، وزارتِ خارجہ، سی آئی اے اور سینٹ کی خارجہ کمیٹی میں پاکستان کے بارے میں امریکی تھنک ٹینکس کی ایسی رپورٹس زیرِ غور رہی ہیں اور ان رپورٹس کی بازگشت ساری دنیا میں سنی گئی ہے کہ پاکستان زیادہ سے زیادہ دس سے بیس سالوں میں ٹوٹ جائے گا۔ پاکستان ایک

Marfat.com

ناکام نظریاتی ریاست ہے، پاکستان کی پیدائش غیر فطری اور دو قومی نظریہ غیر منطقی ثابت ہوا ہے۔ یہ ملک چلنے والا نہیں ہے۔

ایسا کیوں ہے اور یہ کیوں کہا جا رہا ہے؟

نہ ماننے کی بات دوسری ہے لیکن ایسا کہے جانے کی پانچ بڑی وجوہات اپنی جگہ موجود و مسلم ہیں۔

1۔ آپ نے قیام پاکستان کی اساس کو جھٹلایا ہے اور اس عہد سے بد عہدی کے مرتکب ہوئے ہیں، جو حصول مملکت کے لئے باندھا گیا تھا۔

2۔ ہم سرحدوں اور نظریہ پاکستان کے تحفظ کی ذمہ داری سے کماحقہ عہدہ برآ نہیں ہو سکے۔ اس سے ہمارے نظریاتی حصار میں شگاف پڑ گیا ہے۔

3۔ ہماری زمین پر آئین، قانون، ضابطے، جمہوریت، سماجی عدل، ادارے اور انسانی حقوق کا کوئی نخل بار آور نہیں ہو سکا۔

4۔ ہمارے بے عملے، دورخ اور بدخو حکمرانوں نے پاکستان کو دنیا بھر میں ناتواں، دست دراز، کسمپرس، کشکول بدست اور ناکام مملکت کے طور پر پیش کیا ہے۔

5۔ ہم لوگ بدعملی اور دورخی کا شکار ہیں جو دلوں کے اندر ہے، وہ کرتے نہیں ہیں اور جو کر رہے ہیں، اس پر یقین نہیں ہے۔ اسے مجبوری، بددلی اور مصالحت کے پیش نظر کرتے ہیں۔

خرابی مملکت کے ان پانچ بڑے عناصر کی موجودگی میں اب اگر امریکن تھنک ٹینک کا قیافہ یہ ہے کہ پاکستان کا وجود قائم نہیں رہے گا تو اس میں کسی کو گھورنے سے زیادہ خود جراحتی اور خود احتسابی کی ضرورت ہے کہ بہر حال ہم ان حالوں کیسے پہنچے اور ہم غفلت اور بددلی کے کس مرحلہ میں ہیں کہ چودہ کروڑ عوام کو ان کے منہ پر یہ مطلع کیا جا رہا ہے کہ تم اور تمھارا ملک قائم نہیں رہے گا اور اسے ٹوٹنا ہے، اسے ٹوٹ جانا ہی چاہیے۔

Marfat.com

یا الٰہی بے حسی کی یہ کون سی منزل اور خود فراموشی کا یہ کیسا طویل پہر ہے کہ ایسی خبر دل حزیں اور جان آزردہ پر بھی سب اچھا ہے، روز مرّہ ہے اور حسب معمول ہے۔ نہ کوئی جواب طلب، نہ جواب آمادہ، نہ دست مواخذ دراز ہوا، نہ کسی گریبان تک پہنچا، نہ کوئی زیرِ دام آیا نہ زیرِ تعزیر۔ دانشور حسبِ معمول فلسفہ کے کج بحث مضمون باندھتے اور موضوع اٹھاتے ہیں، کالم نگار ضیافتوں اور افطاریوں کی لذت لکھتے ہیں۔ نائیلون کی نائیٹوں اور مسکارہ کی دکانوں پر خواتین کا رش ٹوٹنے میں نہیں آتا۔ پراپرٹی ڈیلر پٹواری اور محکمہ مال مل جل کر ایک ہی پلاٹ کئی افراد کو بیچ رہے ہیں۔ پلاٹ کو فروخت درفروخت سے بچانے کے لئے لوگ متعلقہ پلاٹ پر ''بھائیو! یہ پلاٹ جھگڑے والا ہے،، لکھوانے پر مجبور ہیں۔ مملکت خداداد کی ایک تہائی سرکاری زمینیں ناجائز قبضہ کی زد میں ہیں، ایک تہائی پر محکمے اور ادارے قابض ہیں اور ایک تہائی پر پٹے کا پٹہ پڑا ہوا ہے۔ رشتے طے ہو رہے ہیں۔ چاپلوسی کا زور بندھا ہے۔ جوتوں میں دال بٹنے سے پہلے ستارے توڑ کے لائے جا رہے ہیں، ایک دوسرے پر صدقہ واری کی کیفیت طاری ہے۔ مہندی میں خضاب کی ملاوٹ کی جا رہی ہے۔ رشتہ لیتے وقت جس ہونہار کی تعلیم ڈبل ایم اے اور گریڈ 19 بتایا جاتا ہے، وہ ایف اے پاس اور گریڈ 11 کا کلرک نکلتا ہے، مشاطگی کو ہنر اور فریب دہی کو مہارت کا درجہ حاصل ہے۔ وہی خواتین جو لڑکی کا ہاتھ مانگتے وقت یہ کہتی ہیں کہ بس آپ کی بچی چاہیے ہمیں جہیز کی ضرورت نہیں، ہمارا گھر تو مال اسباب سے لدا ہے اور مزید رکھنے کی جگہ ہی نہیں ہے۔ دو چار ہفتوں میں یہی خواتین جہیز میں کمی بیشی پر اسی بچی کا جینا دوبھر کر دیتی ہیں۔ جہاں ساس نندیں نہیں ہیں وہاں شوہر خود یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ بیوٹی پارلر عروج پر اور بے حیائی زوروں پر ہے۔ محرم، نامحرم کا قضیہ آخری دموں پر ہے۔ میوزک گروپ شو اور موسیقی کی محفلوں نے اس خفیف سے پردہ کو بھی تار تار کر دیا ہے، جو مخلوط میل ملاپ میں حائل رہ گیا تھا۔

Marfat.com

لکھاری غیر ملکی سفر کی رنگینیوں میں اپنی FANTASY کی آمیزش سے حکایت کو دو آتشہ بنانے میں لگے ہیں، وزراء فیتے کاٹ رہے ہیں، دست کار سرخ اور کالے ریشمی دھاگے کے ازار بند بن رہے ہیں، پختہ عمر کی سیاسی اپسرائیں خضاب لگانے میں مصروف ہیں، حکام عشائیے ترتیب دے رہے ہیں اور عوام ادائیگی مصارف سے ہراساں قطار اندر قطار لگے بے چارگی اور سوالیہ نظروں سے اس بدعہدی کی سزا کاٹ رہے ہیں کہ جس عہد کو باندھنے میں وہ فریق ہی نہیں تھے۔ البتہ سزاواریت کے نخل دار پر وہ طرح طرح سے کھینچے جا رہے ہیں۔ ہم لوگ ایک ایسی نسل نا آسودہ کا قرض چکا رہے ہیں کہ جو نہ اپنے قول کی پکی نکلی، نہ پیچھے چھوڑنے والے ترکہ میں دست کشا، تاریخ ایسی نسلوں کو غیر محسن اور نا آسودہ قرار دیتی ہے، جن کا حاصل کردہ ورثہ چھوڑی جانے والی میراث سے زیادہ ہوتا ہے۔ لینے میں زیادہ اور دینے میں کم والا ہاتھ اگر نسلوں کا ہو تو نا آسودہ و نارسا، فرد کا ہو تو تنگ دست اور دست نرساں۔

نظریہ کی آڑ میں مملکت حاصل کرنے والوں نے نظریہ کا اطلاق ہی اپنی دوسری نسل کی صوابدید پر چھوڑ دیا، دوسری پہلی سے بھی سوا نکلی۔ بہانہ صفت، حیلہ جو، تاخیر پسند اور وسیلہ تراش۔ ہم نے وراثتی نظریہ پر عمل درآمد کی بجائے اسے حنوط کر دیا اور شرع، شریعت اور دین اللہ سے بچنے کے حیلے تراش لیے۔ نظریہ ضرورت، نظریہ فلاحی ریاست نظریہ سیکولر ریاست اور نظریہ روادار ریاست، جبکہ شرعی اسلامی ریاست کا صرف ایک رویہ ہی ان تمام فاسد اور دروغ نظریوں پر خطِ تنسیخ کھینچ دیتا ہے۔

لوگوں کے صحن میں زر و جواہر اور اجناس کا انبار لگا ہے اور مسجد نبوی سے مدینہ کے دور دراز مضافات تک افواج فتحیاب پڑاؤ ڈالے ہیں۔ ان افواج کی فہرستِ فتح یابی طویل، معرکے ناقابل یقین اور نصرت بے مثال ہے۔ یہ نمازی ایران کی رستم زمین سے باریاب پلٹے ہیں۔ قاضی عدالتیں لگائے بیٹھے ہیں۔

Marfat.com

شفاف، حتمی اور فوری انصاف کرنے والی عدالتیں لگتی ہیں۔ عمال، خدام بنے ہوئے ہیں اور امیر المومنین پر اس خیال سے رقت طاری رہتی ہے کہ ہزاروں میل دور برلب فرات بھوک سے مر جانے والے کتے کی بھی ان سے باز پرس ہوگی۔ حاجت مند ڈھونڈے جا رہے ہیں کہ صحن مسجد نبوی سے گراں باری اجناس کم ہو سکے۔ لوگ پیوند زدہ کپڑوں میں ننگے پاؤں پھر رہے ہیں مگر قانع، باحمیت اور نظر فراخ ہیں۔ ادھر نظر بھر کے دیکھتے تک نہیں ہیں۔ بڑی سے بڑی قاہر حکومتوں کو ملیا میٹ کر دینے والی افواج منتظر ہیں کہ اب انہیں کس زمین میں اللہ کا نام اور رسول کا نشان گاڑنا ہے۔ قاضی مدعی اور مدعا علیہ کی راہ تکتے ہیں اور قاضی القضاہ اصولِ شرع اور مبادیاتِ فقہ انصاف لکھ رہے ہیں۔ ہر طرف امن، انصاف، تحفظ اور استحکام کا سایہ سائبان ہے۔ خیبر اور قرب و جوار کے یہودی تاجر بلا کھٹکے مدینہ کے ریگ زاروں میں خرید و فروخت کرتے ہیں۔ سب محفوظ اور خوش حال ہیں۔

جب ریاست میں اسلامی شرعی نظام رائج ہو تو فلاح، رواداری، ایثار، علم، استحکام، انصاف، تحفظ اور دردمندی خود بہ خود در آتی ہے۔ ان ضرورتوں کو رائج کرنے کے لئے اسی اضافی نظریہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ نظریہ ضرورت کی اور نہ علیحدہ سے نظریے گھڑنے کی۔ ساری زمین کو شبیہ مصطفےٰ عمر بن عبدالعزیز کے خیالات کی ضرورت ہے۔ نظریات مصطفےٰ کمال اتاترک کی نہیں۔ پاکستان میں کمال اتاترک کے نظریات کی ترویج سے پہلے کم از کم کمال اتاترک کو ترکی میں تو بارِ ملامت سے واگزار کرالینا چاہیے کہ کمال اتاترک کے نظریات پر تین حرف بھیجنے والوں کی ترکی میں بھی کمی نہیں ہے۔ اتاترک اسلام اور ترکیہ کے جس قدر بھی کام آئے ہوں لیکن ہمارے ہاں تو قائداعظم محمد علی جناح کے نظریات ہی ہنوز شرمندۂ تکمیل ہیں، سو ایسے میں کمال اتاترک ہمارے ہاں بھلا کیا چل سکیں گے۔

ہمیں تو امید، ندا النحل اور سورِ اسرافیل یہی ہے کہ ہماری زمین میں وہی عہد متاخر پورا کیا جائے کہ جس کا قصد باندھا گیا تھا۔ نہ یہاں کسی اتاترک کی گنجائش

Marfat.com

ہے، نہ ہی اتاترک کسی کو راس آ سکے گا۔

کیا پاکستان دس، بیس سالوں میں ٹوٹ جائے گا؟

کیا پاکستان ایک ناکام نظریاتی ریاست ہے؟

ان ساری خرابیوں اور اندیشوں کا جواب اس ایفائے عہد سے مشروط ہے جو قیام پاکستان کے مطالبہ کے موقف میں اختیار کیا گیا تھا۔ ہماری سختی کا ٹلنا اس عہد کی تکمیل سے وابستہ ہے، جسے 1905 سے 1947 تک سو رنگ سے باندھا گیا تھا اور ہزار طرح سے جھٹلایا گیا ہے۔

ہماری نجات وعدہ کے سوت کو پارہ پارہ کر دینے میں ہرگز نہیں ہے۔

ہماری سختی، ہزیمت، رسوائی اور جگ ہنسائی کا کارن صرف یہی نہیں ہے کہ مسلمان ہونے کے باوجود بھی ہماری زمین پر اللہ کے نام، نظام کی بجائے امریکہ اور یورپ کی خوشنودی مروّج ہے بلکہ اس کارن میں بدعہدی اور قول سے پھر جانے کی سزا بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا برتاوا نافرمانوں کے مقابلہ میں بدعہدوں سے کہیں زیادہ سخت لگتا ہے۔ نافرمانوں کے لئے تو دراز رسی کی سہولت اور مہلت میسر ہے مگر وعدہ کر کے پھر جانے والوں کے لئے یہی دراز رسی کبھی پھندے میں بدل جاتی ہے، کبھی طوق میں، کبھی اس میں گرہ پڑتی ہے اور کبھی کڑی لگ جاتی ہے۔

گردن میں پھندہ

گلے میں طوق

دلوں میں گرہ

نیتوں پر کڑی

ہمارے لیے فرار کے سب راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ ہم ہر طرح سے بھاگنے اور بچنے کی کوشش کر چکے ہیں مگر وعدہ شکنی پر پکڑ سخت اور عہد شکنوں کی پرسش اس سے بھی سخت ہے۔ اس بارے میں حکم دوٹوک اور بیان اٹل ہے۔ کہہ دیا گیا

Marfat.com

ہے کہ: واو فو بالعھد ان العھد کان مسولا ترجمہ: اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی۔ (سورہ بنی اسرائیل)

جیسا کہ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں کہا گیا تھا کہ ہمیں ایک علیحدہ خطہ زمین اس لیے چاہیے کہ جہاں ہم اپنے دین کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزار سکیں اور اس خطہ زمین پر اپنے مذہب کے تقاضے پورا کریں اور جہاں ہم اس ضابطہ حیات کا نفاذ عمل میں لاسکیں، جو ہماری مذہبی ذمہ داری اور ہماری فطرت کا عین تقاضہ ہے لیکن اس کے بالکل برعکس بیسویں صدی کے آخری نصف میں اس عہد کو جس طرح جھٹلایا گیا، اس سے بچنے کی تاویلیں گھڑی گئیں اور اس سے فرار کے منصوبے باندھے گئے، درمیانی راستے نکالے گئے اور درمیانے پیدا کیے گئے، عین ممکن ہے کہ یہودی اور اسلام دشمن دانشور ہم سے زیادہ ہماری اس عہد شکنی، اس کی سزا اور اس سے پیدا ہونے والے بگاڑ کو سمجھتے ہوں اور اسی لئے یہ کہا جا رہا ہو کہ پاکستان قائم نہیں رہے گا (خاکم بدہن) یہ ٹوٹ جائے گا۔ اللہ نہ کرے کہ یوں ہو مگر ہم نے اپنی طرف سے کسر کوئی نہیں چھوڑی۔

وائے ناکامی کہ آدھا گنوائے بیٹھے ہیں اور ہائے بے حسی کہ باقی آدھے پر کمر بستہ ہیں۔ دلوں میں پڑی گرہ کھولنے، گلوں میں پڑا طوق اتارنے، نیتوں پر لگی اعمال کی کڑی ڈھیلی کرنے اور پھندے سے گردن چھڑانے کا نسخہ کیمیا آج بھی وہی ہے کہ جس کا عہد تو باندھا گیا تھا مگر جس کے مسلسل پرہیز سے ہمارے ابدان بروص، نیت کڑکی، اعمال کھوٹے، راستہ آلام زدہ، منزل نامعلوم، زمین قہر زدہ، بیبیاں بے باک، معیشت مقروض، ناچنے والے بے قابو اور علماء تقسیم ہو چکے ہیں۔

جس عہد کو پورا کرنے کی پرسش کڑی اور شدید ہوگی اس کو پورا کر لینا ہی احسن ہے۔ اس سے پہلے کہ ہمارا گروہ معین معیاد اور مہلت کی زد میں آجائے، ہماری زمین میں اللہ کا نظام، رسول ﷺ کی شریعت اور خلفائے راشدینؓ کا سماجی

Marfat.com

عدل نافذ کر دینے سے ہی ہماری سختی کا بار ٹل سکتا ہے۔ ہمارا وعدہ بھی یہی تھا اور عہد بھی یہی باندھا گیا تھا۔ معیاد مختلف ہونے کے باوجود بھی معینہ ہے۔ کیا عجب کہ یہ اس قدر دور نہ ہی ہو کہ جس قدر سمجھا جا رہا ہے۔ یہ جب بھی آ گئی، سو آ گئی پھر اس میں پس و پیش، سود و زیاں اور چیں بجبیں نہیں چلتی ہے۔ سورہ الاعراف میں ارشاد ربانی ہے: **ولکل امتہ اجل فاذ اجاء اجلھم لا یستا خرون ساعتہ ولا یستقد مون** ترجمہ: ''اور ہر گروہ کے لئے ایک معیاد معین ہے سو جس وقت ان کی معیاد معین آ جائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے''۔

اس بات کو چاہے جس قدر بھی خفت اور آزردگی سے مانا جائے لیکن یہ ماننا ہی پڑے گا کہ پاکستان میں اس حد تک تو واقعتاً ایک ناکام نظریاتی مملکت ہے کہ یہاں وہ نظریہ دور، دور بھی نظر نہیں آتا ہے جسے اصول، اساس اور فیصلہ کن امتیاز کی حیثیت سے منوایا گیا تھا، فوجیوں کی حکومتوں، اٹھائی گیروں کی اسمبلیوں، عدم سماجی انصاف، بکاؤ نمائندوں، نظریہ انصاف کی بجائے نظریہ ضرورت سے مسلح منصف، پراگندہ جمہوریت اور یرغمال عوام کا اس نظریہ میں کہیں بھی ذکر نہیں تھا کہ جس نظریہ کے زور پر مملکت خداداد کا قیام ممکن ہوا تھا۔ ہم نے چونکہ نظریہ کو طاقت نشین کر دیا ہے، اس کا اطلاق ہی نہیں ہو سکا لہٰذا یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ یہ نظریہ ناقابلِ عمل، بے جان یا محض کتابی ہے۔ امریکن تھنک ٹینکس کا یہ تجزیہ سو فیصد غلط اور بے ہودہ ہے۔

قصور نظریہ کا نہیں ہے، نظریہ آج بھی اسی قدر جاذب، جاندار اور قابل عمل ہے جتنا کہ نصف صدی پہلے تھا، سو اس حوالہ سے ہم محفوظ ہیں کہ بالآخر یہ نظریہ ہی پاکستان کے بگاڑ کے آڑے آ جائے گا اور اسے ٹوٹنے نہیں دے گا۔ غالباً یہ بات امریکن تھنک ٹینکس اور دانشور نہ پہلے کبھی سمجھ سکے ہیں، نہ سمجھ سکیں گے، کہ ہماری مٹی کی سائیکی اور عوام کی سرشت میں اسلام کے تحفظ، دفاع اور حمیت کی رگ موٹی

Marfat.com

اور جڑ گہری ہے۔ مزاحمتی موٹائی اور گہرائی ہمارے ہونے کا شرف اور پاکستان کے مستقبل کی ضمانت ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کہتے تھے کہ ''پاکستان قائم رہنے کے لئے بنا ہے، سو یہ قائم رہے گا۔ انشاء اللہ''۔

لیکن یہ قیام اس عہد سے مشروط ہے، جسے ہم ٹالتے تو رہے ہیں لیکن اسے ہمیشہ کے لئے ہرگز نہیں ٹالا جا سکتا۔ اس عہد کو پورا کرنے میں مزید جس قدر تاخیر ہوتی رہے گی، ہم اسی قدر خراب، خجل اور خوار ہوتے رہیں گے۔ پاکستان کو صرف اور صرف نظریہ کی قوت سے ہی قائم رکھا جا سکتا ہے۔ جغرافیہ کے جس سیکولر پر آلائشی حصار میں مینار پاکستان ایستادہ ہے، اس کی سرفرازی اسی اساس پر قائم رہ سکتی ہے، جو اس کی بنیادوں میں موجود ہے یعنی پاکستان کا مطلب کیا...... لا الہ الا اللہ، اللہ کا نظام اور عوام کی حاکمیت۔

ہماری بقا، سرفرازی اور تحفظ اسی بنیاد میں پوشیدہ ہے۔

ہمارے مقتدر طبقے مانیں یا نہ مانیں، کانوں میں روئی لگائے رکھیں یا نکال لیں لیکن ندا النحل آ رہی ہے۔ ہم سب سنتے ہیں، گوش برآواز اور راضی بہ رضا ہیں، خبردار اور آمادہ ہیں۔ ہم اپنی دینی حمیت کے تار، اسلام کی مضبوط رسی اور پاکستان کے کاتے ہوئے مضبوط سوت کو پارہ پارہ نہیں ہونے دیں گے، نہ کسی کو کرنے دیں گے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ ''عذاب وہاں سے آتا ہے جہاں سے تم اس کی توقع بھی نہیں کرتے'' سو قیاس اغلب اور امید قوی ہے کہ اس طرح خیر و رحمت، نصرت، فتح مندی اور غلبہ بھی کسی ایسی طرف سے آ سکتا ہے کہ جس طرف سے توقع ہی نہیں ہے۔ حیران کر دینے کی صفت اور متحیر کر دینے کے وصف والا رب جب بھی چاہے شوریدہ سرلہروں کے درمیان راستہ بنا دے کبھی پانی شق ہو، کبھی قمر، کبھی آندھی پتھر برسائے اور کبھی ابابیلیں لشکر کا رخ پھیر دیں۔ ہمارے حق میں خیر و

Marfat.com

رحمت اور غلبہ و نصرت کی نہ کوئی سمت معین ہے نہ حد مقرر۔ خواہ ابابیلیں آئیں کہ لہریں شق ہوں، آگ میں پھول کھلیں، نار گلنار بنے، پانی چڑھے کہ اترے...... ظلم وابطال مٹ کر ہی رہے گا۔

باطل کے اجزائے ترکیبی اور پرچہ استعمال خط تنسیخ میں لکھا ہے خواہ اس کی زد میں نظریات مصطفیٰ کمال اتاترک کے علمبردار و اسیر آ جائیں کہ امریکن تھنک ٹینکس کے قیافے، سی آئی اے کے تجزیے ہوں یا امریکی حکومتوں کی اسلام کے خلاف بدخواہیاں۔ باطل کو مٹنا ہی ہوتا ہے کہ بالآخر مشیت ایزدی یہی ہے اور یوں ہو کر ہی رہے گا۔ انشاءاللہ

30 دسمبر

حرف دل بستہ

ہر سال کی طرح ٹائمز سکوائر نیو یارک میں سال نو کا جشن منانے کو ہجوم مرد و زن جمع ہے۔ روشنی، چیخ پکار، موسیقی اور خوش فہموں کے قہقہے ہیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی ہے------ ابھی بارہ بج جائیں گے، نیا سال شروع ہو جائے گا۔

ایک اور نیا سال۔

سن دو ہزار ایک

یہی ہجوم بے قابو ہو جائے گا۔ کچھ نیم برہنہ ہو جائیں گے کچھ نیم بے ہوش جو برہنہ اور بے ہوش نہیں ہو سکیں گے۔ انہیں مدہوشی گھیر لے گی لیکن یہ مدہوشی اور نیم برہنگی رات گئے تک کی ہے۔ دن چڑھے گا تو امریکہ اپنی صبح اور نیا سال مزید مضبوط جمہوری روایت سے شروع کرے گا۔ سب جانتے ہیں کہ فلوریڈا میں سارے ووٹ گن لئے جاتے تو نائب صدر الگور ہی صدر امریکہ بنتے۔ مگر نائب صدر نے عین اس وقت سپر ڈال دی، جب وہ جمہوریت کو نکیل ڈال سکتے تھے۔ جن قوموں میں جمہوریت کو نکیل ڈالنے کی بجائے جمہوریت کے سامنے سپر ڈال دینے

Marfat.com

والے موجود ہوں وہی قومیں اس ابتلا سے محفوظ رہ سکتی ہیں جن سے امریکہ محفوظ ہے۔ نائب صدر الگور کا ایثار امریکی قوم اور تاریخ کو یاد رہے گا۔

جبکہ ہم مبتلاؤں کا قومی تجربہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

ہمارے سامنے ذاتی مفادات اور ہوس اقتدار میں کبھی جمہوریت کو مصلوب کیا گیا، کبھی عوام کو، کبھی آئین ٹوٹتے ہیں کبھی اسمبلیاں، کبھی ہمارا جغرافیہ بدلتا ہے کبھی سرحدیں۔ ان ساری خرابیوں نے آئین، قانون اور ضابطوں کے نہ ماننے سے جنم لیا ہے۔ جب ہمیں کسی الگور کی ضرورت پیش آئی ہے تو ہمیں محترمہ اور میاں مل جاتے ہیں جو نہ اپنی شکست مانتے ہیں، نہ دوسرے کی فتح اور جب عدلیہ سے منصفانہ تدبر اور انصاف کی امید باندھی جاتی ہے تو ہمارے ہاتھوں میں نظریہ ضرورت کا گھگھو گھوڑا تھما دیا جاتا ہے۔ بدعملی طرح طرح سے ہمارا راستہ روکتی ہے اور بدعہدی ہر طرح سے ہمارا راستہ کاٹتی ہے۔

یوں تو سارا عالمِ اسلام اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی خجل، خوار اور دباؤ میں ہے مگر امریکہ کے موجودہ انتخابی نتائج اس دباؤ کو مزید گہرا کر سکتے ہیں۔ جارج بش کے خاندانی منہ کو مسلمانوں کا خون لگا ہے اور الگور ہمارے حق میں یہودیوں سے بڑھ کر یہودی ثابت ہوئے۔ فلسطین اور کشمیر میں سارا سال جس تواتر سے نوجوان اور خونِ ناحق بہا ہے اور مسجدِ اقصیٰ میں داخلے سے مسلمانوں کو جس طرح بے آبرو اور بے دخل کیا جا رہا ہے، اس کی تلافی ہزیمت ان بے حمیت مسلمان حکمرانوں کے بس میں نہیں ہے، جو اپنے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے مسلم اُمہ کو بنیاد پرست اور مخلوط پسند میں تقسیم کرتے جا رہے ہیں۔

ہماری امید تو سورۂ بنی اسرائیل کی اس نوید سے وابستہ ہے کہ جس کی تکمیل کی راہ میں ہماری بدعملی اور بدعہدی دیوار کی طرح حائل ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ربانی ہے: ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم وامددنکم باموال و بین وجعلنکم اکثر نفیرا۔ ترجمہ ''پھر ہم نے پلٹا دیا تمھارے حق میں زمانہ کی

Marfat.com

گردش کو جو دشمن کے خلاف تھی اور ہم نے قوت بخشی تمہیں مال سے، بیٹوں سے اور بنا دیا تمہیں کثیر التعداد"۔ (بنی اسرائیل)

لاریب، بلاشک و تحقیق ہم اقرار کرتے ہیں کہ اے اللہ تو نے مال سے بیٹوں سے اور کثیر التعدادی سے ہمیں قوت بخشی اور خوب بخشی۔ اب زمانہ کی گردش بھی ہمارے حق میں پلٹا کر اس نصف عہد کو بھی ہم پر پورا کر دے کہ جس کی تکمیل میں ہماری بدعہدیاں اور بداعمالیاں حائل ہیں۔ انہیں نظر انداز فرما۔ ہمیں معاف کر دے۔

ہمارے خلاف آندھیوں کی طرح چلنے والی گردش ہمارے حق میں پلٹا دے۔ اس کتاب کی آخری سطریں لکھتے ہوئے ہمیں احمد فراز کا یہ شعر بار بار یاد آتا ہے۔ سو، اسے لکھ دینا چاہیے کہ ہم لکھتے ہوئے کبھی کسی مصلحت کے مرتکب نہیں ہوئے...... الحمدللہ، حرف برنوکِ قلم زد کرنے اور سطر بہ لبِ خیال کو بے ستر چھوڑ دینے کا جرم ہم سے تا حال سرزد نہیں ہو سکا ہے۔

میرا قلم تو امانت ہے میرے لوگوں کی
میرا قلم تو عدالت میرے ضمیر کی ہے
اسی لئے تو جو لکھا تپاکِ جہاں سے لکھا
جبیں تو لوچ کماں کا، زبان تیر کی ہے
احمد فراز

31 دسمبر

Marfat.com

اہل پاکستان کے لئے عمیق پیغام اور سامان فکر

ڈاکٹر حقی حق نے اپنی کتاب ''سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے'' میں ایسے دل پذیر انداز میں حق بیان کیا ہے کہ تاریخ کے سنجیدہ حقائق ایک ناول کی طرح سے دلچسپ انداز میں سامنے آتے ہیں۔ یہ اسلوب یقیناً پڑھنے والوں میں یقیناً کشش اور انہماک پیدا کرے گا۔

امریکی تاریخ اور قیام پاکستان میں اس لحاظ سے حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے کہ دونوں میں خوابوں کی سرزمین اور موعودہ وطن کے لئے ہجرت کا راستہ اختیار کیا گیا۔ اس کے بعد مختلف الخیال قبائل اور قوموں کا اجتماعی زندگی گزارنے کا تصور بھی حیرت انگیز طور پر مماثل ہے۔ امریکہ نے زمانے کے نشیب وفراز سے گزرتے ہوئے بے پناہ مادی ترقی کی اور قلیل عرصے میں وہ سب کچھ حاصل کیا جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ہر چند کہ یورپی مہاجرین نے ریڈ انڈینز کا جو حشر کیا اور افریقی غلاموں سے جس طرح کام لیا، وہ ان کی استعماری جبلت اور سفاکیت کو عیاں کرتا ہے۔ اور وہ لوگ جو اس وقت یورپ کے غیظ وغضب، تشدد اور استحصال کا نشانہ بنے تھے، آج ان کے ہاتھوں اسلام سے تعلق ورشتہ رکھنے والے نشانہ ستم بن رہے ہیں۔ تاریخ کے بدلتے ہوئے اطوار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی آفاقی نظریہ پیش نظر نہ ہو تو ہر مظلوم آگے جا کر خود ظالم بن جاتا ہے۔ یہاں پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اقوام یورپ نے ہجرت کر

Marfat.com

کے بے مثال مادی ترقی کی تو پاکستان کیوں پس ماندگی اور درماندگی سے دوچار ہے؟ تو اس کا جواب بقول غالب یوں دیا جا سکتا ہے کہ

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے

امریکیوں نے جو آئین بنایا اس میں اگرچہ کچھ خامیاں بھی تھیں، مگر وہ اس کے ساتھ پیوستہ رہے اور اس سے وفا کی، جب کہ ہم نے اللہ کے ساتھ جس وعدے پر یہ ملک قائم کیا تھا، قائداعظمؒ کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس سے انحراف کرنا شروع کر دیا۔

امریکہ نے بیرونی سطح پر تو استحصال کیا لیکن اپنے ہاں آئین کی بالادستی اور قانون کی حکمرانی کو سربلند رکھا۔ مگر ہم جو برطانوی غلامی سے نجات پا کر اور برہمنی استعمار سے بھاگ کر پاکستان کی منزل پر پہنچے تھے، پھر سے استعمار کو آقا بنا بیٹھے۔ اور اس کے گماشتہ جاگیردارانہ نظام سے نجات نہ حاصل کر پائے۔ آج اگر امریکہ آزادی اور جمہوریت کی طے کردہ منزل کا راستہ چھوڑتا ہے اور ظلم و بربریت کا راستہ اپنا لیتا ہے تو اس کے خوفناک نتائج بہت جلد اس کے سامنے آئیں گے۔ اسی طرح اگر پاکستان بھی اپنی موجودہ روش کو بدل ڈالے اور پاکستان کو اس کے نظریات پر استوار اور بزرگوں کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے پر تل جائے تو پاکستان بھی امریکیوں سے بڑھ کر ہجرت کے ثمرات سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ حقی حق صاحب کی یہ کتاب عمدہ کاوش ہے۔ اس میں اہل پاکستان کے لئے ایک عمیق پیغام اور سامان فکر موجود ہے۔

لیفٹیننٹ جنرل حمید گل (ر)

Marfat.com

دو بڑے ادیب باہم یک جا

ہنر اور بصیرت کا حسین امتزاج، تاریخ اور ادب کا انوکھا اظہار اور درد دل و دردمندی کی کمیاب کسک۔ حقّی حق کی اس کتاب میں دو بڑے ادیب باہم یک جا نظر آتے ہیں۔ بیان کا پیچ اور گیرائی مختار مسعود جیسی، سادگی اور بے ساختگی قدرت اللہ شہاب والی۔ اردو نثر میں ایسا منفرد حسن بیان، اثر آفرین اسلوب اور توانا لب ولہجہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ ''سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے'' فکر، بیان اور اسلوب کی سمت میں حیران کن تجربہ اور نئی جہت کا، کامیاب تعین ہے۔

ڈاکٹر احسان پیرزادہ
ہارورڈ یونیورسٹی۔امریکہ

Marfat.com

بصیرت اور امید کا رچاؤ

تبدیلی اور انقلاب کی بناء ڈالنے والی تحریروں میں سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے، کی گواہی دی جائے گی۔ یہ فیصلہ مشکل امر ہے کہ ڈاکٹر حقی حق کی گذشتہ کتاب ''کوڑھ کی کاشت'' میں لفظ و لہجہ کی کاٹ گہری تھی یا اس کتاب میں بیان، بصیرت اور امید کا رچاؤ زیادہ ہے۔ امریکی شب و روز کے پردے میں ہمارے ماضی پر، ماتم سے پر امید مستقبل تک کا سفر مصنف نے جراتمندی، دلسوزی اور کامیابی سے طے کیا ہے۔

ڈاکٹر شبیر احمد۔
لاڈرہل۔فلوریڈا۔امریکہ

Marfat.com

حقی حق۔۔۔۔۔وطن عزیز کا سرمایہ افتخار

وہ پاکستانی وطن عزیز کا سرمایہ افتخار ہیں۔جن کے دل پاکستان سے دور ہونے کے باوجود صبح وشام وطن عزیز کے لئے دھڑ کتے ہیں۔شکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر حقی حق کا شمار بھی ان محب وطن لوگوں میں ہوتا ہے جو مادر وطن سے دور رہ کر بھی اس کی پسماندہ حالت پر کڑھتے رہتے ہیں اوراس کی ترقی اور خوشحالی کی تدبیریں سوچتے ہیں۔

موجودہ کتاب ڈاکٹر حقی حق کی ڈائری ہے جس میں انہوں نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ پاکستان اور امریکہ کے تاریخی حقائق کا موازنہ کیا ہے اور دیانتداری کے ساتھ اپنے ہم وطنوں کوموجودہ مشکل صورت حال سے نکلنے کی راہیں تجویز کی ہیں۔تعلیم کی افادیت پرزور دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بجا طور پر پاکستانیوں کو یہ قیمتی مشورہ دیا ہے کہ ہائی سکول تک تعلیم قانون کے ذریعے ہر پاکستانی بچے کے لئے لازمی قرار دے دی جائے۔تعلیم کے ذریعے مسلمان دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

پاکستانی سیاست کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے صحیح طور پر کہا ہے کہ موجودہ لوٹ مار کے کلچر کوختم کئے بغیر پاکستان میں نہ ہی جمہوری قدروں کی آبیاری ممکن ہےاور نہ ہی سیاسی استحکام حاصل کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

''سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے'' نہ صرف مصنف کی طرف سے خدائے بزرگ و برتر کے حضور ایک دعائیہ التجا ہے بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے دعائیہ تحریر ہے۔ میری بھی دعا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے دل سے نکلی ہوئی یہ بات تمام مسلمانوں اور حصوصا پاکستانیوں کے دل میں اتر جائے۔

یہ کتاب تاریخ، سیاست اور ادب کے طالب علموں کے لئے ایک بیش بہا خزانہ ہے اور سیاسی کارکنوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ ہر محب وطن پاکستانی کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے۔

فاروق لغاری

(سابق صدر پاکستان و صدر ملت پارٹی)

Marfat.com

شفیق پبلی کیشنز کی دیگر مطبوعات

دلیل آفتاب 300/-

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے مطالعات نعت — مرتب: عمران نقوی

محراب 240/-

دینی موضوعات پر نشری تقاریر — پروفیسر سیف اللہ خالد

دیار عشق 120/-

منتخب نعتیہ مجموعہ اشاعت جدید — مرتب زبیر احمد

کیسر کیاری 200/-

شگفتہ کالم، ماضی کی امانت، حال کے صفحات — احمد ندیم قاسمی

مزید گنجے فرشتے 180/-

شگفتہ خاکے — عطاء الحق قاسمی

مجھے کوئی شام ادھار دو 120/-

شاعری — اعتبار ساجد

شام ہوگئی جاناں 150/-

شاعری — عزیز احمد

مزاج بخیر 120/-

طنز و مزاح — تنویر حسین

Marfat.com

تمہیں کتنا چاہتے ہیں 150/-

شاعری — اعتبار ساجد

کوڑھ کی کاشت 200/-

پاکستان کے لٹنے کی درد بھری داستان — ڈاکٹر حقی حق (شکاگو)

پاکستان میں اردو ادب کے پچاس سال 100/-

پاکستان میں اردو ادب کا مختصر جائزہ — پروفیسر سیف اللہ خالد

ایک بوسے پہ یہ قیامت 120/-

شاعری — اختر حسین ثمر

Illumination of Heart 100/-

ڈاکٹر نذیر احمد (برمنگھم)

سورہ بنی اسرائیل گواہی دے 290/-

ڈاکٹر حقی حق (شکاگو)

شفیق پبلی کیشنز

چوک گڑھی شاہو، لاہور فون 92-42-6304761 فیکس 92-42-6370989

Email: shafiqpublication@yahoo.com

Marfat.com

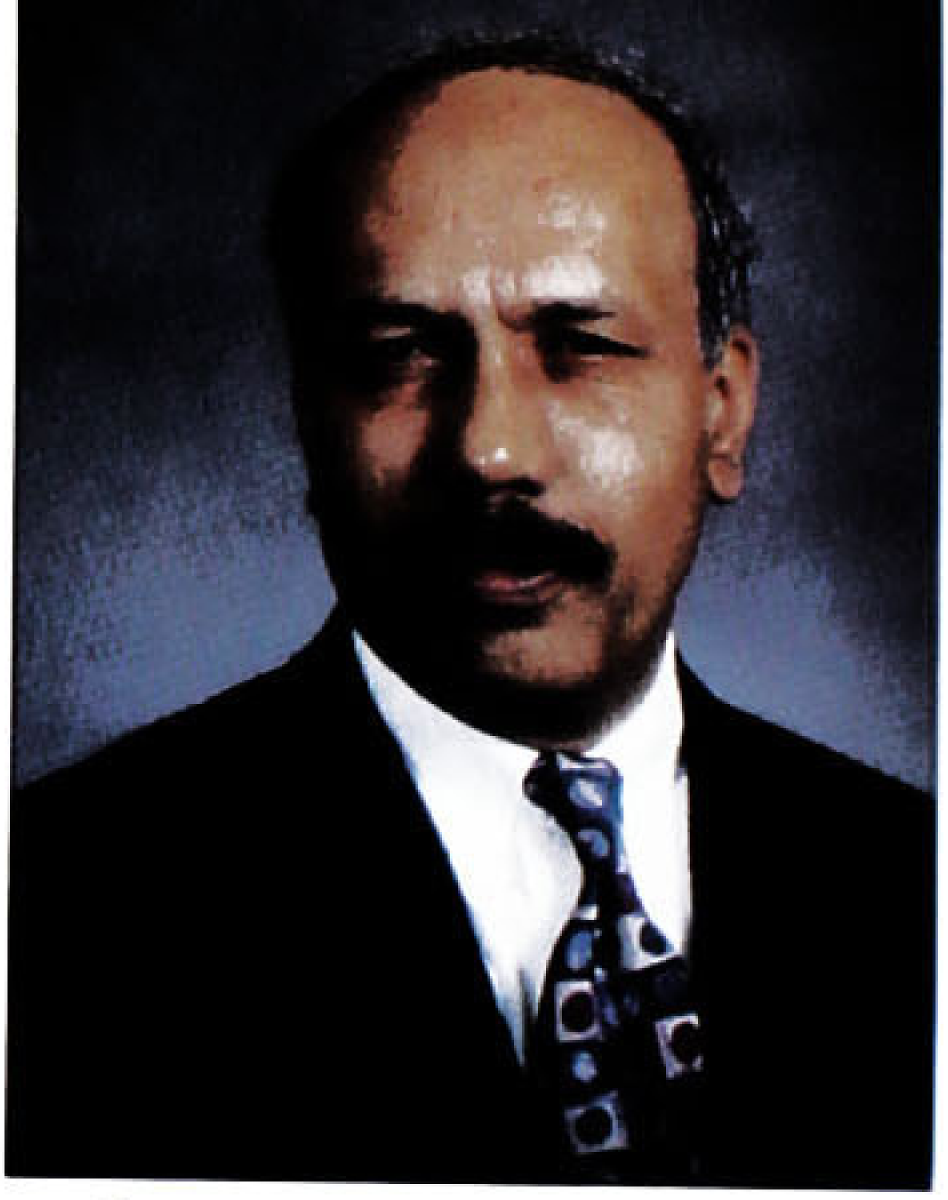

سورۃ بنی اسرائیل ناتواں اور
مسلمانوں کے حق میں گواہی دے
مسجد اقصیٰ پر ہمارے حق اور تصرف پر
اللہ کی رضا ثابت کر۔ اس بیت اللہ
کے تحفظ اور دفاع میں بہہ جانے
والے ہمارے لہو پر گواہ ہو اور اسکی
وراثت ہم پر بحال کر دے۔
وقت آ گیا ہے کہ خود کو مسجد اقصیٰ کی
بحالی وراثت کے لئے اللہ کی میثاق
اور نبی کی دستاویز ثابت کر دے۔ اپنے کمزور و منتشر ورثاء کے حق میں پانسہ پلٹ
کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تیرا صدق، سحر، اعجاز، نوید اور گواہی ثابت و تمام ہو۔

سورۃ بنی اسرائیل اپنے بیان و کلام اور اسرار و اعجاز کو ظاہر کر کہ خاک اقصیٰ
سے ہماری نسبت کی شہادت میں ہمارے نبی کا معجزہ، عمر ابنِ خطاب کے آنسو، امیر
معاویہ کا تدبر، صلاح الدین یوسف ابن ایوب کی شجاعت اور حکیم الامت محمد اقبال کا
نالہ شب گیر اور آزردگی پوشیدہ ہے۔ ہمارے حق میں ہمارے اسلاف کے اس اثاثہ
پر اپنی تصدیق کو اجال، سر چڑھ کے بول اور گواہی دے۔

سورۃ بنی اسرائیل اپنے ریشمی غلافوں اور مخملی جزدانوں سے برآمد ہو، خطا
کار ہونے کے باوجود اپنے نیازمندوں کا مان نبھا، ان کی لاج رکھ کہ محض قاری ہی سہی
تیرے خوش الحان تو ہیں، بے عمل ہی سہی تیرے حفاظ تو ہیں، بے توقیر ہوں گے مگر تجھ
پر جانثار، تیرے وارث اور لفظ لفظ چومنے والے تو ہیں۔ حق داروں کی حق تلفی میں
حائل ہو، ان کے حق پر گواہ ہو اور سچ کو الم نشرح کر دے۔

کیسا بلانکہ سے رباط تک دو سمتی شاہراہ لخت لخت، دھول و دھول، لیر و لیر
فلک شگاف اور قُم سے تہران تک لہو بہ داماں، زخم زخم اور لالہ و گل ہوتی رہتی ہے لیکن
کہیں کہیں اس شاہراہ پر سرے سے بد رونقی، بے رنگی، جھاڑ جھنکار اور سناٹے کے س
کچھ بھی نہیں ہے، جیسے اکوڑہ خٹک سے اسلام آباد اور رائے ونڈ سے لاہور۔۔۔

لیکن کب تک۔ اللہ جب بھی چاہتے ہیں بنجر، بانجھ اور تھور زدہ زمین کو بھی
سرخ پھولوں سے بار آور کر دیتے ہیں۔ کیا عجب کہ پھولوں کی سرخی میں اس راستہ
بہنے والے لہو کی سرخی بھی شامل ہوتی ہو۔

ڈاکٹر حقی حق

Marfat.com

میرے خیال میں یہ کتاب سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے تاریخ بھی ہے۔ سیاست بھی۔ فکر بھی اور ادب بھی۔
عوام اس سے ایک مربوط مطالعے کے انداز میں لطف اندوز ہوں گے اور خواص مزید غور وخوض پر مائل میں
حقّی حق کو اس معتبر تصنیف پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

اشفاق احمد

اسلام اور اسلامی تہذیب خود مغرب کیلئے بھی جائے پناہ بن کر رہے گی اور یہی وہ اپیل اور دعا ہے جو صاحب
کتاب کے قلم سے اس کتاب میں جا بجا موجود ہے۔ اس کتاب کی وسیع اشاعت اور ہر طبقہ فکر کیلئے اس کا
مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

قاضی حسین احمد (امیر جماعت اسلامی پاکستان)

سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے مصنف کی طرف سے خدائے بزرگ و برتر کے حضور ایک دعائیہ التجا ہے یہ کتاب
تاریخ سیاست اور ادب کے طالب علموں کیلئے ایک بے بہا خزانہ اور سیاسی کارکنوں کیلئے مشعل راہ ہے۔ ہر محب
وطن پاکستانی کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے۔

فاروق احمد خان لغاری (سابق صدر پاکستان)

ڈاکٹر حقّی حق ایک پکے اور سچے پاکستانی ہیں۔ ان کی کتاب سورۃ بنی اسرائیل گواہی دے دو مختلف معاشروں دو
مخالف تہذیبوں اور دو متضاد افکار اور خیالات کی عکاسی کرتی ہے۔ دورِ حاضر کی ایک اہم ضرورت ہے کیا عجب
کہ سورۃ بنی اسرائیل کی گواہی چراغِ راہ اور منزل کی سمت نشان دہی کرنے والا سنگ میل بن سکے۔

وسیم سجاد (سابق چیئرمین سینٹ)

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے۔ ڈاکٹر حقّی حق کی یہ کتاب عمدہ کاوش ہے اس میں
اہل پاکستان کیلئے ایک عمیق پیغام اور سامانِ فکر موجود ہے۔ اسکا اسلوب پڑھنے والوں میں یقیناً کشش اور
انہماک پیدا کرے گا۔

لیفٹننٹ جنرل حمید گل (ر)

حقّی حق کی یہ دوسری تصنیف بھی تیغ تیز کی طرح کاٹ دار اور انسان کے سوئے ہوئے ضمیر کو پہلو بدل بدل کر
کچوکے لگاتی ہے۔ اپنی نوعیت کی اس مفرد کتاب میں چشم کشا معلومات اور مشاہدات کا ایک بیش قیمت
خزینہ پوشیدہ ہے۔

الطاف حسن قریشی (مدیر اردو ڈائجسٹ)

اس وقت امریکہ بلا مبالغہ شداد کی جنت، فرعون کی خدائی اور قارون وہامان کی معیشت کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔
جبکہ مسلم اُمہ کی حالت بنی اسرائیل سے ملتی جلتی ہے۔ ڈاکٹر حقّی حق نے عروج وزوال کی اسی داستان کو چھیڑا
ہے اور اپنے روزنامچہ نما مضامین میں پاکستان اور امریکہ کا موازنہ کیا ہے۔

سید ارشاد احمد عارف (ڈپٹی ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت لاہور)

ISBN 969-8443-17-7

Marfat.com